دل گداز تحریریں ۔ زندگی کی تصویریں

کراچی

ماہنامہ

سچی کہانیاں

اشاعت کے 37 سال

JUNE / JULY

2020

پُراسرار نمبر

Pakistanipoint

Learning Point

"رُباط" سچی کہانیاں کا نیا تہلکہ خیز سلسلہ مایہ ناز مصنف کاوش صدیقی کے قلم سے

مسئلہ یہ ہے آپ کے مسائل کا روحانی حل سچی کہانیاں کا مقبول ترین سلسلہ

اداریہ — منزہ سہام — 06

احوال — مدیرہ اعلیٰ — 07

اسلامی کہانی — حافظہ مون شاہ — 13

مقدس جنات — ایم حسن نظامی — 16

وہ کون تھی — ممتاز احمد — 26

آج کا مصنف — شگفتہ شفیق — 36

کتاب تعارف — مجید احمد جائی — 40

خالی گھر... — ثمینہ مشتاق — 42

شکست فاش — شمر احمد — 54

جن کی معافی — ایم خالق بھٹی — 58

معمہ — نفیسہ سعید — 62

وہ بھیانک رات — نازیہ بتول رضا — 70

پہاڑوں کی چڑیل — فدا شاہین بھٹی — 76

دوست کی خاطر — فوزیہ فرید — 82

جنم کی اکیلی — سیدہ تبسم زہرہ — 90

WAQAR AZEEM
www.pakistanipoint.com

فون:021-35893122-35893123 / پرنٹر: حسام محی الدین عباسی سٹی پریس OB-7 تالپور روڈ۔ کراچی

داستانِ عشق — مجید احمد جائی — 100

رباط — کاوش صدیقی — 106

مردے کی غذا — فہیم زیدی — 126

آج کی شاعرہ — ایم خالق بھٹی — 130

وفا ممکن نہیں — حمیرا وحید — 132

اُس پار — طیبہ صدف — 136

برہمن زاد — عالی مان آفاقی — 142

نگر نگر پھرا — ملازم حسین — 150

قبر کے مکین — فرح انیس — 158

جنی — شہزاد انور — 172

کٹی پتنگ — افتخار چوہدری — 176

میں رات کو.... — محسن علی طاب — 196

ابلیس پرستی — جاوید راہی — 199

مسئلہ یہ ہے — ادارہ — 222

WAQAR AZEEM
www.pakistanipoint.com

زرسالانہ بذریعہ رجسٹری پاکستان 1500 روپے' افریقہ 75 ڈالرز' کینیڈا' آسٹریلیا 75 ڈالرز' ایشیا' یورپ 65 ڈالرز

ممبران کو توفیق نہ ہوئی کہ ایسے دلخراش واقعات پر قانون سازی کریں۔ یہ انسانیت کی تذلیل ہے مردے کی تضحیک ہے ظلم جور و جفا کی انتہا صرف دو سال کی سزا..... افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ معزز ممبران ارمانی کے سوٹ پہن کر 20'20 ہزار کے اعلیٰ کاٹن کے کلف زدہ سوٹ پہنے۔ لیونڈر آئل سے نہا دھو کر نئے ماڈل کی لمبی چوڑی گاڑیوں میں شان خسروانہ سے اسمبلی کے یخ بستہ ایوان میں اپنی خوبصورت کولیگز کو اشارے کنایے کرتے دکھائی دیتے ہیں لڑائی جھگڑے' شور شرابہ' گالی گلوچ ان معزز ممبران کا وطیرہ ہے۔ بے مقصد' لایعنی تقریریں' گندی زبانوں کا اظہار ایسے ہوتا ہے جیسے صبح کے وقت مچھلی مارکیٹ میں کان پھٹی صدائیں بلند ہوتی ہیں۔ خدارا عدلیہ..... الیکشن کمیشن' قانون ساز ادارے اس طرح توجہ دیں۔ سخت قوانین وضع کریں Vilation کرنے والوں کو نکیل ڈالیں ورنہ ایسے عناصر پھر قبرستانوں کو کنگھالتے نظر آئیں گے۔ حضرت آسیہ کے بارے میں تہمینہ عمیر نے تاریخ سے اخذ تحریر قلم بند کی بہت خوب..... ایم حسن نظامی خط مختصر لکھا تحریر مہر علی شاہ نے تشنگی کو دور کر دیا۔ ہر ایک کے بارے میں اپنے نپے تلے الفاظ میں حوصلہ افزائی اور تبصرہ کرنا قابل تحسین ہے ماشاء اللہ' ایم یعقوب ہمدانی خط خوبصورت لکھا میری کہانی خط پسند آئے نوازش' عبدالغفار عابد کہانی خط کی پذیرائی کی بہت شکریہ آپ کے خطوط دانش فراست کا مجموعہ ہوتے ہیں ماشاء اللہ' اُم مناہل طویل خط اگر دلچسپی برقرار رکھے تو قارئین کے لیے اطمینان کا باعث..... جیسے آپ کے خطوط' شمیم حسنین آپ کا حسن بیان متاثر کرتا ہے کہانی خط کی پسندیدگی کا شکریہ' یاسر وکی عبرت کا نشان پسند کی مہربانی' ارشد اقبال چوہان میرے خط' کہانی کے بارے میں آپ کے ادا کردہ تحسینی کلمات قلب و روح کو جھنجوڑتے ہیں شکریہ' مہر پرویز دولو خط دلنشین انداز میں تحریر کیا خوب لکھتے ہیں بامقصد' سحر انگیز' ڈاکٹر جویریہ جب قارئین کی طرف سے آپ کی تحریر خطوط (تحاریر) کو سندِ قبولیت سے نوازا جاتا ہے تو سب سے زیادہ خوشی اور اطمینان مجھے حاصل ہوتا ہے کہ یہ میری دعاؤں اور نیک تمناؤں کے ثمرات ہیں خوبصورت تحاریر کی ملکہ' ڈاکٹر جویریہ امید ہے اب نزلہ' زکام بخار سے آپ کی جان چھوٹ چکی ہوگی ڈاکٹر صاحبہ حنا بشریٰ نور فیض' خوبصورت پیغام دیتی اعلیٰ تحریر' ایک گھریلو ذمہ دار خاتون اور ایسی اثر انگیز فصاحت و بلاغت کا مجموعہ تحریر اپنے جنبش قلم سے بیان کرتی ہیں جو دلوں کو دستک نقش پیدا کرتی ہے۔ مون بخاری مرشد کامل لاجواب تحریر' خط بے مثال سلامت رہیں۔ قاری محمد عثمان سچی کہانیاں میں خوش آمدید' ایم اے خالق بھٹی تحریر اور خط بے مثال لکھا میری کہانی خط پسند کرنے کا شکریہ' اقراء جبار تحریر خط بہترین رہے قلم سے خوب انصاف کیا ماشاء اللہ' پنچتن پاک کی غلامی' دین و دنیا میں اس سے بڑھ کر کوئی سعادت رتبہ نہیں' ڈاکٹر طارق محمود' ایمان کو تازہ کرتی بابرکت تحریر' میرا رب وارث آپ نے اپنے عظیم بابا کو اپنی یادوں میں تازہ و آباد رکھا مذکورہ واقعہ نے مجھے رُلا دیا کہ ان کے ایام مصائب کا میں عینی شاہد

WAQAR AZEEM
pakistanipoint.com

ہوں ان کے ساتھ بیتے ماہ وسال میرا سرمایہ حیات ہیں یونیک تحریر...... خواجہ سرا ایک یادگار اور نادر ایمان افروز تحریر‘ مجید احمد جائی خوبصورت تحاریر لکھ کر دل جیت لیا۔ جاوید راہی‘ ثمینہ مشتاق‘ دستگیر شہزاد‘ عالی مان آفاقی‘ کوثر اسلام مور شاہد کی تحاریر لاجواب رہیں۔ باقی سلسلے شوبز ڈائری نہایت مناسب رہے۔ پیاری بہن نگر نگر پھرا بنجارہ کی تیسری قسط خط ہذا کے ساتھ ارسال ہے وکالت کے دوران پیش آئے واقعات بھی منسلک ہیں امید ہے دانیال زین بخریت ہوں گے دانیال کی وکالت کیسے جارہی ہے اللہ پاک کامیاب کرے آمین اجازت چاہتا ہوں خدا حافظ۔

☆شیرازی بھائی! آپ کی تحریر ہمیشہ کی طرح لاجواب اور کچھ حقائق تو انگشت بدنداں کر دیتے ہیں۔ دانیال‘ زین الحمدللہ ٹھیک ہیں اور وکالت بھی اللہ کے کرم سے اچھی چل رہی ہے۔

❁اختر شاہ عارف‘ جہلم سے لکھتے ہیں۔ محترمی ایڈیٹر صاحبہ السلام علیکم! سبز قدم کی اشاعت کے لیے مشکور ہوں۔ اور اب بے نشاں منزلیں لے کر حاضر خدمت ہوں۔ کہانیوں کے انعامی مقابلے کے لیے ایک رائے ہے کہ اول‘ دوم اور سوم کا فیصلہ آپ قارئین کی بجائے خود کیا کریں۔ یعنی آپ اور آپ کا ادارہ کیونکہ میں ایک عرصے سے کراچی‘ راولپنڈی اور لاہور کے پرچوں کے لیے لکھ رہا ہوں پانچ سو سے زائد کہانیاں شائع ہوچکی ہیں۔ چار عدد بچوں کے ناول بھی شائع ہوچکے ہیں۔ میرا تجربہ یہ ہے کہ جب قارئین اول دوم سوئم کا فیصلہ کرتے ہیں تو اکثر رائٹر جعلی خطوط اور فرضی ناموں سے اپنی کہانی کے بارے میں آراء کا فیصلہ کروالیتے ہیں۔ جبکہ آپ اور ادارے کے لوگ منصفانہ انداز میں فیصلہ کرسکیں گے۔ امید ہے آپ ضرور اس طرف توجہ دیں گی۔

☆اختر بھائی! آپ کی تحریر میرے پاس ہے اور جلد شائع کروں گی۔ جہاں تک انعام یافتہ کہانیوں کا تعلق ہے تو لوگوں کی رائے مقدم ہے مگر ادارہ بھی اس سلسلے میں اپنا فیصلہ رکھتا ہے اور اگر ضرورت ہو تو صادر بھی کرتا ہے۔ آپ اطمینان رکھیے۔

❁جبینا‘ کراچی سے لکھتی ہیں۔ محترمہ مدیرہ صاحبہ السلام علیکم! ڈھیروں دعائیں‘ ماہنامہ سچی کہانیاں میں یہ میرا پہلا خط ہے ویسے تو اس رسالے کا کالم ’مسئلہ یہ ہے‘ عرصہ دراز سے مطالعے میں تھا مگر اس طرح کہ رسالہ ہاتھ لگ گیا تو پڑھ لیا۔ کبھی مفت کا تو کبھی کسی کا اور اس سلسلے سے کئی بار استفادہ بھی کیا اور دوسروں کو بھی بتایا اب جو بات خط لکھنے کی وجہ بنی وہ یہ ہے کہ 2019ء کے ایک رسالے میں ماہنامہ دوشیزہ کا اشتہار پڑھا اچھا لگا تو سوچا خرید کر پڑھا جائے علاقے کے قریبی بکسٹائل سے پتا کیا تو پہلے تو بک اسٹال والے صاحب نے یوں گھور کر دیکھا جیسے میں دماغی امراض کے کسی اسپتال سے بھاگ کر آ گئی ہوں پھر حیرت زدہ لہجے میں خود ہی دہرایا۔ دو......شی......زہ...... جی انکل میں نے بھی یہی نام لیا ہے ہم نے دوبارہ کہا۔ تو فرمانے لگے وہ تو عرصہ ہوا بند ہوگیا ہے۔ اب کہاں بند ہوگیا ہے میں نے نہیں پوچھا کہ ابھی چند دن پہلے تو میں

WAQAR AZEEM
www.pakistanipoint.com

نے سچی کہانیاں میں اس کے بارے میں پڑھا ہے چلیں جی..... خیر میں نے ایک ہفتہ ویٹ کیا کہ مارچ کا سچی کہانیاں آجائے تو دیکھوں گی..... تو جناب اس میں بھی دوشیزہ ایوارڈ کا اشتہار لگا ہے۔ آپی پلیز میری الجھن دور فرمائیں کہ یہ سب کیا ہے۔ کیونکہ لانڈھی کے کئی بک شاپ پر مجھے دوشیزہ کہیں نہیں نظر آیا اب دوسری بات..... وہ یہ کہ مارچ میں جو مزاح نمبر اور ماں نمبر کے لیے کہانی کا بتایا گیا ہے تو مزاح نمبر کے لیے ایک وقت میں..... دو یا تین کہانیاں بھیجی جاسکتی ہیں تاکہ انعام کا کچھ تو چانس بنے ضرور بتایئے گا شکریہ اور یہ بھی کہ یہ مقابلہ دوشیزہ کے لیے ہے یا کسی اور رسالے کے لیے تھینکس..... مارچ کا رسالہ کچھ تھوڑا ہی پڑھا ہے ہاں شاعری بہت زیادہ اچھی لگی اور خوشی بھی ہوئی کہ (میں بھی کچھ نہ کچھ قلم چلا لیتی ہوں) خط کو جگہ ملی تو اگلے خط میں کسی کہانی اور اپنی شاعری کے ساتھ شرکت کروں گی اس ماہ ملکہ زبیدہ عذرا کی کہانی خواب ریت کے گھروندے رقاصہ اور عاطر شاہین کا انٹرویو پڑھا اچھا لگا۔ آپ کی ڈائری بہترین سلسلہ ہے۔ شعر و سخن میں تمام شاعری دل کو بھائی اچھا آپی دعاؤں میں ضرور یاد رکھیں۔

☆ اچھی جینا! خوش آمدید! ایک ماہ میں ایک ہی کہانی شائع ہوسکتی ہے بھئی دوسروں کا بھی تو سچی کہانیاں کے صفحات پر حق ہے۔ جہاں تک دوشیزہ کی بات ہے تو تم کسی بھی اسٹال والے کو ایڈوانس رقم ادا کردو وہ تمہیں چاند سے بھی ڈائجسٹ منگوادے گا اور شاید تمہارے بہانے کچھ زیادہ کاپیاں منگوا کر رکھے خریداری کا اب یہی طریقہ ہے دوسری صورت میں تم سالانہ خریدار بن جاؤ۔

WAQAR AZEEM
www.pakistanipoint.com

☆ مہر پرویز احمد دولو میاں چنوں سے لکھتے ہیں سرورق کی محترمہ اتنی سادہ ہے کہ بے ساختہ ہاتھ دعا کے لیے اٹھ گئے کہ کاش ہر خاتون اس جیسی ہوجائے۔ شتر بے مہار میں آپ نے کن کو جھنجوڑنے کی کوشش کی ہے یہاں مسلمان انسان نہیں پتھر کے انسان رہتے ہیں جو بھگوان کا روپ دھار کر معتبر بن چکے ہیں۔ حج عمرہ کرتے ہیں صدقہ خیرات کرتے وقت غریب بچیوں اور خواتین کی تصاویر بنا کر اخبارات ٹی وی فیس بک ٹیٹ یوٹیوب پر شیئر کر کے ثواب دارین حاصل کرتے ہیں۔ زکوٰۃ کے اڑھائی ہزار نہیں دیتے محفل میلاد پر پچیس ہزار خرچ کرتے ہیں پچاس ہزار روپے سے لے کر ایک لاکھ روپے تک میں نعت خوانوں اور علماء کرام کا وقت خریدتے ہیں دوران نعت خوانی اور خطاب نوٹوں کی بارش کرتے ہیں اس دوران ویڈیو بنوانا نہیں بھولتے یہ ویڈیو فیس بک ٹیٹ پر چلاتے ہیں دس روپے والا ماسک ایک سو دس میں بیچ کر دو سو کلو والی کھجور پانچ سو روپے فی کلو بیچ کر ثواب دارین حاصل کرتے ہیں پیٹرول کی قیمت بڑھ جائے تو دو چار دیگیں اللہ کے نام پر اپنے مخصوص دوستوں کو کھلاتے ہیں اور قیمت کم ہوجائے تو ہڑتال کر کے ایمبولینس کو بھی سپلائی بند کر کے فرشتہ سیرت ہونے کا ثبوت دیتے ہیں۔ احوال میں بہت سے مہربان مفکرین نے یاد فرمایا یعقوب ہمدانی

عبدالغفار عابد' چوہدری یاسر وکی' ارشد اقبال چوہان' ملازم حسین شیرازی' ایم اے خالق بھٹی کا ممنون ہوں' اقراء جبار کا خوشی سے چھلانگیں مارنا بہت اچھا لگا ایسے منظر کب ہر جگہ متوقع ہوتے ہیں۔ تہمینہ عمیر نے حضرت آسیہؑ کی سیرت مفصل بیان فرمائی' شہادت سے قبل ہی اللہ کے حضور پہنچ گئیں ایم حسن نظامی نے تفصیلی معلومات قبلہ وکعبہ پیر مہر علی شاہ کے بارے میں بیان فرمائیں قادیانی فتنہ ختم کروانے میں آپ نے نمایاں کردار ادا کیا۔ حنا بشریٰ انگلینڈ پلٹ معاذ کو ولی اللہ کے مقام سے آشنائی دینے میں کامیاب ہوگئیں۔ اگرچہ اس نے ہر ممکن مظفر آباد جانے کی کوشش کی مگر اللہ نے ولی اللہ کے ذریعے اس کی زندگی بچالی۔ عظیم ادیب عبدالغفار عابد' امام اعظم ابو حنیفہ کا مدلل جواب پر مبنی واقعہ قلم بند کررہے تھے۔ کوثر اسلام ایک دنیادار بزرگ بابا جی رفیق احمد کے حالات زندگی بیان کررہے تھے جب دنیا سے دین کی طرف پلٹے تو رہتی دنیا تک نام پیدا کرگئے بے ایمان چچا ہمیشہ مطعون رہے گا ملازم حسین شیرازی کے حالات زندگی نے رونگٹے کھڑے کردیے اور یقین نہیں آتا کہ اتنی قید و بند کی صعوبتیں جھیلنے کے باوجود وہ زندہ ہیں۔ منفرد انداز بیاں اور انداز تحریر کے ترجمان اپنی ہر تحریر میں کوئی ایک آدھ ایسی یادداشت چھوڑ جاتے ہیں جو اگلی آنے والی تحریر تک روشن و تابندہ رہتی ہے۔ وہ تندور پر کھڑا گانا گارہا ہوتا تندور پر ہمیشہ خواتین روٹیاں لگوانے جاتی ہیں اور جہاں گلوکار کھڑا گیت گارہا ہو وہاں عورت تو روٹیاں لگوانے نہیں جائے گی اور اگر جائے گی تو عورتوں کو دیکھ کر گیت گانے والے کی زبان گدی سے کھینچ لے گی۔ نالے کے ساتھ تندور تھا جس نالے میں گندہ بدبودار پانی بہتا ہو وہاں کون روٹیاں لگوانے جائے گا۔ لوگوں سے پیڑے وصول کرکے بھانجے کو دیناوہ ماں کو سپلائی کرتا اتنی ضرب تقسیم سے پکتی روٹیاں پہلی دفعہ سنی ہیں۔ خدا کے لیے ادب پر ترس کھاؤ کہیں ایسا نہ ہو لفظ اوراق سے نکل کر گریبان پکڑ لیں۔ کام کی تحریک کا جذبہ اجاگر کرنا بہت اچھا لگا یہ واقعی قابل داد ہے۔ عالی مان آفاقی کا نادیدہ ہاتھ دور بین لگانے کے باوجود نظر نہیں آیا۔ شاعر طارق ملک کا تعارف بہت اچھا لگا ایم اے خالق بھٹی کی محبت ہے اچھے شاعر سے تعارف کروایا۔ مور شاہد حسین کا سفر جب سچ کا راستہ چھوڑ کر کالے جادو کی پگڈنڈی پر شروع ہوا تو پیر شمس الدین ایمان سلامت کا سبب بنا حمائل فاطمہ کے لفظوں کے نشتر ضمیر پر تازیانے برسانے لگے۔ دستگیر شہزاد عظیم مجاہد امیر الدین کی مجاہدانہ زندگی اور اپنے پیاروں' کلمہ گو' ساتھیوں کے ہاتھوں ذلت آمیز شکست پر نوحہ کناں تھے۔ میرا رب وارث محترمہ منزہ سہام کا سلام عقیدت تھا ہمارے مانگنے کی کمی ہے' وہاں تو خزانے بھرے ہیں جاوید راہی گیگو پیر کے فیوض و برکات تقسیم کرتے نظر آئے فرح انیس خواجہ سرا کی آب بیتی لائیں کاوش صدیقی کا رباط بڑی شان و شوکت کا مالک ہے خوب مزے اڑا رہا ہے۔ بوا اماں ایم اے خالق' غلام پنجتن پاک الماس ارمان خوب تحریریں تھیں۔ چوہدری محمد امین کا سود پر مبنی مضمون اور اقراء جبار کی مصیبت سبق آموز تھیں۔ ڈاکٹر طارق آکاش اور اُمِ ایمان کا تبلیغانہ انداز کمال

WWW.PAKSOCIETY.COM

تھا۔ حافظہ مون مرشد کامل نے زندگی بدل دی۔ ثمینہ مشتاق نے منزل پر پہنچ کر دم لیا۔ عمران شمشاد بزمی کی غزل بہت اچھی لگی۔

☆ پرویز بھائی! سچ کہا آپ نے ادب پر ترس کھانے کا وقت ہے۔ ایسے ایسے لوگوں نے ادب کا علم تھاما ہوا ہے جن کے اپنے پاس سے ادب و آداب نہیں گزرے لیکن ہماری بھی مجبوری ہے اور آپ یہ بات سمجھ سکتے ہیں۔ آپ کی تصانیف میرے پاس موجود ہیں اور میں وقتاً فوقتاً لگاتی رہوں گی۔ مگر آپ کا قلم رکنا نہیں چاہیے۔ کچھ اپنے شب و روز لاک ڈاؤن کے حوالے سے تو لکھیے۔

❀ اقراء جبار، چیچہ وطنی سے لکھتی ہیں۔ آپی اور اس محفل سے جڑے سبھی عظیم لوگوں کو سلام، ذہن خوفزدہ ہے۔ اس خوف سے نکلنے کا کوئی راستہ دکھائی نہیں دے رہا کرونا کی جان لیوا وبا اس خوف میں دن بدن اضافہ کر رہی ہے۔ اس وبا کی مہربانی سے تین مہینے ہم ماہنامہ سچی کہانیاں سے دور رہے، آگے کے حالات بھی کچھ اچھے دکھائی نہیں دے رہے اللہ خیر کرے۔ ہم اس بدقسمت ملک کے باشندے ہیں یہاں کوئی لیڈر شپ نہیں سیاستدانوں کے پاس الزام تراشیوں کے لیے بالکل تازہ اور فریش ذہن موجود ہے مگر کرونا پر کوئی حکمت عملی کوئی پالیسی نہیں ہمارے سیاستدانوں کی مثال تو ایسی ہے کہ اگر ان کو ریگستان کی حکومت دے دی جائے تو وہاں بھی ریت کا بحران پیدا کر دیں روحانی نمبر میں اپنی کہانی دیکھی خوشی ہوئی آئندہ بھی حوصلہ افزائی کی امید ہے تمام کہانیاں بامقصد تھیں۔ احوال میں اچھی رونق تھی جو لوگ میری تحریر تبصرے کو پسند کرتے ہیں ان کے لیے بے شمار دعائیں حوصلہ افزائی کا شکریہ نوازش، محترم مہر پرویز احمد دولو بھائی دو چار بوتلیں خون دینے کی پیشکش کی آپ کی یہ اپنائیت بھری محبت میرے لیے اعزاز کا درجہ رکھتی ہے پر بھائی میں آپ کو گنوانا نہیں چاہتی ابھی تو آپ سے بہت کچھ سیکھنا ہے آپ سلامت رہیں خوش رہیں آباد رہیں بہت جلد سر عبدالغفار عابد کے ساتھ آپ کے گھر آؤں گی۔ سر عبدالغفار عابد صاحب بچپن میں سنا تھا کہ استاد بھی والدین ہی ہوتے ہیں جو غلطیاں اور خطائیں معاف کر دیتے ہیں آپ میرے وہی استاد ہیں۔ سر آپ میری سستی اور لاپرواہی کو نظر انداز کر دیتے ہیں نوازش، آپ میرے محسن ہیں آپ سے بہت امیدیں وابستہ ہیں۔ آپی جو پچھلے ماہ میرا تبصرہ شائع ہوا میرے خیال میں وہ میرا نہیں تھا آپ ذرا چیک کر لیں۔

☆ اقراء تم نے بہت اچھا لکھا، ریگستان کی حکومت ملے تو وہاں بھی ریت کا بحران پیدا کر دیں۔ لڑکی تم مزاح لکھ سکتی ہو کوشش کرو اور مجھے کہانی ارسال کر دو۔

اس آخری خط کے ساتھ اپنی مدیرہ کو اجازت دیجیے اور سچی کہانیاں سے متعلق کوئی بھی بات ہو بلا جھجک مجھ سے کہیے۔ میں منتظر رہوں گی۔

دعاؤں کی طالب
منزہ سہام مرزا

WAQAR AZEEM
www.paksociety.com

سرگودھا سے ارسال کردہ خوبصورت تحریر

پیغمبر اسلام اہل مغرب کی نظر میں

حافظ مون شاہ

ہے اُن کے عطر بوئے گریباں سے مست گل
گل سے چمن چمن سے صبا اور صبا سے ہم

دنیا کے بہت سے نامور غیر مسلم عالموں اور سائنسدانوں نے قرآن کریم کا تعصب سے ہٹ کر صحیح معنوں میں مطالعہ کیا ہے اور اس پر اپنی رائے قائم کی ہے۔

درج ذیل اقتباسات انہی تحریروں میں سے قارئین کے ذوق مطالعہ کے لیے پیش خدمت ہیں۔

میری یہ کوشش موجودہ نئی نسل اور نئے تعلیم یافتہ نوجوانوں کو قرآن اور محمد کریم ﷺ کے قریب لانے کی ہے۔ تاکہ مغربی تعلیم نے جو رنگ ان کے ذہنوں پر جما دیا ہے وہ دور ہو سکے قرآن کریم میں اللہ فرماتا ہے۔

''ہم نے انسان کو بہترین ساخت پر پیدا کیا ہے۔'' (سورۃ والتین)

مائیکل ہارٹ اپنی کتاب 'ایک سو بڑے انسان' میں لکھتا ہے۔

1) میں نے ان سو آدمیوں کو ان کی اہمیت کے مطابق ترتیب دی ہے۔

2) چونکا دینے والی بات یہ ہے کہ میں نے محمد ﷺ کو پہلے نمبر پر رکھا ہے۔ عیسیٰ علیہ السلام سے اوپر، کیونکہ میرے خیال میں محمد ﷺ نے اسلامی دین کے قیام کے لیے زیادہ اہم کام کیا ہے۔

3) محمد ﷺ کا یہ کارنامہ بے مثال ہے کہ انہوں نے مذہبی اور سیاسی معاملات کو یکجا کر دیا ہے اور یہ بات اُن کو انسانی زندگی پر اثر انداز ہونے کے لحاظ سے اول نمبر پر لانے کے لیے کافی ہے۔

ڈاکٹر البرٹ آئن سٹائن:

مشہور سائنسدان اپنی کتاب 'زندگی اور وقت' میں کہتا ہے سب سے زیادہ خوبصورت جذباتی تجربہ جو انسان کو ہو سکتا ہے وہ روحانی ہے وہ شخص جو ایک خدا، الہامات، پیغمبروں، فرشتوں اور جزا کے دن پر یقین نہیں رکھتا وہ ایک سائنس دان نہیں کہلا سکتا۔

پروفیسر آربری لکھتا ہے:

''قرآن آنے کے بعد یونانی اور رومن تہذیبیں بالکل مر گئیں، قرآن والوں نے اپنی سائنس اور آرٹس خود پیدا کیے۔''

قرآن کا مطلب

برنارڈ شاہ لکھتا ہے:

میں پیش گوئی کرتا ہوں کہ محمد ﷺ کا مذہب

ANWAR AZEEM
www.pakistanipoint.com

دنیا کے تمام لوگوں کو آئندہ گوارا ہوگا جیسا کہ آج کے یورپ کو گوارا ہو رہا ہے۔

یورپین لکھنے والوں نے لاعلمی یا شرارت کی وجہ سے محمد ﷺ اور ان کے مذہب سے نفرت سکھائی اور انہیں عیسیٰ علیہ السلام کے مخالف کے روپ میں پیش کیا۔ (اس میں عیسائی پادریوں کا بہت ہاتھ تھا) میں نے اس عظیم شخصیت کا مطالعہ کیا اور میرے خیال میں یہ دین عیسیٰ علیہ السلام کا قطعی مخالف نہیں ہے۔ اس کو انسانیت کا نجات دہندہ سمجھنا چاہیے۔ یورپ آج محمد ﷺ کے مذہب کی طرف جھک رہا ہے۔ اگلی صدی میں یہ جھکاؤ اور بھی بڑھ جائے گا۔

Whither Islam

پروفیسر بوس ورتھ نے اپنی کتاب میں رقمطرازی کی۔

1) اُن کو (محمد ﷺ) دنیا کا سب سے بڑا اصلاح کرنے والا ماننا پڑے گا۔ کیونکہ اتنی عظیم انقلابی تبدیلیاں نہ ان سے پہلے کوئی لا سکا اور نہ ان کے بعد، وہ تمام پیغمبروں اور مذہبی شخصیتوں میں کامیاب ترین شخصیت ہیں۔

2) محمد ﷺ پوپ بھی تھے لیکن پوپ کی شان وشوکت کے بغیر محمد سپہ سالار بھی تھے فوج کے بغیر، محلوں کے بغیر اور مالی آمدنی کے بغیر محمد ﷺ کے پاس کوئی ذریعہ نہ تھا سوائے ربانی رہنمائی کے، صرف طاقت ربانی کے......

(محمد ﷺ اور محمد ﷺ ازم)

جان ولیم ڈریپر:

سائنسدان، فلسفی اور ماہر تاریخ کہتا ہے محمد ﷺ وہ انسان تھے جس نے انسانی خیال کو سب سے زیادہ متاثر کیا۔

ضمیر پکارتا ہے:

قارئین کرام! زندگی کے کئی پہلو ہیں۔ زندگی میں وہ لمحے بھی آتے ہیں جب انسان کا ضمیر پکار اٹھتا ہے۔ اللہ اس وقت رہنمائی کرتا ہے۔ یکایک یہ الہام ہوتا ہے کہ کیوں نہ قرآن کی تعلیمات کو قبول کرلے؟ اس وقت انسان کا ضمیر دنیا کے فریب سے آزاد ہو جاتا ہے اور وہ پھر سوچتا ہے کہ وہ اللہ کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاتا چلا جائے گا۔

زندگی کے سفر کے آخری وقت میں اسے موت کی حقیقت نظر آنے لگتی ہے۔

جب انسان زندگی کی حقیقت کو سمجھ جاتا ہے تو اللہ کے سامنے سجدہ ریز ہوتا ہے۔ پھر وہ اپنا دامن دنیا کی برائیوں اور خرافات سے چھڑاتا ہے۔ وہ حق کو قبول کرلیتا ہے وہ براہ راست اسلام کی آغوش میں آکر صحیح معنوں میں مسلمان ہو جاتا ہے۔

ہمیں اپنے Constitution پر ایمانداری سے عمل کرنا چاہیے۔

بہتر دنیا کے لیے بہتر عقیدے اور بہتر اعمال کی ضرورت ہے۔

قرآن کے بتائے ہوئے راستوں پر چلنے سے دنیا کے آنسو مسکراہٹوں میں بدل جائیں گے قرآنی تعلیمات کو ہماری تعلیمی نظام کا ضروری حصہ ہونا چاہیے۔

یہ ذاتی مسئلہ نہیں ہے۔ والدین، سماج اور حکومت سب کی ذمہ داری ہے اس صورت میں کامیابی انعام اور اطمینان حاصل ہوگا۔

دعا ہے کہ سب نوجوانوں پر قرآن اور حضرت محمد ﷺ کی زندگی اور شخصیت کا گہرا اثر پڑے آمین۔

WAQAR AZEEM www.pakistanipoint.com

قبولہ شریف سے بھیجی گئی نیک جنات کی کہانی

مقدس جنات

کچھ باتوں پر پردہ پڑا رہے تو ہی وہ فائدہ دیتی ہیں
ضروری نہیں ہر شخص کو شک کی نظر سے دیکھا جائے.....

ایم حسن نظامی

خیر اور شر کی جنگ روز اول سے جاری و ساری ہے اور ابد تک چلتی رہے شاید..... اس میں انسان حیوان، چرند پرند، اور دوسری مخلوق کے علاوہ جنات بھی شامل ہیں۔ انسانوں بھری اس دنیا میں نیک و بد، شریف بدمعاش، چور چوکیدار کالے گورے، امیر غریب اور شاہ گدا غرض ہر قسم کے افراد بستے ہیں۔

اسی طرح غیر مرئی مخلوق کی بھی کئی ایک اقسام ہیں جن میں ہر طرح کے جن پائے جاتے ہیں اس میں ایک طبقہ شر پسند عناصر کا ہے جو اپنی مختلف صورتیں اور شکلیں بدل کر یا بھیس بدل کر انسانوں کو نا صرف تنگ کرتے ہیں بلکہ ان کو کئی قسم کی تکالیف پہنچاتے ہوئے خوشی محسوس کرتے ہیں اور بعض تو انسانوں کو آخری دم تک پیچھا کرتے ہوئے خون پینے سے بھی زرا بھر دریغ نہیں کرتے۔

مگر اسی دھرتی پر جنات کا ایک ایسا کنبہ بھی آباد ہے جو نہایت شریف مہذب اور مقدس جانا جاتا ہے اور یہ غیر مرئی مخلوق اس مقدس اور عظیم پیغمبر حضرت سلیمان علیہ السلام کے شاگردوں کی نسل سے چلے آرہے ہیں جو استاد کی عزت عظمت اور تکریم کے صدقے انسانوں کی بھلائی پر سدا کوشاں رہتے ہیں۔

☆.....☆.....☆

صابرہ کی شادی عرصہ قبل اس کے چچازاد علی احمد سے ہوئی تھی۔ وہ ایک دوسرے سے حد درجہ پیار کرتے تھے پانچ برس تک جب وہ اولاد جیسی نعمت سے محروم رہے تو انہیں بہت فکر ہونے لگی۔ آخر کار بستی والوں سے کسی نے انہیں پاک پتن بابا فرید الدین کی درگاہ پر حاضری دینے کا مشورہ دیا۔ علی احمد اپنی بیوی کو لیے پاک پتن پہنچا۔ اس نے شہر میں داخل ہوتے وقت اپنے پاؤں سے جوتے اتار لیے اور ننگے پاؤں دربار بابا فرید الدین پہنچ کر پاک و ہند کے معروف بزرگ کی فاتحہ خوانی کی اور ہاتھ دعا کے لیے اٹھا دیے۔

اے نامور اور معروف شہنشاہ تیرا فرمان ہے کہ کوئی بھی حاجت مند میرے شہر میں داخل ہوگا میں نہ صرف اس کی حاجت پوری کروں گا بلکہ اسے اپنے

WAQAR AZEEM
www.pakistanipoint.com

خاص مریدوں میں شامل کرتے ہوئے اسے توبہ کی ترغیب دے کر گناہوں سے پاک کردوں گا۔

میں تیرا ادنیٰ سا مرید تیری عظمت اور بزرگی کی پاسداری میں ننگے پاؤں تیرے روضہ انور پر حاضر ہوا ہوں۔ مجھ سے جانے انجانے میں کوئی خطا سرزد ہوئی ہو تو میں اس کی معافی چاہتے ہوئے آرزو کرتا ہوں کہ خدا کے حضور میرے لیے اولاد کی نعمت کی درخواست کریں۔ آپ خداوند کریم کے نیک اور پاکباز بندوں میں شامل ہیں، ہم دنیاداروں سے بیشتر غلطیاں اور خطائیں سرزد ہوا کرتی ہیں مگر آپ ہمارے رہبر ہیں۔ مجھ گناہ گار پر مہربانی فرمائیں یہ کہتے ہوئے اس کی آنکھیں آنسوؤں سے تر ہوگئیں۔

اِدھر ماں کی ممتا صابرہ کے گال بھی اشکوؤں سے بھرتے چلے گئے۔ انہوں نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا اور کانپتے ہونٹوں اور لرزتے قدموں سے واپس مڑنے لگے جس کے نتیجے میں خداوند تعالیٰ نے انہیں صغراں جیسی اولاد کی نعمت سے سرفراز فرمایا۔ میاں بیوی حد درجہ محنتی تھے انہوں نے صغراں پر حد درجہ توجہ دی۔ بے پناہ پیار و محبت کے علاوہ اسے پانچویں تک تعلیم جیسے زیور سے آراستہ کیا۔ صغراں کم گو ضرور تھی مگر حد درجہ تیز اور ذہین تھی تبھی اس کی تعلیمی حالت دوسری کلاس فیلوز سے کافی بہتر اور تسلی بخش تھی۔

☆.....☆.....☆

وہ موسم بہار کی ایک خوشنما سہ پہر تھی۔ ماں بیٹی بکریوں کے لیے گھر سے ذرا دور کھتوں سے گھاس پھونس لینے نکلیں اور پھر انہیں شام ہوگئی۔ وہ گھاس اٹھائے بستی سے ذرا دور باب گھمن شاہ کے قبرستان کے پاس سے گزر رہی تھیں کہ انہیں قبرستان کے

آخری کونے میں آگ کی چنگاریاں سی نظر آئیں۔ صغراں سہم کر کھڑی ہوئی مگر ماں نے اس کی ہمت بندھاتے ہوئے کہا۔

''بیٹا خاموشی سے چلتی رہو کچھ نہیں ہوگا اور پھر وہ جیسے ہی اس آگ کے پاس سے گزریں چنگاریاں دیکھتے ہی دیکھتے شعلوں میں جلنے لگیں اور پھر یہ شعلے آلاؤ کی صورت آکاش کی بلندیوں کو چھونے لگے۔

صغراں سمٹ کر ماں کی بانہوں میں جھول گئی اور پھر جانے کیسے مائی صابرہ صغراں کو لیے گھر تک پہنچی۔ وہ دوڑتی ہوئی پلنگ پر جا گری اور پھر آن واحد میں اس کا پورا وجود کسی تندور کی مانند دہکنے لگا ساتھ ساتھ وہ بول رہی تھی۔

''ماں...... مجھے بچا لو وہ مجھے مار دیں گے مجھے آگ میں دھکیل رہے ہیں۔ وہ دیکھو...... سانپ آرہا ہے ادھر دیکھو وہ آگ لا رہا ہے کبھی کہتی میرے گلے میں رسہ باندھ رہے ہیں کبھی رونے لگتی تو کبھی ہر شے کو بغور تکنے لگتی۔

ماں اس کی یوں حالات دیکھ کر پریشان سی ہوگئی۔ اس نے گاؤں کے حکیم صاحب کو بلایا وہ بھی اس کی طبیعت دیکھ کر پریشان ہو گئے مگر انہوں نے دوا دی اور کہا۔

''بچی کو وقت پر دوائی دو خدا بہتر کرے گا بخار ٹوٹا تو پھر پتہ چلے گا کہ ایسا کیوں ہے۔''

☆......☆......☆

علی احمد نے بزرگوں سے سن رکھا تھا کہ کئی سال قبل بستی شہر جیلانی کے شمال مشرقی حصے میں واقع نہر کنارے دوسری بستی تک شام سے صبح ہونے تک کوئی پُراسرار شخص ہاتھ میں جلتی لالٹین لیے چلا کرتا تھا۔ بستی کے چوکیدار اور کئی دوسرے لوگوں نے اس کا کئی مرتبہ تعاقب کیا اسے تلاش کرنے اور پکڑنے کے لاکھ جتن کیے مگر وہ کسی کے ہاتھ نہ آسکا۔ دھیرے دھیرے یہ معمہ گاؤں کے نمبردار تک بھی جا پہنچا۔ انہوں نے اپنی سی بھی بہت کوشش کی مگر سالہا سال تک کوئی بھی شخص اس آدمی یا پُراسرار مخلوق تک رسائی حاصل نہ کرسکا۔ مگر جب بستی کا ہر شخص تھک ہار کر بیٹھ گیا تو ایک روز وہ شخص خود ہی کہیں روپوش ہوگیا اور آج تک اس کا کہیں پتہ نہ چل سکا۔

مگر آج...... علی احمد درگاہ کے قبرستان میں چنگاریاں، شعلے اور پھر آگ کے الاؤ کی خبر بیوی کی زبانی سن کر بہت پریشان ہوا بستی کا ہر فرد دن دیہاڑے اور بسا اوقات راتوں کو بھی اسی سڑک پر قبرستان کے پاس سے گزر کر آیا جایا کرتے تھے مگر ایسا کبھی نہیں ہوا تھا۔

یہ ضرور کسی جن بھوت کی کارستانی ہے۔ اسے بہت تشویش ہوئی یہ ایسا کیا ہے؟ میں ضرور اس کا پتہ لگاؤں گا اس نے دل میں سوچا۔ اگلی صبح وہ علاقہ کے نامور عامل کے پاس پہنچا اور پوری روداد کہہ سنائی وہ خاموشی سے نگاہ نیچی کیے اس کی بات سنتا رہا اور پھر بہت دیر بعد اس کی طرف نگاہ اٹھا کر بولا۔

''بیٹا...... جنات بھی خداوند تعالیٰ کی پیداوار ہیں اور ان کی تعداد انسانوں سے کہیں زیادہ ہے۔ ان کا بھی ہمارے درمیان کہیں آس پاس مسکن ہوتا ہے۔ قبرستان، ویرانہ، کوئی بوڑھا پیڑ، خالی کنواں یا پھر بوسیدہ اور بے آباد حویلی میں وہ اپنا گھر بناتے ہیں ان کی بھی ضروریات زندگی ہوا کرتی ہیں۔ اگر انہیں تنگ نہ کیا جائے تو وہ کسی کو کچھ نہیں کہتے اگر انہیں کوئی گزند پہنچے یا ان کا نقصان ہو تو وہ زچ ہو کر انسانوں کو تنگ کرتے ہیں اور انہیں نقصان پہنچاتے ہیں۔ تمہاری بیٹی سے انجانے میں کوئی غلطی سرزد ہوئی ہوگی دوا دارو کے علاوہ کسی بزرگ ہستی سے دم درود کرواؤ خداوند کریم خیر فرمائے گا علی احمد یہ سنتے

WAQAR AZEEM
www.pakistanipoint.com

ہوئے خاموشی سے اٹھ کر گھر چلا آیا بچی کا کافی علاج معالجہ کروایا۔ دم درود بھی کیے تعویذ گنڈے بھی استعمال کیے مگر مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی..... دھیرے دھیرے اس پر غشی کے دورے بھی پڑنے لگے۔ ایسی صورت میں جو چیز اس کے ہاتھ لگتی وہ پکی دیوار پر دے مارتی۔ گھر کے بیشتر برتن اور ضرورت کی چیزیں توڑ پھوڑ کر اس نے تباہ کر دیے۔

☆.....☆.....☆

صغراں کی عمر چودہ برس ہونے کو آ چکی تھی علی احمد کبھی اسے کسی عامل کے پاس تو کبھی کسی حکیم ڈاکٹر کے پاس لیے مارا مارا پھر رہا تھا۔ آج وہ اسے بائیک پر لیے شہر کے ایک معروف ڈاکٹر کے پاس جا رہا تھا کہ راستے میں ٹرالر سے اس کا ایکسیڈنٹ ہو گیا۔ صغراں تو بچ گئی مگر اسے ڈاکٹر تک پہنچانے میں دیر ہو چکی تھی شاید وہ زندگی کی بازی ہار گیا یوں شام ہونے سے قبل اس کا جسد خاکی گھر پہنچا تو کہرام سا مچ گیا۔ ہر آنکھ اشکبار ہو گئی۔

مائی صابرہ کے لیے بیٹی کا صدمہ کیا کم تھا کہ وہ اپنے سائبان سے بھی ننگی ہو گئی ایک طرف وہ بیٹی کے لیے پریشان تھی تو دوسری طرف خاوند کی ناگہانی موت اسے سوچوں اور پریشانی کے اندھے اور تاریک کنوئیں میں دھکیل لے گئیں۔ وہ ہر وقت سہمی اور ڈری ڈری سی مریضہ بنتی چلی جا رہی تھی۔

علی احمد کے چہلم کے بعد گاؤں کے چند بزرگوں نے فیصلہ کیا کہ صغراں کی شادی کر دی جائے تو ہو سکتا ہے اسے اس بیماری سے نجات مل جائے یوں انہی معززین کی موجودگی میں گاؤں ہی کے رہائشی اکبر علی کے بیٹے عامر کا انتخاب ہوا۔ وہ صغراں کا چچازاد تھا اور اسے حد درجہ چاہتا تھا۔ یوں عامر کی رضامندی پر صغراں کی منگنی کر دی گئی مگر منگنی کے چند دن بعد ہی صابرہ بھی چل بسی اور وہ پھر سے تنہاؤں اور ویرانیوں کا شکار نظر آنے لگی۔

عامر نے اس کی ہمت بندھائی اور اپنے ہر طرح کے تعاون کا یقین دلایا۔ تو اس کی طبیعت ذرا سنبھلی مگر مکمل افاقہ نہ ہو سکا اب اس کی تیمارداری مکمل طور پر عامر کے کندھوں پر تھی۔ وہ طاقتور گھبرو نوجوان تھا اور اپنے ارادے کا بھی پکا..... اس نے اپنے دل میں عہد کر لیا تھا کہ وہ اپنی منگیتر کو اس موذی مرض سے ضرور نجات دلائے گا۔ چاہے اسے گھر کا سبھی اثاثہ ہی کیوں نہ داؤ پر لگانا پڑے اور پھر وہ صغراں کو لیے شہر در شہر کبھی لاہور تو کبھی ملتان، بہاولپور اور پھر ایک روز بہاولنگر کے ڈسٹرکٹ اسپتال لے آیا۔

اسی اسپتال میں آئے اسے ہفتہ ہونے کو آ رہا تھا اس کی مریضہ کے ہر طرح سے ٹیسٹ ہو چکے تھے مگر سبھی ڈاکٹرز انگشت بدنداں تھے۔ مرض کا کوئی سرا ہاتھ نہیں آ رہا تھا سبھی رپورٹس او کے تھیں آخر کار اگلی صبح راؤنڈ پر آئے ڈاکٹر میں سے ایک مسیحا نے عامر کو الگ بلا کر کہا۔

"بیٹا تمہاری مریضہ کو کوئی بیماری نہیں ہے اسے کسی اللہ والے بزرگ کے پاس لے جاؤ ہو سکتا ہے خدا اپنے کسی نیک بندے کی سن لے اور آپ کی مریضہ صحت یاب ہو جائے۔ اسے آسیب ہے۔" یہ سن کر اس کی آنکھوں میں نمی سی اتر آئی اور پھر ہر سو اندھیرا سا پھیلتا چلا گیا۔ وہ چند لمحے دیوار کے سہارے نیچے بیٹھ گیا پھر جب اس کی حالت ذرا نارمل ہوئی تو وہ صغراں کو لیے گھر چلا آیا۔

☆.....☆.....☆

اب تو بستی کے ہر تیسرے گھر میں آسیبی وارداتیں ہونے لگیں کبھی رمضان کمہار کے گھر روڑے اور پتھر برسنے لگے تو کبھی چوہدریوں کے آنگن میں شعلے جلنے لگتے۔ کوئی چلتا ہوا گر پڑتا تو کوئی سوتے میں چیخنے اور ہنسنے مسکرانے لگتا۔ کسی کا

WAQAR AZEEM
www.pakistanipoint.com

جگر خراب تو کسی کی کمر میں درد اور کوئی درد قولنج میں تڑپنے لگا۔ دھیرے دھیرے پورا گاؤں آسیبی طاقتوں کی سازشوں کا شکار ہونے لگا۔

کئی ایک کنبے گاؤں چھوڑ گئے تو کئی اپاہج ہو گئے۔ کسی کو ناختم ہونے والی بیماری نے آن گھیرا تو کسی کو بیٹھے بٹھائے دورے پڑنے لگے۔ غرض ہر ایک شریر جنات کی شرارتوں کا شکار ہو گیا۔

کئی ایک عامل بلائے گئے حکما سے ادویات لی گئیں۔ مسجد کے امام صاحب سے دم پھونکے تعویذ ٹوٹکے کروائے گئے مگر کسی کو ذرا بھر افاقہ نہ ہو سکا۔ ہر شخص بے چین و بے قرار سا ہو کر اپنی اپنی زندگی سے مایوس ہونے لگا مگر حل کچھ نہ نکل سکا۔

ایک روز نجو موچی کو ایک بزرگ ملا۔ اس نے اس کے سر پر ہاتھ رکھتے ہوئے کچھ پڑھ کر اس پر پھونک ماری تو وہ اچھا بھلا ہو کر اپنا کام کاج کرنے لگا۔ دھیرے دھیرے گاؤں کے سبھی لوگ جوق در جوق اس بزرگ کے پاس جانے لگے اور شفایاب ہو کر لوٹنے لگے۔

اس نے نہر اور قبرستان کے درمیان اونچے ٹیلے پر لمبے بانس پر اپنا جھنڈا لہرایا اور وہاں چھوٹی سی کٹیا بنا کر اللہ اللہ کی صدائیں بلند کرتے ہوئے انسانیت کی خدمت کرنے لگا۔ جو کوئی آ کر عاجزی سے اپنی تکلیف بتاتا وہ بزرگ اس کے سر پر ہاتھ رکھتے لبوں ہی لبوں میں کچھ پڑھ کر پھونک مارتے اور فرماتے۔

''جا چلا جا..... خدا بہتر کرے گا۔'' جس سے وہ گھر پہنچنے سے قبل شفایاب ہو جاتا۔

عامر تک اس فرشتہ صفت بزرگ کی خبر پہنچی وہ بھی صغراں کو لیے وہاں پہنچا اور جاتے ہی اس کے قدموں میں گر کر گڑگڑانے لگا۔

''بابا جی..... مجھے بچا لو میری منگیتر مجھے بہت عزیز ہے میں اسے علاج کے لیے کہاں کہاں نہیں لے گیا۔ مگر اسے اس مرض سے نجات نہیں مل رہی میں اس کے سر سے ہر قسم کا صدقہ اتارنے کو تیار ہوں۔''

''خاموش.....'' اس بزرگ نے اپنے لبوں پر انگلی رکھ کر عامر کو خاموش کر دیا جو اونچا بولتے ہوئے رو رو کر آسمان سر پر اٹھائے ہوئے تھا۔

پھر بہت دیر گزر گئی وہ اپنی مستی میں اللہ اللہ کی تسبیح گھماتا رہا اس دوران کبھی وہ صغراں کی طرف غور سے دیکھتا تو کبھی عامر کی طرف اور کبھی کبھار قبرستان کے ان اونچے اور فلک بوس درختوں کو..... اور پھر ایکدم اپنی مستی میں گم گویا اپنی عبادت میں مصروف ہو جاتا۔

کافی دیر بعد اس نے نگاہ اٹھا کر صغراں کی طرف دیکھا۔ تسبیح سمیٹی اور پھونک مار کر بولا۔

''جا ..... بیٹا..... اس نصیبوں ماری کو کل لانا..... اس پر خبیث اور ناپاک جن کا قبضہ ہو چکا ہے کل میں اس خبیث کی حاضری کروں گا۔ اور پھر اس سے نجات دلانے کی بھرپور کوشش کروں گا۔ ہو سکے تو کسی قصاب سے بکرے کا سر لے کر دور کسی ویرانے میں نیاز اتار دینا یا پھر کچھ خیرات کرو۔ خدا بہتر کرے گا۔'' اس نے تعویذ بنا کر دیا اور پھونک بھی مار دی۔ یوں عامر اسے لیے بستی چلا آیا اس نے بکرے کا سر لے کر ویرانے میں پہنچایا اور صغراں کو تعویذ بھی پلایا۔

اگلی صبح وہ صغراں کو لیے پھر سے اسی بزرگ کے پاس پہنچا۔

''بابا جی..... آپ..... نے.....''

''ہاں ..... ہاں آج میں اس شیطان کا ضرور توڑ کروں گا تم خدا کے حضور دعا کرو۔'' اس نے آئے ہوئے چند آدمیوں کو روانہ کیا اور پھر صغراں کے اردگرد دائرہ لگا کر پڑھنے لگا وہ جوں جوں پڑھتا

WAQAR AZEEM www.pakistanipoint.com

گیا صغراں کی حالت غیر ہوتی چلی گئی اور پھر وہ زمین پر جیسے ساکت ہوگئی۔ بہت دیر بعد بابا جی نے آواز دی۔

''اوئے حاضر ہو.....'' اور صغراں اٹھ کر بیٹھنے لگی۔

''اب بتا.....اس بچی نے تمہارا کیا بگاڑا ہے جو تو اسے یوں ہلکان کرتے ہوئے اس کے پیچھے ہاتھ دھو کر پڑا ہے اور روز اس کا خون پی رہا ہے۔'' کوئی آواز نہ آئی۔ تو وہ پھر سے گویا ہوا۔

''بول.....بولتا کیوں نہیں.....اب چپ کیوں ہے؟ یاد رکھ اگر تو نہ بولا تو میں تجھے جلا کر بھسم کر دوں گا۔''

''اس نے بچپن میں اپنی ماں کے ساتھ آ کر میرے بچوں کے بیٹھنے اور کھیلنے کی جگہ پیشاب کر دیا تھا جس سے جگہ اور میرے بچوں کے کپڑے خراب ہوگئے تھے۔''

''اچھا.....تبھی تو اس دن سے اس بیچاری کے پیچھے پڑا ہے اس کا تو وہ معصوم اور نا سمجھی کا دور تھا اور یہ انسان.....اسے بھلا کیا خبر کہ یہاں کیا ہو رہا ہے یہاں کون کیا کر رہا ہے تیرے اس دور کے انتقام کی آگ ابھی ٹھنڈی نہیں ہوئی؟''

''اب بھلا اس کے جسم میں کتنا لہو ہے جو تو روز روز اپنے پیٹ کی پیاس بجھا رہا ہے۔''

''ت.....تو.....تم کون ہوتے ہو مجھے ایسا کہنے والے؟'' وہ اکڑ کر بولا۔ ادھر خاموشی چھا گئی چند لمحوں بعد وہ پھر گویا ہوئے۔

''نامعقول ..... اس جھنڈے کو دیکھ..... تمہارے لیے یہی کافی ہے جس پر چاند اور تین تاروں کے نشان ہیں اگر پھر بھی نا سمجھ سکو تو میں تمہیں اپنے علم سے سمجھا دوں گا۔ جو ہمیں ہمارے خدا کی طرف سے عطا ہے۔''

اس نے نگاہ اٹھا کر اس علم کی طرف دیکھا جو ٹیلے پر اونچا بانس پر لہرا رہا تھا۔ پھر صغراں کی آواز میں گویا ہوا۔

''اگر میں ایسا نہ کروں تو؟'' صغراں غرائی۔

''تو پھر تجھے میرے ساتھ جنگ کرنا ہوگی میں بھی پتہ کرنا چاہتا ہوں کہ شر اور امن کی جنگ میں کون فاتح ہوتا ہے۔'' وہ جلا میں آ کر اٹھ کھڑا ہوا۔

پھر اس بزرگ نے جونہی اپنا ہاتھ فضا میں لہرایا۔ صغراں جلدی سے زمین پر لمبی ہوگئی اور بولی۔

''بابا جی..... آپ..... آپ امن والے ہو اور میں.....میں شیطانی اور شر پسند قبیلے سے.....''

''میں..... میں آپ کا مقابلہ ہرگز نہیں کر سکتا۔'' صغراں کی آواز بھرا گئی۔

''تو پھر اس نمانی سے ہمیشہ کے لیے دور ہو جاؤ جس کا منگیتر اس شریف زادی کے لیے بہت بڑے امتحان میں ہے۔''

''میں.....میں اسے چھوڑ دوں گا۔'' صغراں بولی۔

''چھوڑوں گا نہیں.....تمہیں ابھی اور اسی وقت اسے چھوڑنا ہوگا سمجھے.....ورنہ.....''

''ٹھیک ہے میں چلا جاتا ہوں۔''

''ایسے نہیں حرام خور میرے سامنے میرے پیر و مرشد اور استاد محترم کی قسم اٹھاؤ اور سدا کے لیے اپنے جانے کی نشانی دو ورنہ میں تمہارے گھر بار تک نگاہ دوڑا چکا ہوں۔ میں اپنے علم سے تمہیں بلا سکتا ہوں تو تمہیں جلا کر خاکستر بھی کر سکتا ہوں۔ اب جلدی کر.....'' وہ جیسے غضب دکھانے لگے۔

''میں اسے چھوڑے جا رہا ہوں آئندہ اس کے ساتھ کبھی ایسا نہیں ہوگا۔'' پھر ادھر شیشم کے پیڑ کی مضبوط شاخ ٹوٹی اُدھر صغراں کلمہ طیبہ پڑھتے ہوئے اٹھ بیٹھی۔

WAQAR AZEEM
www.pakistanipoint.com

باباجی نے پڑھ کر اس پر پھونک ماری کچھ تعویذ دے اور فرمایا۔

''بیٹا..... جاؤ اپنی پیار بھری دنیا میں سدا خوش رہو۔'' انہوں نے باباجی کے قدموں کو جھک کر بوسہ دیا اور گھر چلے آئے۔

صغراں بالکل نارمل حالت میں آ گئی۔ اس کے اجڑے چہرے پر پھر سے بہار لوٹ آئی سونا اور ویران جوڑا پھر سے سجنے سنورنے لگا گھر کے آنگن میں خوشیاں ہی خوشیاں رقصاں ہوگئیں۔ اجڑے اور ویران در و دیوار پھر سے آباد ہونے لگے وہ چند ہی دنوں میں خوبرو حسینہ کے روپ میں عامر کے سامنے تھی۔ عرصہ تک رونے دھونے والی صورتوں پر مسرتوں کا گمان ہونے لگا۔ یوں چند دنوں بعد صغراں اور عامر کی شادی دھوم دھام سے کر دی گئی۔

☆.....☆.....☆

چاند ستاروں والی عظیم اور مقدس بستی عرصہ تک بستی اور اس کے نشیب و فراز میں بسے انسانوں کی بھلائی اور اصلاح پر معمور رہی۔ علاقہ بھر سے ہزاروں لوگ ان کے دم درود اور تعویذوں سے صحت یاب ہوتے رہے اور کوئی بھی غیر مرئی مخلوق کا واقعہ پیش نہ آ سکا۔

شہر جیلانی کے علاوہ بھی دور و نزدیک کے عوام اس عظیم اور مقدس بزرگ ہستی پر دل و جان فدا کرتے رہے۔ اور وہ ہر اک انسان اور چرند پرند کے علاوہ لوگوں کے گھروں پر بھی فلاح اور سلامتی پر کاربند رہے۔

☆.....☆.....☆

گاؤں کے وسط میں وڈیرے سائیں کا ڈیرا تھا جہاں شب گئے لوگ اپنی حاجات اور شکایات لے کر ان کے پاس موجود رہتے جن کا وہ منصفانہ حل تلاش کرتے ہوئے انہیں بخوشی اپنے اپنے گھر بھیجتے' اس روز بھی نمبردار کے ہاں بہت سے لوگ اپنی شکایات لائے ہوئے تھے۔ جن کو وہ حل کرتے ہوئے انہیں خوش کر رہے تھے۔

اسی دوران گاؤں کے باہر جھنڈے اور چاند تاروں والی سرکار ہستی کا ذکر چھڑ گیا۔

''باباجی بہت کرامت والے بزرگ ہیں ہر کوئی ان کے ہاں سے شفایاب ہو رہا ہے۔'' کسی نے کہا۔

''ان کے آنے سے جن بھوت سے بھی بستی میں سکون ہے۔'' کوئی دوسرا بولا۔ ایک شخص نے آگے بڑھ کر کہا۔

''سائیں گھمن شاہ درگاہ کے قبرستان سے آگ کے شعلے بھی اٹھنے بند ہوگئے ہیں۔''

''ہائیں.....'' نمبردار حیران سا ہو کر ان کی طرف گھورنے لگا۔ پھر چند لمحوں بعد بولا۔

''اوئے نورے..... یہ تو سبھی ٹھیک ہے مگر ہمیں اس انسانیت کے مسیحا کے بارے میں پتہ لگانا چاہیے کون ہے اور کہاں سے آیا ہے۔ سنا ہے پڑوسی ملک سے آئے جاسوس بھی بھیس بدل کر نئے نئے کام اور طریقے سر انجام دیتے ہیں۔

ہوسکتا ہے وہ آدمی کوئی جاسوس' قاتل یا پھر ایجنٹ ہو۔ جو پیر فقیر بن کر اپنی شعبدہ بازیوں سے لوگوں کو خوش کر رہا ہے۔ ایک دن کوئی واردات کرتے ہوئے یہاں سے رفو چکر ہو جائے اور ہم ہاتھ ملتے رہ جائیں۔''

''اوئے اکرم..... تم ایسا کرو..... صبح جا کر اس کا اتا پتہ معلوم کرو ایسا پُراسرار شخص کہاں سے آیا ہے اور کیا چاہتا ہے۔'' اس نے اپنے مضارعے کو بلا کر کہا۔

''جی ٹھیک ہے میں صبح ضرور پتہ کروں گا۔''

یوں اگلی صبح نمبردار مضارعے اونچے جھنڈے اور چاند تاروں والی سرکار کے پاس پہنچا اور خاموشی سے

WAQAR AZEEM www.pakistanipoint.com

جا کر بیٹھ گیا۔ بزرگ اپنی اللہ ہو والی صدا میں مصروف تھے بہت دیر بعد جب انہوں نے نگاہ اٹھائی تو بولے۔

''بیٹا..... مجھے معلوم ہے تمہیں میرے پاس کیوں بھیجا گیا ہے۔ یاد رکھو میں خداوند تعالیٰ کی طرف سے آپ لوگوں کے لیے انسانیت کا مسیحا بنا کر اس دھرتی پر بھیجا گیا ہوں اور میں وہ سبھی کام سرانجام دے رہا ہوں جس میں خدا کی رضا شامل ہے۔ میں نا تو ہندوستانی جاسوس ہوں اور نا ہی کسی کمپنی کا ایجنٹ..... بس اپنے وڈیرے کو جا کر بتادو۔'' یہ کہہ کر وہ پھر سے اپنی اللہ ہو میں مصروف ہوگیا۔

مضارع اٹھ کر خاموشی سے واپس چلا آیا اور سبھی کچھ وڈیرے کے گوش گزار کیا۔ وہ اس پر بے انتہا غصہ ہوا اور بولا۔

''میں نے تمہیں اس کا اتا پتا معلوم کرنے کو بھیجا تھا مگر تم کوئی کام کی خبر نہیں لا سکے مجھے اس کی پوری ہسٹری لا دو وہ کون ہے کہاں سے وارد ہوا ہے اور ہم لوگوں سے کیا چاہتا ہے اگر اب کی بار تم پوری طرح معلوم کر کے نہ آئے تو میں تمہارے ساتھ بہت برا پیش آؤں گا۔''

اگلی صبح وہ پھر سے چاند ستاروں والی سرکار کے پاس پہنچا اور نمبر دار کا پیغام اسے کہہ سنایا۔ وہ چند ثانیے گویا اپنی عبادت میں مصروف رہے پھر نگاہ اٹھا کر بولے۔

''سنو نوجوان! میرے خیال میں تمہارے نمبر دار اور تم لوگوں کو مجھ جیسے مسیحا اور رہبر کی قطعاً ضرورت نہیں ہے میں اپنے بارے میں سبھی کچھ بتا دیتا ہوں مگر..... مگر کل آپ مجھے یہاں نہیں دیکھو گے..... اس لیے کہ غیر مرئی مخلوق کبھی کبھی نگاہوں کے سامنے رونما ہوا کرتی ہے اور..... پھر آپ مجھے دیکھ اور پا سکو.....''

''اس جھنڈے کو دیکھ رہے ہو نا..... اس پر چاند اور ستارے واضح نظر آ رہے ہیں۔''

''ج..... جی جی میں اس جھنڈے پر چاند اور تارے دیکھ رہا ہوں۔'' نوجوان نے اُدھر دیکھتے ہوئے کہا۔

''اب میرے دائیں ہاتھ کی ہتھیلی کو ذرا دیکھو.....'' اس نے نوجوان کے سامنے اپنا دائیاں ہاتھ کر دیا اس پر بھی چاند اور تین ستاروں کے نشان واضح تھے۔

''جی..... مجھے چاند ستارے نظر آ رہے ہیں۔'' نوجوان حیران ہو کر بولا۔ پھر وہ بزرگ ٹھنڈی آہ خارج کرتے ہوئے بولے۔

''چاند اور ستارے ہماری خاص جنات کی نشانی ہے اور یہ ہمارا پیدائشی نشان ہے۔ جو ازل سے ابد تک ہماری نسل کے جنات میں چلتا رہے گا۔ وہ جنات جن کا تعلق حضرت سلیمان علیہ السلام کے شاگردوں سے تھا اور وہ اس پیغمبر کے ساتھ زندگی بھر رہے۔

انہی کی اطاعت کی اور انہی کی فرمانبرداری میں زندگی گزار دی۔ ان کی نسلوں سے جو بھی جن ہوگا یہ نشان ان کا پیدائشی ہوگا۔ جنات کے قبائل میں اور انسانوں کی بھلائی میں ان کا بہت بڑا مقام ہوگا۔ وہ بہت عزت و تکریم والے ہوں گے اور ان شریف اور مقدس جنات کی بہت زیادہ اہمیت ہوگی۔''

''ہمارے کنبے کے جن کسی کو بھی کوئی تکلیف نہیں پہنچاتے بلکہ سدا بھلائی کے کاموں پر گامزن رہتے ہیں۔ میرے ہی قبیلے میں میرے بزرگ کو دیکھ لو عرصہ پہلے اسی نہر کنارے لالٹین لیے وہ اندھیری راتوں میں اس بستی سے دوسری بستی تک لوگوں کی اصلاح اور راستے کے لیے سدا روشنی پر

WAQAR AZEEM
www.pakistanipoint.com

گامزن رہے۔ تو دوسری طرف جنات کے شر پسند عناصر اندھیری اور ویران راتوں میں قبرستان کے دہانے چنگاریاں شعلے اور فلک بوس آلاؤ سے لوگوں کو ہراساں کرنے میں کوشاں رہے۔ سدا انہیں تکالیف پہنچاتے رہے اور طرح طرح سے انہیں تنگ کرتے رہے۔

اس دور کے بعد ہمارا وقت آیا مجھے یہاں کے عوام کی بھلائی اور سکون و آرام پر کار بند کیا گیا۔ میں نے اونچے الم پر چاند اور تین تاروں کا نشان دکھا کر اسے اس ٹیلے پر نصب کیا اور خدا کے حضور بھلائی کے کاموں پر معمور ہوا۔'' وہ کچھ دیر سانس لینے کو رکا اور پھر گویا ہوا۔

''ایک چاند اور تین ستاروں سے مراد یہ ہے کہ طاق کی دنیا ہمارے خدا تعالیٰ کو بے حد پسند ہے۔ ایک تارے سے مراد خود نیکی پر کار بند رہنا دوسرے تارے سے مراد اپنی نسل کو نیکی کی طرف متوجہ کرنا اور تیسرے ستارے سے مراد انسانیت اور جنات کے لیے ہمیشہ فلاح اور نیکی کی ترغیب دینا اور انہیں کبھی کوئی نقصان نہ پہنچانا یہ تین ستارے اس بات کی دلیل ہیں کہ لوگ بے ضرر ہوں کبھی نقصان نہیں دیں گے لوگوں کی ہمیشہ راحت کا' عافیت کا اور خیر و برکت کا ذریعہ بنیں گے اگر انسانوں اور جنات میں مشکلات ہوں گی تو انہیں دور کرنے کی کوشش کریں گے۔''

''جبکہ شریر جنات ہمیشہ جھگڑے کرواتے ہیں اور پھر انسان مارنے مرنے پر تل جاتے ہیں قتل و غارت' برے فعل' گندے منصوبے شروالے جنات ہی ترتیب دیتے ہیں اور پھر ان پر عمل پیرا بھی ہوتے ہیں جن پر انسانیت کی نسلیں خون خرابے کرتے ہوئے ختم ہو جایا کرتی ہیں۔

نسل سلیمانی کے جن (شاگرد) اپنے گھر میں محافل منعقد کرواتے ہیں مجالس' قرانی خوانی تذکرہ قرآن اور میلاد النبی ﷺ بھی منایا جاتا ہے اور سبھی ان میں شامل ہو کر اپنے لیے سعادت سمجھتے ہیں۔''

''اگر تم لوگ وہ اچھے کام کرو جو ہمیں زیادہ بھائیں تو نیک اور شریف جنات انہیں بہت پسند فرماتے ہیں تمہاری مدد کو پہنچتے ہیں تمہارا ساتھ دیتے ہیں اور تم سے بے پناہ محبت کا اظہار فرماتے ہیں۔

تمہارے نمبردار اور بستی والوں کے دلوں میں جو شک آیا ہے ایسا قطعی طور پر نہیں ہے۔ میں نیک اور مقدس جن ہوں بھی عرصے سے کسی فرد کو جنات کی تکلیف نہیں ہونے دی اگر سبھی لوگوں نے مجھے ہندوستان کا جاسوس' کسی پارٹی کا ایجنٹ یا پھر کوئی پُراسرار ڈکیت سمجھ لیا ہے تو نمبردار سے کہہ دینا۔''

''تمہیں تمہاری دنیا اور یہ دھرتی مبارک ہو تمہاری بڑائی عظمت اور شان و شوکت مبارک ہو ہم چلے اپنے جہاں..... تم اس قابل ہی نہیں کہ تمہاری نگرانی اصلاح اور حفاظت کی جا سکے۔

☆.....☆.....☆

وہ نوجوان خاموشی سے اٹھ کر بستی کی طرف بڑھنے لگا۔ اس نے نمبردار کو اس مقدس اور عظیم جن کی سبھی باتیں بتائیں جسے سن کر نمبردار بہت حیران ہو۔

اس نے دل میں ٹھان لی کہ وہ صبح جا کر اس مقدس جن کی زیارت کرتے ہوئے اس سے معافی مانگے گا۔ مگر اگلی صبح جب وہ اپنے بہت سے مضاروں کے ساتھ ٹیلے پر پہنچا تو وہاں سوائے چاند ستاروں والے جھنڈے کے کچھ بھی نا تھا۔

نیک جنات سدا کے لیے اگلی منزل کی طرف جا چکے تھے شاید جہاں سسکتی انسانیت ان کی منتظر تھی۔

□□.....❁.....□□

WAQAR ZEEM www.pakistanipoint.com

سرگودھا سے ارسال کردہ سچی تحریر

وہ کون تھی؟

ایک پُراسرار واقعے نے عرش پر بیٹھے
سول سرونٹ کو خاک نشین بنا ڈالا.....

ممتاز احمد

ایان احمد ولد عمران احمد بچپن سے ہی کھلنڈرا اور شوخ وچنچل لڑکا تھا مگر تھا انتہا کا ذہین اور لائق فائق..... ہر کلاس کے امتحان میں فرسٹ پوزیشن لیتا لیکن مذہب سے بہت دور تھا جس کی بنیادی وجہ اس کے گھر کا ماحول تھا۔

اُس کے ماں باپ آزاد منش تھے کبھی نماز' روزہ کی پرواہ نہیں کی۔ قرآن پاک ان کے گھر میں موجود تھا۔ مگر کبھی پڑھنے کی توفیق نہیں ہوئی۔ اب ظاہر ہے ماں باپ کی شخصیت کا اثر اولاد پر بہت پڑتا ہے۔ اولاد کے لیے ماڈل رول اُس کے ماں باپ ہوتے ہیں۔ اولاد اپنے ماں باپ کی ہر بات کو قبول کرتی ہے۔ جب ایان کے ماں باپ نماز روزہ سے بیگانے تھے تو ان کی اولاد بھی اپنے ماں باپ پر گئی تھی۔

ایان کا باپ ایک سرکاری افسر تھا غرور اور تکبر کا پتلا وہ ٹائم کا بہت پابند تھا علی الصبح وہ بیدار ہو جاتا اور قریبی پارک میں صبح کی سیر اور ورزش کرنے چلا جاتا ایک گھنٹے کے بعد اُس کی واپسی ہوتی آ کر وہ شیو بناتا نہا دھو کر سوٹ پہنتا اور ناشتہ کر کے ساڑھے سات بجے گھر سے نکل جاتا اُس کا سرکاری ڈرائیور چمچاتی کار میں اُسے پورے آٹھ بجے دفتر پہنچا دیتا۔ ایان کی ماں رخسانہ عمران ایک مقامی سرکاری کالج میں سائنس کی لیکچرار تھی۔ اُس نے اپنی کار رکھی ہوئی تھی۔ جسے وہ خود ڈرائیو کرتی تھی۔ وہ دونوں صبح صبح اپنی ڈیوٹیوں پر چلے جاتے۔

ایان کا باپ شام چھ بجے گھر لوٹتا جبکہ اس کی ماں دو اڑھائی بجے گھر واپس آتی۔ آ کر وہ دوپہر کا کھانا کھاتی اور سو جاتی۔ گھر کے کام کاج کے لیے ایک ملازمہ تھی اور تین ٹائم کا کھانا بنانے کے لیے ایک خانساماں تھا۔ کپڑے دھونے کے لیے ایک الگ ملازمہ تھی۔ ایان اپنے پانچ بہن بھائیوں میں سب سے بڑا تھا وہ باقاعدگی سے کالج جاتا تھا وہ کالج کا ہونہار اور قابل طالب علم تھا۔ اُس نے اپنے ماں باپ سے یہ سیکھا تھا کہ زندگی محنت سے بنتی ہے۔ انسان جس شعبے میں بھی

WAQAR AZEEM
www.pakistanipoint.com

ہو محنت سے مقام حاصل کر لیتا ہے۔

ایان کا پورا گھرانہ تقدیر کو نہیں مانتا تھا ان کے نزدیک تقدیر عام لوگوں کی سوچ ہے جنہوں نے ہر کام تقدیر سے منسوب کر رکھا ہے۔ ایان کے ماں باپ نے اپنے اور دوسرے لوگوں میں بہت فرق رکھا تھا وہ اپنے غریب رشتہ داروں سے میل جول اپنی توہین سمجھتے تھے۔ وہ اپنے جیسے اور اپنے سے بڑے لوگوں سے ملتے جلتے تھے۔ ان کے نزدیک وہ خاص لوگ تھے اور خاص لوگوں کی باتیں بھی خاص ہوتی ہیں۔ ان کے رہنے کا انداز خاص، چلنے پھرنے کا انداز خاص، کھانے پینے کا انداز خاص، لباس پہننے کا انداز خاص اور ملنے ملانے کا انداز خاص اسی خاص انداز میں ایان اور اس کے بہن بھائیوں کی تربیت ہوئی تھی۔

ایان کا ایک دوست تھا۔ شاہ زیب جو ایک بہت بڑے بزنس مین کا بیٹا تھا وہ بھی بلا کا ذہین و فطین تھا۔ شاہ زیب کا گھرانہ ماڈرن تھا مگر تھا مذہبی، شاہ زیب کے والدین اور بہن پانچ وقت کی نماز ادا کرتے تھے اور صدقہ خیرات بھی کرتے۔ شاہ زیب کے ڈرائنگ روم میں حضرت علی ہجویری داتا گنج بخش رحمتہ اللہ علیہ کے مزار کی ایک بہت بڑی تصویر آویزاں تھی۔

ایان جب بھی شاہ زیب کے گھر جاتا تو مزار کی تصویر کو بڑے غور سے دیکھتا مگر اسے کچھ محسوس نہ ہوتا لیکن اُس نے کبھی بھی اس تصویر کی بابت کوئی سوال شاہ زیب سے نہ کیا تھا۔ شاہ زیب کی ایک بہن عائزہ جس کی عمر بیس سال تھی۔ وہ بہت خوبصورت اور حسین تھی وہ ہمیشہ دوپٹہ یا چادر اوڑھے رکھتی تھی۔ جب بھی ایان اُن کے گھر آتا تو عائزہ ہی چائے اور لوازمات لے کر آتی تھی۔ گو اس گھر میں ملازم تھے مگر ایان کے لیے چائے عائزہ خود بناتی اور خود ہی ٹرالی میں رکھ کر ڈرائنگ

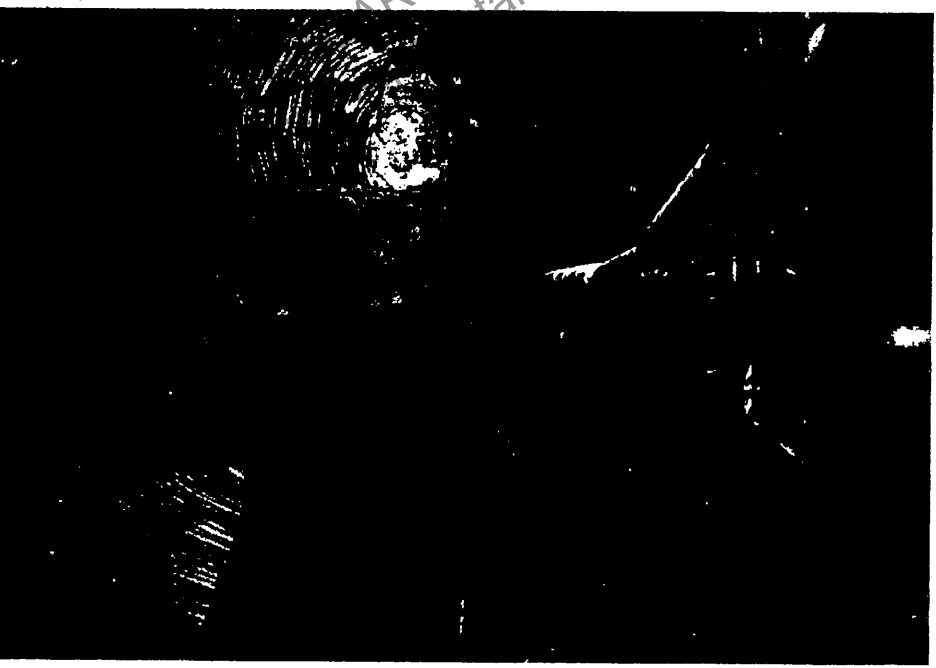

روم جاتی تھی اور اپنے ہاتھوں سے چائے کا کپ بنا کر ایان کو پیش کرتی وہ ایسا کیوں کرتی تھی اسے خود بھی معلوم نہ تھا۔

ایان ایک خوبرو لڑکا تھا مردانہ وجاہت کا شاہکار تھا۔ اُسے دیکھ کر صنف مخالف کے دل کی دھڑکنیں بے ترتیب ہو جاتیں مگر ایان نے کبھی کسی لڑکی کو لفٹ نہیں کروائی تھی وہ کسی سے فالتو بات نہیں کرتا تھا وہ اپنی دھن میں مگن رہتا۔ ایان اپنے تعلیمی مدارج طے کرتا ہوا جب ایم ایس سی کے امتحان میں یونیورسٹی میں پہلی پوزیشن حاصل کرنے پر رشک بھری نگاہوں کے محور میں مہمان خصوصی سے گولڈ میڈل وصول کر رہا تھا تو اُس کی گردن تنی ہوئی تھی۔

اُس کے ماں باپ فخر و غرور میں لپٹے لوگوں سے مبارکبادیں وصول کر رہے تھے۔ پورا ہال لوگوں سے کھچا کھچ بھرا ہوا تھا اور تالیوں کی گونج تھی۔ اُس تقریب میں شاہ زیب اور اُس کی بہن عائزہ بھی موجود تھے۔ تقریب کے اختتام پر چند منٹ کی تنہائی ملی تو عائزہ نے ایان کو مبارکباد دی جواب میں ایان نے صرف تھینکس بولا اور آگے بڑھ گیا۔

ماسٹرز کرنے کے بعد ایان نے سی ایس ایس کا امتحان دینے کا سوچا اور تیاری شروع کر دی وہ دن رات امتحان کی تیاری میں مصروف رہا اور آخر ایک سال بعد اُس نے سی ایس ایس کا امتحان کوالیفائی کر لیا۔ اس کا انٹرویو زبردست رہا اور بالآخر اُسے پاکستان کی اعلیٰ سول سروس کے لیے منتخب کر لیا گیا۔ ٹریننگ کے بعد اسے وفاقی ادارے کے اہم محکمہ میں بیورو کریٹ تعینات کر دیا گیا۔ آج اس کے گھر میں ایک زبردست پارٹی تھی۔ بہت سارے لوگ انوائٹڈ تھے۔

شاہ زیب اور اُس کی بہن عائزہ بھی مدعو تھے۔ آج ایان بہت ہینڈسم اور اسمارٹ لگ رہا تھا بلیک سوٹ اور ریڈ ٹائی میں وہ بہت جاذب نظر لگ رہا تھا اُس کی پرسنلیٹی زبردست لگ رہی تھی۔ پارٹی کے دوران عائزہ مخمور نگاہوں سے ایان کو دیکھ رہی تھی اُس کا دھیان ایان کی طرف تھا وہ مسلسل ایان کو دیکھ رہی تھی۔ آج عائزہ کے دل کی دھڑکنیں بہت بے چین اور عجیب سی تھیں اُسے ایان پر بہت پیار آ رہا تھا اُس کے دل کے نہاں خانوں میں کب سے ایان کی محبت چپکے سے سرگوں تھی۔ آج ایان بہت خوش نظر آ رہا تھا۔

عائزہ نے سوچا آج بہت اچھا دن ہے تو آج اظہار محبت کر دینا چاہیے۔ عائزہ کے پاس ایک تازہ گلاب کا پھول تھا۔ تھوڑی دیر کے بعد ایان ایک فون کال سننے کے لیے ایک کونے میں آیا جب وہ کال سن چکا تو عائزہ اپنی کرسی سے اٹھی اور ایان کے پاس چلی گئی۔ سلام کے بعد اُس نے ایان کی خیریت پوچھی۔ عائزہ کا دل اچھل پھل ہو رہا تھا وہ گھبرا رہی تھی۔ اُس نے اپنے کانپتے ہاتھوں سے گلاب کا پھول ایان کو پیش کیا اور دل کی تیز دھڑکنوں میں ایان سے کہا۔

''ایان میں آپ سے بہت محبت کرتی ہوں بہت چاہتی ہوں آپ کو۔'' ایان نے جب یہ سنا تو حیرانگی سے بولا۔

''واٹ..... یہ محبت کس چڑیا کا نام ہے؟'' تو عائزہ نے پریشان نظروں سے ایان کی طرف دیکھا اور بولی۔

'' ایان محبت دنیا کے سب سے زیادہ خوبصورت جذبے کا نام ہے۔''

'' میں کسی جذبے کو نہیں جانتا اور نہ ہی میرے دل میں ایسا کوئی جذبہ ہے۔ آپ صرف

www.paksociety.com

میرے دوست کی بہن ہو اس سے زیادہ میں کچھ نہیں جانتا' انڈراسٹینڈ.....'' اس نے عائزہ کا دیا ہوا گلاب کا پھول ایک میز پر رکھا اور واپس دوستوں کی طرف چلا گیا۔ عائزہ کے دل پر بجلی گرگئی۔ وہ بوجھل قدموں سے واپس اپنی کرسی کی طرف آئی اور ڈھے گئی۔ اس نے کچھ نہیں کھایا اُس کی آنکھیں بھرآئی تھیں اُس کا دل ٹوٹ گیا تھا اُسے اپنی توہین محسوس ہوئی اب وہ ایک لمحہ بھی وہاں بیٹھنا نہ چاہتی تھی۔

پارٹی ابھی چل رہی تھی اور مزید دوتین گھنٹے ابھی چلنی تھی۔ اس نے اپنے بھائی شاہ زیب کو میسج کیا کہ اُس کی طبیعت خراب ہے تو وہ گھر واپس جارہی ہے۔ وہ اپنی کرسی سے اُٹھی اور اگلے لمحے وہ کوٹھی کے گیٹ سے باہر تھی۔ اُسے فوراً ایک خالی ٹیکسی مل گئی جس میں بیٹھ کر وہ اپنے گھر پہنچ گئی۔

وہ سیدھی اپنے بیڈ روم میں گئی اُس کی آنکھوں سے آنسوؤں کا سیلاب اُمڈ آیا وہ ہچکیاں لےلے کر بہت روئی اُسے اپنی محبت کے ٹھکرائے جانے کا بہت دکھ اور افسوس ہوا۔ حالانکہ اس کے خاندان اور یونیورسٹی کے کئی لڑکے اس پر فریفتہ تھے مگر اُس نے کسی کو گھاس نہیں ڈالی۔ وہ محبت کرتی تھی تو صرف ایان سے۔

ایان کی محبت اُس کی رگ رگ میں سمائی ہوئی تھی اُسے یوں محسوس ہوتا تھا کہ اُس کے جسم میں دوڑنے والے خون کا نام ایان ہے۔ اُس کے دل میں صرف ایان سمایا ہوا تھا۔ اُس کا دل ایان کی محبت سے لبریز تھا۔ وہ اپنے من کے مندر میں ایان کو پوجتی تھی۔ مگر آج اُس کے خوابوں کا تاج محل چور چور ہو گیا تھا۔ اُسے ایان کے الفاظ یاد آرہے تھے۔ وہ الفاظ نہیں تھے ایسا لگتا تھا جیسے پگھلا ہوا سیسہ اُس کے کانوں میں انڈیل دیا گیا ہے۔ رات تک اُسے 104 بخار ہو گیا وہ ساری رات بخار میں تپتی رہی اُس نے کچھ نہیں کھایا پیا تھا۔ عائزہ کا دل ٹوٹ گیا تھا۔

ایان نے اپنی ڈیوٹی سنبھال لی اس میں تکبر اور غرور بہت بڑھ گیا تھا وہ بڑے ٹھاٹھ سے سرکاری کار میں بیٹھ کر اپنے آفس جاتا اُس کی طبیعت میں عجز وانکساری نہیں تھی۔ وہ مذہب سے بہت دور تھا وہ کسی کے جذبات کو نہیں سمجھتا تھا اُس کی یہ سوچ تھی کہ اونچا مقام' عہدہ اور رعب و دبدبہ اُس نے اپنی قابلیت' ذہانت اور محنت کے بل بوتے پر حاصل کیا ہے۔

چونکہ وہ اپنے بہن بھائیوں میں سب سے بڑا تھا اور اس نے سول سروس جوائن کر لی تھی تو ایان کے ماں باپ کو اُس کی شادی کی سوجھی انہوں نے رشتہ تلاش کرنا شروع کر دیا گو ان کے رشتہ داروں میں کئی جوان اور خوبصورت لڑکیاں تھیں مگر انہوں نے رشتہ کیا لینا تھا وہ اپنے رشتہ داروں کو ملنا پسند نہیں کرتے تھے ان کو حقارت کی نظر سے دیکھتے تھے وہ اپنے سے اونچے لوگوں میں رشتہ تلاش کر رہے تھے۔ آخر تلاش بسیار کے بعد ان کو گوہر مقصود مل گیا۔

حلقہ کے ایم این اے کی اکلوتی بیٹی عاتکہ کمال سے رشتہ داری جوڑ لی۔ عاتکہ کے والد کمال الدین ایک بہت بڑے جاگیر دار تھے اس کے علاوہ دو شوگر ملیں اور امپورٹ ایکسپورٹ کا بہت وسیع کاروبار تھا۔ وہ بھی اس رشتے سے بہت خوش تھے کہ ایک بیوروکریٹ ان کا داماد بننے جارہا ہے۔ ایان اور عاتکہ کی بڑی دھوم دھام سے منگنی ہوئی دل کھول کر دونوں طرف سے خوب پیسہ خرچ کیا گیا۔

شادی ایک سال بعد ہونا تھی مگر شادی کی

WAQAR AZEEM
www.pakistanipoint.com

تیاری ابھی سے شروع ہوگئی تھیں ایان کی والدہ بہت خوش تھیں کیونکہ ایان کی شادی ان کے گھر کی پہلی خوشی تھی اور وہ اپنی اس خوشی کو بھرپور طریقے سے منانا چاہتی تھیں۔ دونوں گھروں میں آنا جانا شروع ہوگیا آئے روز ایک دوسرے کی دعوتیں کی جاتی تھیں۔ رخسانہ عمران اپنی ہونے والی بہو کے صدقے واری جاتی تھیں ہر معاملے میں اُس کی پسند اور ناپسند کو ترجیح دی جاتی۔ اُس کی پسند سے شاپنگ کی جارہی تھی۔ وقت بڑی تیزی سے گزر رہا تھا دیکھتے ہی دیکھتے دس ماہ گزر گئے۔

عاتکہ بھی اپنے امتحان سے فارغ ہو چکی تھی۔ اُس نے ایم ایس کا فائنل ایگزام دے دیا تھا۔ دونوں خاندانوں کی مشاورت سے بالآخر ایان اور عاتکہ کی شادی کی تاریخ دس مارچ مقرر ہوگئی۔

☆......☆......☆

WAQAR AZEEM
www.pakistanipoint.com

عائزہ ساری رات بخار میں تپتی اور روتی رہی اُس نے کچھ نہیں کھایا تھا۔ رو رو کر اُس کی آنکھیں سوج گئی تھیں صبح تک وہ بے دم ہو چکی تھی۔ عائزہ کی والدہ نے جب صبح اپنی بیٹی کی حالت دیکھی تو ان کا کلیجہ منہ کو آیا انہوں نے فوری طور پر اپنے فیملی ڈاکٹر کو بلایا اس نے آکر عائزہ کا مکمل چیک اپ کیا اور دو چار ٹیسٹ لیے۔ ٹیسٹ کلیئر تھے مگر عائزہ کا بخار نہیں ٹوٹ رہا تھا۔ ڈاکٹر نے عائزہ کی والدہ کو بتایا۔

''بچی نے کوئی گہرا صدمہ لیا ہے جس کا اثر ہے۔ بس آپ دعا کریں۔'' عائزہ کی فیملی حضرت علی ہجویری داتا گنج بخش سے بہت عقیدت رکھتی تھی عائزہ کی والدہ کو اس بات کی بہت فکر اور کھوج تھی کہ ان کی بیٹی نے کون سا گہرا صدمہ لیا ہے۔ انہوں نے کچھ سوچا اور اپنی بیٹی کو ساتھ لے کر حضرت علی ہجویری داتا گنج بخش کے مزار پر آ گئیں۔ ماں بیٹی نے کچھ کلام پاک کی تلاوت کی اور فاتحہ پڑھی۔ عائزہ کا اضطراب کافی کم ہوگیا اور اُسے سکون ملا۔ وہیں مزار پر بیٹھے انہوں نے اپنی بیٹی کا سر اور ماتھا پیار سے چوما اور گلے سے لگا کر پوچھا۔

''عائزہ بیٹی میں تمہاری ماں بھی ہوں اور سہیلی بھی تو پلیز مجھے سب کچھ بتادو تم نے کس بات کا صدمہ لیا ہے۔'' عائزہ کی آنکھوں میں آنسو آگئے اور اس نے روتے روتے اپنی ایان سے محبت کا بتادیا اور ایان نے اس کی محبت کو ٹھکرا دیا ہے۔ تو عائزہ کی والدہ نے بڑے پیار سے اپنی بیٹی کو سمجھایا۔

''دیکھو بیٹا محبت قسمت اور نصیب سے ملتی ہے۔ ایان بہت مغرور اور موڈی لڑکا ہے۔ وہ تمہاری پاکیزہ محبت کو نہیں سمجھ سکا وہ کسی کی محبت کو پا ہی نہیں سکتا اُسے اپنی قابلیت اور مردانہ وجاہت پر بہت گھمنڈ ہے اور گھمنڈی لوگ زندگی میں کسی سے پیار کر ہی نہیں سکتے۔ وہ تمہارے قابل نہیں تھا اُسے بھول جاؤ۔'' انہوں نے عائزہ کو ساتھ لیا اور لنگر خانے آگئیں جہاں انہوں نے چار دیگیں صدقہ خیرات کیں اپنی بیٹی کی صحت وسلامتی اور اچھی قسمت کی دعا کی اور بیٹی کو لے کر گھر واپس آگئیں۔ شام تک عائزہ کا بخار اتر گیا اور وہ نارمل ہوگئی۔

رات کو جب عائزہ کے والد گھر آئے تو اس کی والدہ نے ان سے بات کی اور کہا۔

''جلد از جلد کوئی اچھا سا رشتہ دیکھ کر عائزہ کی شادی کر دیں۔'' عائزہ کے والد بھی سن کر پریشان ہوگئے۔ انہوں نے کہا۔

''انشاء اللہ بہت جلد وہ عائزہ کا رشتہ ڈھونڈ لیں گے۔'' اتفاق سے اُن کا ایک دوست عزیز احمد جو ایک صنعت کار تھا اُس کا بیٹا سلیم احمد

جس نے ایم بی اے کیا ہوا تھا وہ اپنے باپ کے ساتھ کام کرتا تھا۔ ان کے بزنس کی ایک شاخ سوئٹزر لینڈ میں تھی جس کا انچارج سلیم تھا۔ عزیز صاحب بھی اپنے بیٹے کے لیے رشتہ تلاش کر رہے تھے۔ اور وہ عائزہ کا رشتہ اپنے بیٹے سلیم احمد کے ساتھ کرنے میں عرض مند تھے۔ جب دونوں خاندانوں میں بات چیت ہوئی تو عائزہ کے والدین نے سلیم کا رشتہ قبول کرلیا اور چٹ منگنی پٹ بیاہ کے مصداق دو ماہ کے اندر اندر عائزہ اور سلیم کی شادی ہوگئی اور شادی کے پندرہ دن بعد سلیم عائزہ کو لے کر سوئٹزر لینڈ چلا گیا۔ سلیم بہت اچھا شوہر ثابت ہوا اس نے عائزہ کو بہت عزت، احترام اور پیار دیا۔ ہر طرح سے عائزہ کا وہ خیال رکھتا تھا۔ عائزہ سلیم کا پیار پا کر ایان کی محبت کو بھول گئی اور خوش و خرم زندگی گزارنے لگی۔

ایان اور عاتکہ کی شادی کو دو ماہ رہ گئے تھے۔ دونوں خاندانوں میں شادی کی بھرپور تیاریاں جاری تھیں۔ ایان اپنی ڈیوٹی میں مصروف تھا آج مرکزی سیکریٹریٹ میں ایک اہم میٹنگ تھی بڑے بڑے بیوروکریٹ میٹنگ میں آئے ہوئے تھے۔ مقررہ ٹائم پر میٹنگ شروع ہوگئی۔ کوئی آدھے گھنٹے کے بعد اچانک ایان کے سر میں درد ہونے لگا اور چکر آنے لگے۔ اُسے بے چینی سی ہونے لگی اور یکدم اسے محسوس ہوا جیسے اس کا جسم بے جان ہوگیا ہے۔ وہ لڑھک کر اپنی کرسی سے نیچے گر گیا۔

تھوڑی دیر کے لیے میٹنگ رک گئی اور فوراً ایان کو اٹھا کر بٹھا دیا گیا اُس کی سانسیں تیز تیز چل رہی تھیں فوراً ایمبولینس کو کال کی گئی۔ دس منٹ کے بعد ایمبولینس آ گئی اور ایان کو اسپتال شفٹ کر دیا گیا۔ ایمرجنسی وارڈ میں ڈاکٹر نے سب سے پہلے اس کا بلڈ پریشر چیک کیا جو کافی لو تھا۔ ڈاکٹر نے ایان سے پوچھا۔

''وہ کیا فیل کر رہا ہے؟'' ایان نے کچھ بولنے کی کوشش کی مگر اس سے بولا نہیں جا رہا تھا وہ دائیں بائیں آنکھیں گھما کر دیکھ رہا تھا۔ فوری طور پر ایان کے والدین کو اطلاع دی گئی اور ایمرجنسی ڈاکٹر نے اسپتال کے بڑے اور سینئر ڈاکٹرز کو انفارم کیا اگلے ہی لمحے دو سینئر ڈاکٹر ایمرجنسی میں موجود تھے اور ایان کا چیک اپ کر رہے تھے۔ ایان کا بلڈ پریشر نارمل کرنے کے لیے انجکشن لگایا گیا اور دیگر لیبارٹری ٹیسٹ کے لیے اس کا خون لیبارٹری میں پہنچا دیا گیا اور ایان کو ڈرپ لگا دی گئی۔

اتنی دیر میں ایان کے والدین اور بہن بھائی بھی اسپتال میں آ گئے۔ سب لوگ سخت پریشان تھے کہ ایان کو کیا ہوگیا ہے۔ صبح وہ بالکل ٹھیک ٹھاک ناشتہ کر کے آفس گیا تھا۔ اچانک اس کی طبیعت بگڑ گئی تھی۔ ڈاکٹرز کو کچھ سمجھ نہیں آ رہی تھی۔ ایان کے بلڈ ٹیسٹ کی رپورٹ آ گئی تھی جو کہ نارمل تھی۔ کچھ دنوں کے بعد اس کی ایم آر آئی ہوئی اور وہ بھی نارمل تھی۔ ایان بولنے کی کوشش کرتا تھا مگر بول نہ پاتا۔ اسے مہنگے اسپتال کے پرائیویٹ روم میں شفٹ کر دیا گیا تھا جہاں اسے بہترین ادویات دی جا رہی تھیں اور انتہائی نگہداشت کی جا رہی تھی مگر ایان کی حالت دن بدن خراب ہوتی جا رہی تھی۔ اب ایان کے جسم میں کوئی حرکت نہیں تھی اور پھر وہ کومے میں چلا گیا تھا۔

ایان کی ماں رخسانہ نے کالج سے چار ماہ کی چھٹیاں لے لی تھیں وہ چوبیس گھنٹے اسپتال میں ایان کے پاس رہتی تھیں۔ ڈاکٹرز ایان کی صحت کے لیے سر توڑ کوشش کر رہے تھے مگر ایان کی حالت جوں کی توں تھی۔ پورا ایک مہینہ ہوگیا تھا

WAQAR AZEEM
www.pakistanipoint.com

ایان کومے کی حالت میں اسپتال کے بیڈ پر پڑا تھا اب تو ڈاکٹرز نے بھی مایوس ہو کر کہہ دیا تھا۔

''دعا کریں۔'' کمال الدین اور اُن کی فیملی دو تین بار ایان کو دیکھنے اسپتال آئے ایان ہڈیوں کا ڈھانچہ بن گیا تھا اس کی حالت کو دیکھتے ہوئے انہوں نے ایان اور عائشہ کی منگنی توڑ دی تھی اور رشتہ ختم کر دیا تھا آج رخسانہ بیگم بیٹے کی حالت دیکھ کر بہت روئیں اور انہیں خدا یاد آیا۔ آج بڑے عرصے کے بعد اس نے ایان کے کمرے میں ہی مصلیٰ ڈالا اور نماز ادا کی نماز کے بعد اپنے بیٹے کی سلامتی اور صحت تندرستی کے لیے اس نے رب کریم کے حضور ہاتھ پھیلا دیے اور رو رو کر اللہ کی بارگاہ میں دعا کرنے لگی۔

آج اسے خدا یاد آیا تھا معاشی طور پر وہ تقریباً کنگال ہو چکے تھے۔ جو جمع پونجی تھی سب خرچ ہو گئی تھی کیونکہ وہ بہت مہنگا اسپتال تھا ایک ماہ کے اندر وہ لاکھوں روپے خرچ کر چکے تھے مگر ایان کی حالت میں کوئی فرق نہ آیا تھا آخر ڈاکٹروں نے جواب دے دیا۔ وہ ایان کو گھر لے آئے۔ ایان کومہ کی حالت میں بیڈ پر پڑا تھا اس کے منہ میں خوراک والی نالی لگی تھی جس کے ذریعے اُسے جوس اور پانی پلایا جاتا۔ ایان کی حالت دیکھ کر رخسانہ بیگم میں کافی تبدیلی آ گئی وہ اب پانچ وقت کی نماز ادا کرتیں اور صدقہ خیرات بھی دیتیں۔

ایک دن خواب میں ایان کو سفید لباس میں ملبوس ایک لڑکی نظر آئی وہ لڑکی کون تھی اُسے کچھ سمجھ نہ آئی مگر اسے ایسا محسوس ہوا کہ وہ لڑکی اپنا ہاتھ ایان کے سر کے بالوں میں پھیر رہی ہے۔ دوسرے دن اسے پھر ایک سفید ہیولا نظر آیا جو اس کے سر کے بالوں میں انگلیاں پھیر رہا تھا۔ اُسے تین چار دن ایسا نظر آتا رہا۔ ایک رات اچانک ایان کی آنکھ کھل گئی اس کی ماں سو رہی تھی کمرے میں زیرو پاور کا بلب آن تھا اُس کے پاس ایک لڑکی کھڑی تھی جو اسے دیکھ کر مسکرا رہی تھی۔ وہ آہستہ آہستہ چلتی ہوئی اس کے قریب آئی اور ایان کے پاس آ کر کھڑی ہو گئی وہ زیر لب کچھ پڑھ رہی تھی۔ پانچ منٹ کے بعد اُس نے ایان کے سارے جسم پر پھونک ماری۔ ایان نہ تو بول سکتا تھا اور نہ ہی حرکت کر سکتا تھا مگر وہ دیکھ رہا تھا۔ اس کا دماغ کام نہیں کر رہا تھا۔ اب ہر رات وہ لڑکی ایان کے کمرے میں آنے لگی وہ آ کر نوافل پڑھتی اور پانی پر دم کر کے وہ پانی ایان کو پلاتی۔

پھر ایان کے سارے بدن پر دم کرتی اُس کے سر کے بالوں میں انگلیاں پھیرتی ایان کچھ بولنے کی کوشش کرتا مگر بول نہ پاتا وہ اپنے جسم کو حرکت دینے کی کوشش کرتا۔ کئی دن یہ سلسلہ چلتا رہا اب ایان کے جسم کو سکون ملنے لگا۔ اس کا ذہن کام کرنے لگا۔ وہ اپنی ساری یادداشت کھو چکا تھا مگر اب آہستہ آہستہ اسے یاد آنے لگا وہ آنکھیں کھول کر خلاؤں میں گھورتا رہتا۔ دن کے وقت وہ سوجاتا مگر جیسے ہی رات ہوتی اور اُس کی ماں سوجاتی تو ایان اپنی آنکھیں کھول دیتا اور ارد گرد دیکھنے لگتا۔ اُسے اُس لڑکی کا بے چینی سے انتظار ہوتا تھوڑی دیر بعد وہ لڑکی آ جاتی۔ اُس لڑکی کی وہی روٹین تھی وہ پہلے نوافل پڑھتی، پھر پانی پر دم کر کے اُسے پلاتی پھر اُس کے سارے جسم پر دم کرتی اور آخر میں اُس کے سر کے بالوں میں انگلیاں پھیرتی۔

آج اُس لڑکی کے ہاتھوں میں ایک بڑی سی تصویر تھی وہ تصویر اُس نے ایان کی آنکھوں کے آگے کی۔ تصویر دیکھ کر ایان کو جھٹکا سا لگا اب اُس کے ہاتھوں کی انگلیوں میں معمولی سی حرکت شروع

www.pakistanipoint.com

ہوگئی اُس کے لب ہل رہے تھے وہ کچھ بولنے کی کوشش کر رہا تھا مگر بول نہیں پا رہا تھا۔تیسری رات ایان کی زبان سے ایک لفظ نکلا اور وہ لفظ تھا عائزہ......

اس کی یادداشت واپس آ گئی اور اس نے وہ تصویر بھی پہچان لی۔وہ تصویر حضرت علی ہجویری داتا گنج بخش کے مزار کی تھی۔مزار کی تصویر دیکھتے ہی ایان کے جسم میں حرکت شروع ہوگئی۔اس نے بازو ہلانے شروع کر دیے اور سر بھی دائیں بائیں ہلانا شروع کر دیا۔ایان نے اُس لڑکی کو پہچان لیا تھا وہ عائزہ تھی اور ایک نرس کے روپ میں تھی۔عائزہ کے لبوں پر مسکان تھی وہ بڑے پیار سے ایان کو دیکھ رہی تھی۔عائزہ نے ایان کا ہاتھ پکڑ لیا اور اس کے ہاتھ کو سہلا رہی تھی۔

عائزہ کے چہرے پر نور تھا طمانیت تھی اور ایک تقدس تھا۔ایان بڑے غور سے عائزہ کو دیکھ رہا تھا اُسے بڑا سکون مل رہا تھا۔عائزہ نے مزار کی بڑی سی تصویر ایان کی آنکھوں کے آگے کی تو وہ غور سے تصویر دیکھنے لگا۔تصویر دیکھتے ہی اُسے فرحت بخش احساس ہوا اُس کے جسم میں حرکت شروع ہوگئی اور وہ اٹھ کر بیٹھ گیا اور تصویر اپنے ہاتھوں میں پکڑ کر چومنے لگا اور سینے سے لگالی۔اگلے لمحے ایان کی آنکھوں سے آنسو جاری ہوگئے اور وہ رونے لگا۔وہ بار بار تصویر چومتا اور سینے سے لگا لیتا۔اب وہ اونچی آواز میں رونے لگا اُس کے رونے کی آواز سن کر اس کی ماں کی آنکھ کھل گئی اور وہ حیرانی سے اپنے بیٹے کی طرف دیکھنے لگی۔اپنے بیٹے کو بیڈ پر بیٹھے دیکھ کر وہ بہت خوش ہوئی۔یہ تو معجزہ ہوگیا تھا ڈاکٹرز نے تو جواب دے دیا تھا۔ایان کی ماں دوڑ کر اپنے بیٹے کے پاس گئی اور اُسے اپنے سینے سے لگالیا۔ایان اپنی ماں کو اشارہ کر رہا تھا کہ اُس کی خوراک والی نالی اُس کی ناک سے نکال دی جائے۔اُس کی ماں نے جھٹ سے اُس کی خوراک والی نالی نکال دی۔ایان دائیں بائیں دیکھ رہا تھا مگر اُسے عائزہ نظر نہیں آ رہی تھی۔اُس کے ہاتھوں میں مزار کی تصویر بھی نہیں تھی۔

روتے روتے اُس کا گلا خشک ہوگیا تھا وہ بہت نقاہت اور کمزوری محسوس کر رہا تھا اُس نے پانی کا گلاس مانگا فوراً اُس کی ماں نے جگ سے ایک گلاس میں پانی ڈالا اور ایان کے ہاتھ میں پکڑا دیا اس نے ایک سانس میں سارا پانی پی لیا اور نڈھال ہو کر بیڈ پر لیٹ گیا۔ایان کی ماں فوراً کمرے سے باہر نکلی اور اس نے سب گھر والوں کو جگایا۔تھوڑی دیر کے بعد ایان کے سب گھر والے اس کے کمرے میں موجود تھے اور ایان کو ہوش میں دیکھ کر خوش ہو رہے تھے۔ایان بہت آہستہ آہستہ بول رہا تھا وہ بہت کمزور ہوگیا تھا۔

ایان کے ابو نے فوراً ڈاکٹر کو کال کی اور اسے بتایا تھوڑی دیر کے بعد وہ ڈاکٹر ان کے گھر میں موجود تھا اور ایان کو چیک کر رہا تھا۔ڈاکٹر نے بتایا۔

''ایان اب بالکل ٹھیک ہے مگر اسے بہت کمزوری ہوگئی ہے۔'' اس نے طاقت کا انجکشن ایان کو لگایا۔اگلا پورا ہفتہ ایان کی بہت نگہداشت کی گئی۔اُسے بکرے کے گوشت کی یخنی، جوس اور پھل کھلائے گئے۔اب ایان کی حالت بہت بہتر تھی مگر پورا ہفتہ عائزہ نہ آئی اسے ہر رات بڑی بے چینی اور بے صبری سے عائزہ کا انتظار رہا مگر وہ نہیں آئی۔وہ بہت بے قرار تھا آخر ایک دن اس نے اپنی ماں سے کہا۔

''اسے شاہ زیب کے گھر جانا ہے۔'' اس کی ماں اُسے شاہ زیب کے گھر لے گئی۔شاہ زیب بڑے پرتپاک انداز میں ایان کو ملا۔جب ان کی نوکرانی ٹی ٹرالی پر چائے اور دیگر لوازمات رکھ کر

WAQAR AZEEM
www.pakistanipoint.com

لائی تو ایان نے پوچھا۔

''عائزہ کدھر ہے؟'' تو شاہ زیب نے اُسے بتایا۔

''عائزہ کی تو شادی ہوگئی ہے اور وہ اپنے خاوند کے ساتھ سوئٹزر لینڈ میں ہے۔ تم لوگوں کو اس کی شادی کا کارڈ بھیجا تھا مگر تمہارے گھر سے کوئی بھی اُس کی شادی کی تقریب میں شامل نہ ہوا تھا۔ ماشاء اللہ وہ اپنے گھر میں بہت خوش ہے۔''

یہ سن کر ایان کو حیرت کا ایک جھٹکا لگا اگر عائزہ سوئٹزر لینڈ میں ہے تو وہ نرس کون تھی؟ وہ ہو بہو عائزہ تھی جس نے نوافل پڑھ کے اور دم کر کے اُسے ٹھیک کیا تھا مگر اُس کا بھائی کہہ رہا ہے کہ وہ سوئٹزر لینڈ میں ہے۔ یہ کیا معاملہ ہے۔ ایان بولا۔

''نہیں یار تم جھوٹ بول رہے ہو عائزہ گھر میں ہی ہے تم اُسے بلاؤ۔'' شاہ زیب اُس کی یہ بات سن کر حیران رہ گیا اور کہنے لگا۔

''دیکھو ایان مجھے کیا ضرورت ہے جھوٹ بولنے کی۔'' وہ ڈرائنگ روم سے اٹھ کر اندر گیا اور عائزہ کی شادی کی تصویروں والا البم اٹھا لایا اور لا کر ایان کے آگے رکھ دیا۔ ایان البم کا ایک ایک ورق پلٹ رہا تھا جس میں عائزہ دلہن بنی بیٹھی تھی۔ ایان یہ سب دیکھ کر گم صم ہوگیا۔ یہ کیا معمہ تھا وہ حیران تھا یکلخت اُس کی نظر ڈرائنگ روم میں لگی حضرت علی ہجویری داتا گنج بخش کے مزار کی تصویر پر پڑی۔ یہی تو وہ تصویر تھی جسے عائزہ اُسے دکھائی تھی اور یہ تصویر دیکھ کر ہی تو وہ ٹھیک ہوا تھا۔ اس نے شاہ زیب سے اُس تصویر کی بابت پوچھا تو شاہ زیب نے اُسے بتایا۔

''یہ بہت بڑے اللہ والے اور اللہ کے بزرگ حضرت علی ہجویری داتا گنج بخش رحمتہ اللہ علیہ کے مزار کی تصویر ہے۔'' ایان نے پوچھا۔

''ان کا مزار کدھر ہے؟'' تو شاہ زیب نے بتایا۔

''اسی شہر لاہور میں ان کا مزار ہے۔'' یہ سن کر ایان خاموش ہوگیا۔ تھوڑی دیر کے بعد وہ اپنی ماں کے ساتھ گھر آ گیا۔ مگر اُسے ایک پل بھی سکون نہیں مل رہا تھا اُس نے وہ ساری رات جاگ کر گزاری اُسے عائزہ کا انتظار تھا وہ دبے لفظوں میں عائزہ کو آوازیں دیتا رہا۔ صبح ہوگئی مگر عائزہ نہ آئی۔ اس کی نظروں میں عائزہ اور مزار کی تصویریں تھیں وہ بہت بے چین تھا اُسے ایک پل سکون اور قرار نہیں مل رہا تھا۔ دوپہر بارہ بجے تک اس نے بڑی بے تابی سے وقت گزارا۔ اس کی آنکھوں کے آگے حضرت علی ہجویری داتا گنج بخش کے مزار کی تصویر آ رہی تھی۔ بالآخر اس نے اپنی ماں سے کہا کہ اسے داتا گنج بخش کے مزار پر جانا ہے۔ آج پہلی بار وہ اور اس کی ماں مزار پر آئے تھے۔ وضو کر کے جونہی وہ مزار کے احاطے میں پہنچے ظہر کی نماز کا وقت ہوگیا لوگ جوق در جوق نماز کی ادائیگی کے لیے صفیں بنا رہے تھے۔ ایک انجانی سی طاقت نے اُسے کھینچ کر ایک صف میں کھڑا کر دیا۔ اس نے نماز کی نیت کی اللہ اکبر کہہ کر ہاتھ باندھ لیے۔ اس کی بے چینی ختم ہوگئی تھی۔ اُسے نماز میں بہت لذت مل رہی تھی وہ بڑے خشوع وخضوع سے نماز ادا کر رہا تھا وہ جیسے ہی اللہ کی بارگاہ میں سربسجود ہوا اُسے ایسے لگا رب کی رحمت نے اُسے چاروں طرف سے ڈھانپ لیا ہے۔

اس نے نماز ختم کی اور حضرت علی ہجویری داتا گنج بخش کی قبر مبارک پر حاضری دی ان کے قدموں کے قریب کھڑے ہو کر جیسے ہی اس نے

WAQAR AZEEM
www.pakistanipoint.com

دعا کے لیے ہاتھ اٹھائے اُس کی آنکھیں برسات کی طرح برسنے لگیں۔ وہ زار و قطار ہونے لگا۔ جوں جوں اس کی آنکھوں سے آنسو نکل رہے تھے اس کا من ہلکا ہوتا جا رہا تھا۔ اُسے سکون اور قرار مل رہا تھا۔ اُس نے سب سے پہلے اپنے گناہوں کی معافی مانگی توبہ کی اُس کی آنکھیں زار زار برس رہی تھیں۔ وہ کافی دیر ہاتھ اٹھائے کھڑا رہا دعا مانگتا رہا اور روتا رہا اتنے میں مزار کے خادم نے گلاب کے پھولوں کا ایک ہار اُس کے گلے میں ڈال دیا۔

پھولوں کی خوشبو سے اس کا من مہک اٹھا وہ بہت فرحت محسوس کر رہا تھا اور بے اختیار اپنی ماں کا ہاتھ پکڑ کر لنگر خانے چلا گیا۔ جہاں ماں بیٹے نے کھانا کھایا۔ ایان کی ماں بڑی حیرانگی سے اپنے بیٹے کو دیکھ رہی تھی۔ جیسے ہی وہ لنگر خانے سے باہر نکلے تو اس کی نظر ایک بہت ہی نورانی چہرے والے بزرگ پر پڑی وہ آنکھیں بند کیے اللہ ہو کا ورد کر رہے تھے۔ ایان آہستہ آہستہ ان کی طرف بڑھ رہا تھا جیسے ہی وہ ان کے قریب پہنچا انہوں نے آنکھیں کھول دیں اور ایان کی طرف دیکھنے لگے۔ ایان نے انہیں سلام کیا انہوں نے سلام کا جواب دیا۔ اور اپنی بانہیں کھول دیں۔ اگلے لمحے ایان ان کے گلے لگ گیا۔ وہ کچھ بولنا چاہتا تھا مگر انہوں نے روک دیا اور کہنے لگا۔

''بیٹا ہم تمہارے دل کا حال جانتے ہیں کچھ کہنے کی ضرورت نہیں ہے۔ اب آپ گھر جاؤ اور کل عصر کے وقت یہاں آنا۔ عصر کی نماز ہم اکٹھے ادا کریں گے اور ہاں آج کے بعد کبھی نماز نہ چھوڑنا بس اب آپ جاؤ۔'' ایان ان بزرگ سے رخصت ہو کر اپنی ماں کے ہمراہ اپنی کار کی طرف جا رہا تھا اُسے چند بھکاری نظر آئے ایان نے اپنی جیب کے سارے پیسے نکالے اور ان میں برابر بانٹ دیے وہ آگے بڑھا اور کار میں بیٹھ گیا۔ اُس کی ماں حیران و پریشان یہ سارا ماجرا دیکھتی رہی۔

گھر آ کر ایان اپنے کمرے میں بند ہو گیا۔ اس کی آنکھوں کے سامنے عائزہ تھی وہ جتنا اُسے بھلانے کی کوشش کرتا وہ اتنی ہی شدت سے اُسے یاد آتی۔ وہ ایک لمحے کے لیے بھی اُس کی یاد سے غافل نہ ہوا۔ عصر، مغرب اور عشاء کی نمازیں اُس نے گھر میں ادا کیں نمازوں کی ادائیگی میں اُسے بہت لطف اور سکون ملا۔ مگر عائزہ اس کے اعصاب پر سوار تھی۔

اُسے ہر طرف عائزہ نظر آتی تھی۔ اگلے دن وہ عصر سے پہلے حضرت علی ہجویری کے مزار پر گیا۔ وہ بزرگ اُسے وہیں پر مل گئے ان بزرگ نے ایان کے ساتھ عصر کی نماز باجماعت ادا کی۔ نماز کے بعد وہ مزار کی ایک جانب بیٹھ گئے۔ آہستہ آہستہ اور لوگ بھی وہاں آنا شروع ہو گئے اور تھوڑی دیر میں وہاں خاصا مجمع لگ گیا۔ بزرگ ایان سے کہنے لگے۔

''آج جمعرات ہے اور اب یہاں محفل سماع ہو گی۔'' اتنے میں قوالی گانے والے بھی آ گئے۔ تھوڑی دیر بعد قوال نے ایک قوالی گانی شروع کر دی ایان کی آنکھوں کے سامنے عائزہ تھی۔ اب تو حالت یہ تھی کہ رات کو آخری سوچ اور صبح کی پہلی کرن جاگتے ہی عائزہ ہوتی۔ ایان عائزہ کی محبت میں پور پور ڈوب چکا تھا۔ عائزہ اب اس کی روح تھی زندگی تھی اس کا سب کچھ تھی۔

عائزہ کی محبت اب اس کا عشق تھی۔ جنون تھی وہ عائزہ کو پانا چاہتا تھا کیونکہ وہ عائزہ کے عشق میں جل رہا تھا مگر عائزہ اس سے ہزاروں میل دور اپنے گھر

WADAN AZEEM www.pakistanipoint.com

میں خوش وخرم زندگی گزار رہی تھی۔ وہ عائزہ کی یاد میں تڑپ رہا تھا بہت بے قرار تھا اُسے کسی پل سکون نہیں مل رہا تھا۔ قوال نے جب قوالی گانی شروع کی تو ایان کی توجہ اس کے اشعار کی طرف تھی۔

وہ زار و قطار رونے لگا اور دائیں بائیں جھولنے لگا وہ وجد میں آ گیا اور اپنی جگہ سے کھڑا ہو گیا اُس کی زبان سے اللہ ہو اللہ ہو کا ورد جاری ہو گیا اور وہ ناچنے لگا۔ وہ دنیا و مافیہا سے بے نیاز گول گول چکر لگانے لگا۔ قوالی کب کی ختم ہو چکی تھی۔ مگر وہ بے سدھ مزار کے احاطے میں زمین پر لیٹا تھا۔ وہ بزرگ بھی اُس کے پاس بیٹھے تھے انہوں نے اپنا ہاتھ اُس کے سر کے بالوں میں پھیرنا شروع کیا تو ایان کو ایسے لگا جیسے تپتے صحرا سے نکل کر وہ پھولوں کے کسی باغ میں آ گیا ہے۔ اُس نے آنکھیں کھولیں تو اُسے ان بزرگ کا چہرہ نظر آیا جن کے لبوں پر مسکراہٹ تھی۔

وہ غور سے ان کے چہرے کو دیکھنے لگا۔ رات کے دس بج گئے تھے اتنی دیر میں ایان کے ماں باپ اُسے ڈھونڈتے ہوئے مزار پر آ گئے۔ ایان کی ماں نے جب اُسے اس حالت میں دیکھا تو اس کا کلیجہ چھلنی ہو گیا وہ دوڑ کر اپنے بیٹے کے پاس آئی اور بولی۔

''میرا بیٹا.....'' اس نے ایان کو اپنے سینے سے لگانا چاہا مگر ایان نے روک دیا اور بولا۔

''بی بی کون ایان؟'' اس کی ماں بولی۔

''بیٹا تم ایان اور کون؟'' وہ بولا۔

''نہیں بی بی یہ تو خاک کا پتلا ہے مٹی کا ڈھیر ہے۔'' اُس کی ماں بولی۔

''آؤ بیٹا گھر چلیں۔'' وہ سرخ آنکھوں سے اپنی ماں کو گھورنے لگا اور بولا۔

''کس کا گھر؟'' اس کی ماں نے کہا۔

''بیٹا تمہارا گھر۔'' وہ کہنے لگا۔

''میرا کوئی گھر نہیں ہے مجھے کہیں نہیں جانا۔ میرا گھر اب یہی ہے' جا بی بی چلی جا لوٹ جا مجھے اب کہیں نہیں جانا۔'' اتنی دیر میں اُس کے والد آگے بڑھے اور بڑے پیار سے بولے۔

''ایان بیٹا یہ کیسی بہکی بہکی باتیں کر رہے ہو ہوش میں آؤ اور اٹھو ہمارے ساتھ چلو۔'' یہ سن کر وہ ہنسنے لگا اور کہنے لگا۔

''اُس گھر میں چلوں جہاں آپ کا کوئی غریب رشتہ دار داخل نہیں ہو سکتا۔ آپ کو تو اپنے غریب رشتہ داروں سے نفرت ہے آپ انہیں ملنا پسند نہیں کرتے وہاں چلوں؟ جہاں نہ کوئی نماز پڑھتا ہے نہ قرآن پاک کی تلاوت کرتا ہے جہاں کبھی کسی نے روزہ نہیں رکھا کبھی صدقہ خیرات نہیں کی۔ آپ سب اپنے اپنے تکبر کے خول میں بند ہیں۔ میرا گھر تو اب یہ ہے جہاں چوبیس گھنٹے خدا کی مخلوق آتی ہے۔ یہاں نہ کوئی امیر ہے نہ غریب' نہ کوئی بڑا اور نہ کوئی چھوٹا' یہاں سب ایک ہیں۔ پلیز آپ چلے جائیں میں اب وہاں کبھی نہیں جاؤں گا۔'' اتنا کہہ کر وہ اللہ ہو اللہ ہو کا ورد کرنے لگا اور وہاں سے حضرت علی ہجویری داتا گنج بخش رحمتہ اللہ علیہ کی قبر مبارک کے قدموں میں بیٹھ گیا۔ اُن بزرگوں نے ایان کے ماں باپ کو سمجھایا۔

''ایان اب اللہ والا ہو گیا ہے اُس نے عشق حقیقی کی منزل پا لی ہے۔ بس کبھی کبھی آ کر اسے یہاں مل لیا کریں اور ہاں پانچ وقت کی نماز ادا کریں ماہ رمضان کے روزے رکھیں کثرت سے صدقہ خیرات کریں اور اپنے غریب رشتہ داروں سے میل جول بڑھائیں' انسانیت کی قدر کریں۔ انسانیت کا احترام کریں آخر ایک دن ہم سب نے یہ دنیا چھوڑ جانی ہے۔'' اتنا کہہ کر وہ بزرگ آگے بڑھ گئے۔

❑❑.....❁.....❑❑

WAQAR AZEEM
www.pakistanipoint.com

(آج کا مصنف)

سادہ و مہذب مزاح نگار

محمد اسلام

شگفتہ شفیق

محمد اسلام صاحب سے میرا تعلق بہت پرانا نہیں ہے لیکن اب ایسا ہے کہ اُن سے بھائیوں جیسا دوستانہ ہے۔ بے حد پڑھے لکھے شائستہ مہذب سادہ وشگفتہ مزاج ہیں اور یہ میری خوش نصیبی ہے کہ اسلام بھائی کے ساتھ ساتھ ارم بھابی کے ساتھ بھی میرے بہت محبت بھرے تعلقات ہیں۔

محمد اسلام 1985 سے نیوز پیپر گروپ کراچی سے وابستہ ہیں اور بنیادی طور پر اخبار میں ایک اعلیٰ عہدے پر ہیں جس میں اہم ذمہ داریاں نبھاتے ہیں۔ پہلے سیاست پر لکھتے تھے اور بہت لکھا پھر ایک دوست نے چیلنج کیا کہ یہ تو آسان ہے لکھنا۔ مزاح لکھنا ایک مشکل کام ہے وہ لکھ کر دکھاؤ۔ یہ چیلنج انہوں نے ایسا قبول کیا کہ اب اُن کی مزاح پر چار کتابیں پبلش ہو کر دھوم مچا چکی ہیں اور اُن کتابوں کے کئی کئی ایڈیشنز شائع ہوئے ہیں جو اِس بات کا بین ثبوت ہیں کہ لوگ محمد اسلام کی تحریریں بے حد شوق سے پڑھتے اور محظوظ ہوتے ہیں اِن کی دلچسپ کتابوں کے نام درج ذیل ہیں۔

چار لیمنٹ ہاؤس.....۱۹۹۷

عین غین.....۲۰۱۵

مزاح صغیرہ و مزاح کبیرہ.....۲۰۱۸ مختصر اور طویل کہانیاں

یوٹرن کریسی.....۲۰۱۹

ملک کی جامعات میں اُن پر تھیسز اور ایم فل کے مکالمے لکھے گئے ہیں جن میں ۲۰۱۶ میں جناح یونیورسٹی اور بہاؤالدین زکریا یونیورسٹی ملتان قابلِ ذکر ہیں۔

بات یہ ہے کہ محمد اسلام ایک ادبی گھرانے سے تعلق رکھتے ہیں اُن کے نانا حضرت فدا دہلوی صاحب کا شمار اساتذہ میں ہوتا تھا جن کے ہونہار شاگرد آفتاب مضطر ہیں جن کی دو نمایاں خصوصیات ہیں ایک تو انہوں نے علم عروض میں پی ایچ ڈی کیا ہے جو کہ ایک ریکارڈ ہے اور دوسرے اُن کی انتہائی خوبصورت شاعری ہے جس کی مثال اُن کی شہرہ آفاق غزل ہے کہ

ساحل پہ کھڑے ہو تمہیں کیا غم چلے جانا

MAQAR AZEEM www.pakistanipoint.com

میں ڈوب رہا ہوں ابھی ڈوبا نہیں ہوں

تو یوں محمد اسلام کا لکھنے پڑھنے کا شوق بھی خاندانی ٹھہرا۔ لیکن اہم بات یہ ہے کہ انہیں بہت مختصر عرصے میں بھرپور پذیرائی ملی ہے یہ واقعی ایک بڑی بات ہے جس میں اللہ کا فضل اُن کے ساتھ ہے۔

اُن کی کتاب یوٹرن کریسی جب میں نے پڑھی تو لگا کہ محمد اسلام ایک بے ساختہ سچے اور شاندار مزاح نگار ہیں جن کے موضوعات کا دائرہ بہت وسیع ہے وہ مختلف موضوعات پر لکھتے ہیں۔ لوگوں کے منافقانہ رویوں پر پڑے پردے اپنے مشاہدے کی گہرائی سے ہٹاتے ہیں جس موضوع پر بھی لکھتے ہیں اس کا انداز اُن کی تحریروں میں نمایاں رہتا ہے۔ محمد اسلام کے ہاں قاری کی دلچسپی مضمون کے شروع سے لے کر آخر تک برقرار رہتی ہے اُن کی تحریر میں شگفتگی سادگی اور بے تکلفی پائی جاتی ہے لیکن پھکڑ پن سے وہ بہت دور ہیں وہ شائستگی کے ساتھ مزاح لکھتے ہیں جس میں تکلف و بناوٹ نہیں ہوتی البتہ ایک ربط ضرور محسوس ہوتا ہے۔ مجھے لگتا ہے کہ محمد اسلام اپنے گردوپیش کے واقعات و حادثات نیز لوگوں کی عادات ورویوں کا بغور جائزہ لیتے ہیں۔ گہرا مشاہدہ رکھتے ہیں اُن کی زبان سادہ اور عام فہم ہے وہ اطمینان سے پرلطف جملے ایسے لکھتے جاتے ہیں کہ

حقیقتاً حق ادا کردیتے ہیں۔ ان کی طرح سچا بے لاگ اور بے ساختہ مزاح لکھنا آسان کام نہیں ہے۔ بات کو بے حد سلیقے سے لکھنے کے عادی ہیں اُن کے ہاں کسی کی تضحیک نہیں کی جاتی۔ البتہ طنز کے نرم نشتروں سے وہ کام لیتے ہیں طنز کو مزاح میں لپیٹ کے لکھنا محمد اسلام کا خاصا ہے۔ اُن کے مضامین کو بار بار پڑھنے پر ہر بار نئے معنی دریافت ہوتے ہیں۔ محمد اسلام بڑی سے بڑی تلخ حقیقت کو بھی نہایت سلجھے انداز میں پیش کرتے ہیں اور یہ ہی پُرکشش پڑھنے والے حیرت و مسرت سے مسکرائے بغیر رہ ہی نہیں سکتے ہیں۔

اُن کی دلچسپ کتاب یوٹرن کریسی سے کچھ خوبصورت فقرے

یوٹرن لینے والوں کی حکومت۔ یوٹرن لینے والوں کے ذریعے۔ یوٹرن والوں کے لیے۔

یوٹرن کریسی کی ایک خوبی یہ بھی ہے کہ اِس میں قائدین ایسے ایسے خوش کن دعوے کرتے ہیں کہ عوام حیران رہ جاتے ہیں اور وہ انہیں عالمِ حیرت میں

چھوڑ کر کسی بھی وقت یوٹرن لے لیتے ہیں۔ ۲۱ صدی میں یوٹرن کا آغاز پاکستان سے ہوا۔

بک بمقابلہ فیس بک کے چند فقرے

بعض ان پڑھ بھی مسرت بھرے لہجے میں کتاب کی اشاعت پر مصنف کو مبارک باد دیتے ہیں اور تقاضا کرتے ہیں کہ بھئی آپ نے ہمیں کتاب نہیں دی

دیکھئے کتاب سے کسی کا تعلق رہے یا نہیں رہے لیکن کتاب اور ردی والے کا تعلق اٹوٹ ہے جو کل بھی تھا اور آج بھی ہے۔ دراصل ردی کی دکان ہی اب کتابوں کا قبرستان بن گئی ہے۔ کتب بینی کا رجحان کم ہو گیا ہے۔ لیکن اب آخری بات یہ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ آپ نے سنا ہوگا کہ محبت مر نہیں سکتی یقین کیجئے جس طرح محبت نہیں مر سکتی اُسی طرح کتاب بھی نہیں مر سکتی۔

دوسری بیوی

بیوی پہلی ہو یا دوسری اِس سے کچھ پوشیدہ نہیں رہتا یہ اور بات ہے کہ بعض اوقات پہلی بیوی دوسری بیوی کی موجودگی سے تا خبر سے آگاہ ہوتی ہے۔

پہلی شادی میں پانچ سو اور دوسری شادی میں صرف پانچ افراد کی شرکت کیا یہ کھلا تضاد نہیں ہے۔ اگر کسی کی دوسری شادی جائز عمل ہے تو پہلی بیوی اور اُس کے بچے کو فرسٹ سٹیزن کا درجہ حاصل کیوں ہوتا ہے؟ اگرچہ پہلی بیوی فطرتاً شیر اور دوسری بیوی فطرتاً بکری ہوتی ہے لیکن کوئی غلط فہمی میں نہ رہے اُسے بھی شیر بنے میں دیر نہیں لگتی اور بعض اوقات وہ ایسی فاسٹ بولنگ کرتی ہے کہ چند اوورز میں کئی وکٹ گرا دیتی ہے۔

واہ واہ بہت خوب کیا کہنے

جس طرح بچوں کو چاکلیٹ پسند ہوتی ہے اُسی طرح شاعروں کو داد و تحسین پسند ہوتی ہے۔ جی ہاں شاعر بنگلہ گاڑی ہیرے جواہرات نہیں مانگتا بس صرف بیچارہ داد و تحسین کا طلب گار ہوتا ہے لیکن وہ بھی اُسے مقدر بھر نصیب نہیں ہوتی۔

اِس مضمون میں بعض شعراء کے داد لینے کے کچھ ضمنی اقدامات کا ذکر بے حد پر لطف انداز میں کیا گیا ہے

1) لٹیرے کئی قسم کے ہوتے ہیں۔ آپ مشاعرہ لوٹنے والے شعراء کو بھی لیٹرا تصور کر سکتے ہیں۔ ایسے لیٹرے مشاعرے میں تنہا تشریف نہیں لاتے بلکہ اپنے پورے گروہ کے ساتھ آدھمکتے ہیں اور سب مل کر لوٹ مار کا بازار گرم کر دیتے ہیں۔

2) کارل مارکس نے جس طبقاتی کشمکش کا ذکر کیا تھا اس کے اثرات ہمیں مشاعروں میں دکھائی دیتے ہیں۔ جو شعراء دولت مند ہوتے ہیں، ان کے چمچے بھی بہت ہوتے ہیں جو اتنی بے رحمی سے داد دیتے ہیں کہ سامعین دانتوں میں انگلیاں ڈال لیتے ہیں۔

3) بڑے شعراء کا معاملہ بھی دولت مند شعراء سے ملتا جلتا ہے بڑے شعراء کی بڑی بڑی لابیاں ہوتی ہیں جو ان کے ساتھ مشاعروں میں موجود ہوتی ہیں اور وہ داد و تحسین کے ڈنکے بجاتی رہتی ہیں۔

4) بعض شاعر مشاعرے میں آنے سے پہلے معاہدہ کر کے آتے ہیں ان کا معاملہ اس محاورے کے مصداق ہوتا ہے کہ۔۔ تو میرا حاجی بگویم میں تیرا حاجی بگویم ۔۔ یعنی ستائش باہمی کے اصول پر وہ ایک دوسرے کو داد دیتے ہیں۔

شجر کاری.....ڈومور

درخت پر محبوب کا نام لکھنے کی بجائے محبوب کے نام کا درخت لگانا چاہیے۔ اگر آپ کے دو محبوب ہیں تو دو درخت لگائیں تین یا چار ہیں تو تین یا چار درخت لگائیں اور اگر آپ آوارہ مزاج ہیں تو آپ کو پورا جنگل لگانا چاہیئے۔

خاکہ نگاری

ANWAR AZEEM
www.pakistanipoint.com

یوٹرن کریسی میں پانچ خاکے بھی شامل ہیں خاکہ جب لکھا جاتا ہے تو اِس طرح کا بیان ہوتا ہے کہ اُس شخصیت کے نمایاں پہلوؤں کو سوفٹ انداز تحریر میں لکھا جاتا ہے تا کہ ایک پرلطف خاکہ وجود میں آسکے۔ شگفتہ خاکہ نگاری کے ضمن میں یہ بات بھی کہی جاتی ہے کہ یہ ایک مشکل کام ہے کیونکہ اِس کے لیے بڑے مشاہدے کے ساتھ ساتھ خدوخال کو بھی تراشنے خراشنے پر دسترس ہو۔

اپنی کتاب یوٹرن کریسی میں محمد اسلام نے ٹھیک لکھا ہے کہ فکاہیہ خاکہ نگاری آسان کام نہیں ہے۔ یہ صنف پوری توجہ بھرپور معلومات اور محنت شاقہ کی عکاس ہوتی ہے تا کہ جس شخصیت کا خاکہ لکھا جارہا ہو اُس کی تضحیک بھی نہ ہو اور نہ ہی قصیدہ گوئی کا الزام لگے۔ تو یہاں محمد اسلام نے بے حد ہوشیاری و شائستگی کے ساتھ مزاح کے فن میں خاکہ نگاری کو برتا ہے۔ اُن کے زور بیان میں اُن کی ذہانت جھلکتی ہے جس سے انوکھا لطف محسوس ہوتا ہے کہ اگر خاکے میں صرف خوبیوں کا ذکر کیا جائے تو وہ مدح نگاری یا قصدہ بن جاتا ہے اور اگر صرف مذاق اڑایا جائے تو الزام لگانے کے الزامات مل جاتے ہیں کیونکہ اُس صورت میں شخصیت کا صرف تاریک پہلو ہمارے سامنے آتا ہے اس طرح جو خاکہ بنے گا وہ ناقص ہوگا یہ یوٹرن کریسی کے پانچ دلچسپ خاکے اور پرلطف مضامین نے ثابت کر دیا ہے۔

1) اکبرالہ آبادی، مشرقیت کا دلدادہ

2) ابن انشا۔ مزاح کا شہ سوار

3) ڈاکٹر ایس ایم معین قریشی ۔۔سلور جوبلی ادیب

4) عنبرین حسیب عنبر......تم بھی ناں

زیب اذکار حسین......افسانے کا سائنس دان

زیب اذکار حسین کے خاکے سے چند فقرے پیش خدمت ہیں۔

لمبوترا چہرہ مگر اتنا بھی نہیں کہ دلکش نہ لگے بال سیدھے سادھے جیسا کہ موصوف کی اپنی طبیعت بھی ہے کشادہ پیشانی جس کی سرحدیں دور دور تک پھیلی ہوئی ہیں کان بڑے تا کہ ہر بات غور سے سننے میں آسانی ہو رنگت سانولی مگر پر کشش۔ جسم متناسب نہ پیٹ باہر نہ اندر۔ یوں مسٹر دہلوی کے بقول موٹاپا کوئی اچھی چیز نہیں۔

ہر شخص کو ہوتا ہے برا ہائے موٹاپا
دشمن کو بھی اللہ نہ دکھائے موٹاپا

اندازِ گفتگو فلسفیانہ، بلکہ آپ کہہ سکتے ہیں کہ انداز گفتگو اور ذہنی کیفیت پروفیسروں سے ملتی جلتی ہے یہ ہیں میرے عزیز دوست سینئر صحافی معروف افسانہ نگار اور شاعر زیب اذکار حسین۔

زیب اذکار حسین کے افسانوں کی ایک خاص بات یہ ہے کہ وہ کرداروں کو خود پر طاری کر لیتے ہیں اور ان سے خود کلامی کرتے دکھائی دیتے ہیں، عصر حاضر میں ہمیں جون ایلیا کی شاعری اور زیب اذکار حسین کے افسانوں میں خود کلامی نظر آتی ہے۔ انہوں نے اپنے افسانوں میں اتنے تجربات کیے جتنے کوئی سائنس دان اپنی لیب میں کرتا ہے۔ آپ یوں سمجھ لیں کہ وہ افسانوں کا سائنس دان ہے اور اپنی افسانوی لیب میں نت نئے تجربات کر کے مسرت محسوس کرتا ہے۔

اردو ادب میں طنزیہ و مزاحیہ لکھنے والوں میں محمد اسلام کا نام نمایاں ہے جنہوں نے اردو ادب کو شاندار کتابوں سے نوازا ہے میں محمد اسلام صاحب کو اتنی کامیاب بھرپور اور منفرد کتاب پر دلی مبارک باد پیش کرتی ہوں اور ساتھ ہی آنے والی کتاب سرگوشیاں پر ایڈوانس مبارک باد۔ اللہ کرے زور قلم اور زیادہ......

WAQAR AZEEM www.pakistanipoint.com

عجمی کا مطالعہ قرآن

تبصرہ نگار: مجید احمد جائی

وا رہے جنون عشق خدا بھی نہ بچ سکا
تفسیر حسن یار کو قرآن کہہ دیا

آپ کا لیٹنا قرآن، آپ کی شب بیداری قرآن، آپ کا اکیلے رب کو یاد کرنا قرآن، آپ کا دن میں کام کرنا قرآن، آپ کی مصروفیات قرآن، آپ کا دُشمنوں سے حسن سلوک قرآن اور پھر آپ کو دُکھ دینے والے ابولہب پر یا اللہ تیرا غضب اور اس بدبخت کا انجام بھی قرآن بن گیا۔ تیرے پیارے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شان میں گستاخی کرنے والا آپ کا بدخواہ اور آپ کو اذیتیں دینے والا ابولہب جس کا نام لے کر قرآن میں اس پر پھٹکار بھیجی گئی۔ اُس کی زبان سے اسے جواب دیا گیا

-

یہ اقتباس ''عجمی کا مطالعہ قرآن'' سے لیا گیا ہے۔ جس کے مصنف ڈاکٹر اے آر خالد ہیں۔ ڈاکٹر اے آر خالد کے بارے میں تفصیلی تعارف اِس کتاب کے بیک فلاپ پر موجود ہے۔ شخصی حوالے سے آپ ڈاکٹر اے آر خالد سے متاثر ہوں یا نہ ہوں لیکن اگر آپ نے ''عجمی کا مطالعہ قرآن'' لفظ بہ لفظ پڑھ لی تو آپ متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتے۔ یہ، عقل جو محدود ہے، سوچنے سمجھنے اور فکر و افکار کے در ضرور وا کرے گی۔

''عجمی کا مطالعہ قرآن'' کا انداز اسلوب اور مزاج کو جاننے کے لیے یہ اقتباس ہی کافی ہے۔ یا اللہ! میرے ملک کی غالب اکثریت تو اُردو پڑھ نہیں سکتی۔ انگریزی اور عربی اُسے آتی نہیں۔ کیا وہ تیری رحمت سے مایوس ہو جائیں؟۔ خود کو مولوی صاحب کے مطابق اسلام سے خارج کر لیں۔ یا اللہ! کس کا ترجمہ پڑھیں۔ اُن کا جو بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کے ترجمہ پر متفق نہیں۔

''عجمی کا مطالعہ قرآن'' پڑھنے کے بعد قاری ڈاکٹر اے آر خالد کے وسعت مطالعہ اور تحقیق کی گواہی ضرور دے گا۔ یہ اقتباس پڑھنے سے بھی آپ حتمی فیصلہ کر سکتے ہیں۔ ''جتنے اُردو ترجموں کو دیکھیں وہاں ضالاً کا مطلب بھٹکا ہوا، گم کردہ راہ، بے خبر، راہ بھولا وغیرہ لیا گیا ہے۔ ترجمہ کرنے والوں نے یہ تک نہیں سوچا کہ کس کے بارے میں کہہ رہے ہیں۔ کسی بے راہ کو راہنما بنانے یا راہ دِکھانے کا ٹاسک دینے والے کا تو اپنا فیصلہ درست نہیں ہوتا۔ یا اللہ! یہ تیرے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی توہین کے مرتکب ہو رہے ہیں یا تیری خدائی میں کیڑے نکال رہے ہیں۔''

''عجمی کا مطالعہ قرآن'' اِسی طرح کے در وا کرتی کتاب ہے۔ ڈاکٹر اے آر خالد نے کئی مترجم کے

WAQAR AZEEM
www.pakistanipoint.com

حوالے دیئے ہیں اور ان پر تحقیقی بات بھی کی ہے ۔اس کتاب میں سورتوں کے حوالے، آیات نمبر عربی اور ترجمہ کے ساتھ وضاحتیں کی گئی ہیں ۔کہیں کہیں احادیث کے حوالے بھی ہیں ۔اس کتاب کا اسلوب سادہ اور عام فہم ہے ۔کند سے کند ذہن بھی آسانی سے پڑھ اور سمجھ سکتا ہے ۔ڈاکٹر اے آر خالد پوری کتا ب میں اللہ تعالیٰ سے ہم کلام ہیں ۔پوری کتاب اسی انداز میں لکھی گئی ہے ۔مصنف اپنے پیدا کرنے والے رب سے مخاطب ہیں ۔اللہ تعالیٰ سے سوالات کر رہے ہیں ۔دلائل دیئے جا رہے ہیں ۔اپنی کم علمی، لاعلمی پر نادم بھی ہیں ۔

''عجمی کا مطالعہ قرآن'' 150 صفحات پر مشتمل ،سفید اور اچھے کاغذ پر شائع کی گئی ہے ۔قلم فاؤنڈیشن کے روح رواں علامہ عبدالستار نے خاص اہتمام سے شائع کی ہے ۔اس کی بائنڈنگ کمال کی ہے اور اس کا انتساب کچھ یوں ہے ''اپنی تیسری نسل محمد عمر راشد، محمد علی راشد ،محمد ارحم مصطفیٰ، فاطمہ عدنان ،زینب عدنان ،راحمہ مصطفیٰ اور راحمین مصطفیٰ کے نام، جن کے والدین اپنے بچوں کی دُنیاوی تعلیم کے ساتھ دینی تعلیم اور اخلاقی تربیت کر رہے ہیں جو میرے اور میری اہلیہ کے لیے بے پناہ طمانیت اور شکر گزاری کا موجب ہے ۔

''عجمی کا مطالعہ قرآن'' کا مطالعہ کرتے ہوئے اس کا مزاج شاید آپ کو خشک لگے لیکن اگر آپ اللہ تعالیٰ اور اس کے پیارے حبیب اور قرآن کے بارے میں جاننے کی جستجو رکھتے ہیں تو اس میں خزانے ہی خزانے ملتے ہیں ۔اس کتاب کے مطالعہ سے آپ نہ صرف خود کو بدل سکتے ہیں بلکہ اپنے معاشرے کے بگاڑ میں تبدیلی لا سکتے ہیں ۔ڈاکٹر اے آر خالد کی دعا کے ساتھ ہم بھی بدست دعا ہیں ۔

یا اللہ! اپنے پیارے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے رسوا نہ کرنا ۔ہم رسوا ہوئے تو تیرے پیارے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دُکھ ہوگا ۔یقیناً تو اُنہیں دُکھی نہیں دیکھ سکتا ۔اے اللہ مجھے معاف کر دے، میرے گناہوں کو نیکیوں میں بدل دے ۔مجھ کو اپنی حتمی رحمت سے نواز دے ۔مجھے حکمت عطا کر جو خیر کثیر ہے ۔اے اللہ! میرے ماں باپ کو بخش دے ۔اے اللہ میرے ملک پر رحم فرما ۔یا اللہ! جھوٹے ہیں، بے عمل ہیں مگر تیرے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اُمتی ہیں تو اپنے پیارے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ساری اُمت پر رحم فرما ۔سب کی بخشش کا فیصلہ صادر فرما دے ۔اے اللہ! میں نے تیرے کعبے میں کھڑے ہو کر اپنے سارے دُشمنوں کو معاف کر دیا ہے ۔اے اللہ! ہم تو تیرے بندے ہیں ،گنہگار اور خطا کار سہی ہمارا تیرے علاوہ کوئی سہارا نہیں ،تیرا سہارا بڑا سہارا ہے ۔اکلوتا سہارا قابل بھروسہ سہارا۔فطری سہارا۔اے بے سہاروں کو سہارا دینے والے محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے رب ہمیں آج تیرے سہارے کی شدت سے طلب ہے ۔ہمارے اعمال و افعال کو نظر انداز کر کے اپنی رحمت کا سہارا دے دے ۔مایوسی کفر ہے ۔ہم سے اس کفر کا ارتکاب نہ ہو جائے ۔اے اللہ! تو عظیم ہے ،تو کریم ہے ،تو رحمٰن ہے ،تو رحیم ہے تجھے اپنے اسمائے حسنیٰ کا واسطہ ہے ہم سے گناہوں کے حوالے سے درگزر فرما، رحم فرما، رحم فرما ''ارحم الراحمین'' آمین یارب العالمین ۔

''عجمی کا مطالعہ قرآن'' کو ہر سکول اور ہر لائبریری کے ساتھ ساتھ ہر گھر کی زینت بننا چاہیے ۔کتاب نہ ملنے کی صورت میں علامہ عبدالستار عاصم سے رابطہ کیا جا سکتا ہے ۔ان نمبرز پر رابطہ کر کے منگوا سکتے ہیں ۔

0300.0515101/0300.8422518

WAQAR AZEEM
www.pakistanipoint.com

کراچی سے ارسال کردہ ایسی پُراسرار تحریر جو آپ کو چھپی ہوئی دنیا میں لے جائے گی

خالی رستہ خالی گھر

وہ دونوں ہی اس کی محبت کے طلب گار تھے مگر وہ
تو آگ تھی..... پھر کیا ہوا پڑھیے اور جانیے.....

ثمینہ مشتاق

محبت ایک لافانی جذبہ ہے۔ دل کے ویرانے میں کب بہار آجائے کسے خبر۔ میری زندگی بھی اس کے آنے سے پہلے محبت کی رنگینی سے خالی، بلیک اینڈ وائٹ حقیقتوں کا سامنا کرتے گزر رہی تھی۔ لیکن جیسے ہی گلی کا خالی گھر آباد ہوا ہمارے ویرانے میں بھی بہار آگئی۔ نام تو اس کا میں نہیں جانتا تھا لیکن مجھے اتنا پتا تھا۔ وہ بلا کی حسین تھی روز ایک ادا سے جب اپنے گھر کے دروازے سے برآمد ہوتی تو کاجل سے لتھڑی آنکھوں سے ہمیں دیکھ کر ایک دل فریب

WAQAR AZEEM
www.pakistanipoint.com

مسکراہٹ ہماری جانب اچھالنا بہ بھولتی تھی اور ہم گاڑی کی چابی ہاتھ میں لیے پتھر کے ہو جاتے تھے۔ صارم اپنی کہانی سناتے ہوئے کچھ دیر کے لیے رکا اور اپنی خوفزدہ نظریں ماہر نفسیات ڈاکٹر عبدالحفیظ کے چہرے پر مرکوز کر دیں جو ہاتھ میں نوٹ پیڈ لیے اس کی کہانی بہت غور سے سن رہے تھے۔

آپ ہم کا صیغہ سن کر حیران ہو گئے ہوں گے!! صارم پھیکی سی ہنسی ہنسا۔

جی ہاں آپ نے ٹھیک سنا ہے ہم دونوں!! یعنی میں اور میرا رقیب ساجد، اب یہ ہماری قسمت کی خرابی تھی یا محض ایک اتفاق کہ ہمارے آفس جانے کے اوقات وہی تھے جو اس لڑکی کے تھے۔ لہٰذا ہم تینوں کی مڈبھیڑ تقریباً روز ہی ہوتی تھی۔ اپنے رقیب کے بارے میں تو مجھے علم نہیں لیکن جہاں تک میرا سوال ہے میں اب اس نین مٹکے کو اتفاق نہیں بلکہ شعوری طور پر یقینی بنانے کی کوشش کرتا تھا۔ اسے گھر سے نکلنے میں دیر ہو جاتی تھی تو میں انتظار کر لیتا تھا۔ کبھی وہ وقت سے پہلے ہی نہ نکل جائے اس ڈر سے میں وقت سے پہلے گھر سے نکل کر گلی میں کھڑا ہو جاتا تھا۔ یہی معاملہ کم و بیش میرے رقیب کے ساتھ بھی تھا لیکن ہم دونوں نے نہ تو آپس میں اس بارے میں کبھی بات کی نہ ہی اس حسینہ جس کا نام ہمیں بعد میں گلنار معلوم ہوا سے بات کرنے کی ہمت جٹا سکے لیکن وہ روز ہم پر نظر التفات برابری سے لٹاتی رہی تھی۔ شاید ہم دونوں میں سے کسی ایک کا انتخاب اس کے لیے بھی مشکل تھا۔

میرا رقیب ساجد جب زبان سے اظہار نہ کر سکا تو اسے خط لکھ ڈالا اور ایک دن جب وہ حسینہ خراماں خراماں ہمارے قریب سے گزری تو اس نے گلنار کا راستہ روک کر ایک معنی خیز مسکراہٹ کے

WWW.PAKSOCIETY.COM
www.pakistanipoint.com

ساتھ لفافہ اس کی جانب بڑھایا۔ میرا خیال تھا کہ وہ لڑکی لفافہ اس کے منہ پر مار دے گی لیکن ایسا نہیں ہوا بلکہ وہ خط ایک...... جوابی مسکراہٹ کے ساتھ وصول کرلیا گیا۔ صارم نے اپنا گلا خشک ہوتا محسوس کیا۔

کیا مجھے پانی مل سکتا ہے!! ہاں کیوں نہیں! ڈاکٹر عبدالحفیظ نے قریب رکھا پانی کا گلاس اس کی جانب بڑھا دیا۔ صارم نے حالت اضطراب میں چند گھونٹ بھرے اور پھر سے لیٹ کر کہانی شروع کی۔

میرے لیے یہ عمل ناقابل برداشت تھا ساجد فاتحانہ مسکراہٹ کے ساتھ اپنی گاڑی میں بیٹھ کر میری نظروں سے اوجھل ہوگیا۔ لیکن میں نے بھی ٹھان لیا تھا کہ ایک خط میں بھی دروازے کے باہر چھوڑ آؤں گا اور شام میں جب اس کے آفس سے واپس آنے کا وقت ہوا میں نے لفافہ اس کے دروازے میں اٹکا دیا اور اپنے دروازے پر نظریں جمائے اس کے آنے کا منتظر رہا۔

وہ حسینہ وقت مقررہ پر آئی لیکن لفافے کو نظر انداز کر کے گھر میں داخل ہوگئی اور دروازہ بند کر لیا۔

یہ بات میرے لیے بے عزتی کی انتہا تھی لیکن میں نے خود کو یہ کہہ کر سمجھا لیا کہ گلنار کو کیا معلوم یہ خط میں نے اس کے نام لکھا ہے...... کونسا اس لفافے پر میرا نام درج تھا۔

اچانک کمرے کے دروازے پر دستک سن کر صارم کے حلق سے ہلکی سی چیخ برآمد ہوئی اور وہ خوف زدہ ہو کر اٹھ بیٹھا...... چلو وقت پورا ہوا! پولیس کے دو سپاہی کمرے میں داخل ہوئے اور ڈاکٹر عبدالحفیظ سے صارم کے لے جانے کی اجازت چاہی۔ ڈاکٹر صاحب خدا کے لیے میں پاگل نہیں ہوں، میرا یقین کریں۔ میں سب سچ بتا رہا ہوں۔ مجھے واپس نہ بھیجیں وہ......وہ...... مجھے مار دے گی۔ آپ......آپ تو سمجھ سکتے ہیں' پلیز آپ سمجھ رہے ہیں نا۔'' سپاہیوں نے اسے بازوؤں سے جکڑا اور گھسیٹتے ہوئے کمرے سے باہر لے گئے وہ چلاتا رہا لیکن اس کی کسی نے نہیں سنی اور آج پھر صارم کے امتحان کی تیسری رات تھی۔

جیل کی سلاخوں کے پیچھے صرف تنہائی نہیں تھی۔

رات 3 کا گھنٹہ بجا چکی تھی اب خوف اور موت کی سرسراہٹ بھی واضح سنائی دیتی تھی۔ صارم اندھیرے میں آنکھیں پھاڑے کسی انہونی کو دیکھنے کا منتظر تھا۔

اچانک جیل کی مٹیالی راہداری میں کسی کے چلنے کی آواز آنے لگی۔ ٹک، ٹک کی یہ آواز دل کی دھڑکن کی دھک دھک سے زیادہ پر اثر تھی۔

صارم تیزی سے جیل کی سلاخوں سے جالگا۔

خدارا مجھے باہر نکالو میں نے کچھ نہیں کیا، میں بے قصور ہوں، خدا کا واسطہ ہے، کوئی میری بات سنو' مجھے باہر نکالو یہ مجھے مار ڈالے گی، ارے وہ آگئی ہے ظالمو' دیکھو میرے پاس وقت کم ہے، آج تیسری رات ہے ارے کوئی ہے' کوئی تو میری مدد کرو۔

کوئی تیری مدد نہیں کرے گا۔ کانوں میں ہونے والی سرگوشی نے اس کی آواز کا گلا دبا دیا، آنکھیں پھٹ گئیں اور دماغ کی رگیں تن گئیں۔ اسے اپنی کمر پر ٹھنڈے پسینے کی لکیر چلتی ہوئی محسوس ہوئی۔ وہ خوف سے پلٹ کر جیل کی سلاخوں سے لگا کھڑا رہا۔ اس کے سیل میں اندھیرا تھا۔

WAQAR AZEEM
www.pakistanipoint.com

تم..... تم دیکھو..... سمجھو' پلیز میں نے تو کچھ نہیں کیا میں..... میں کچھ نہیں جانتا' پلیز مجھے چھوڑ دو۔

کیسے چھوڑ دوں تجھے.....!

صارم نے اپنے اوپر سے آنے والی آواز پر نظریں اٹھا کر دیکھا تو وہی لڑکی جو پچھلے تین دنوں سے اسے اس جیل میں نظر آرہی تھی چھت کے ساتھ ٹنگی نظر آئی۔ صارم کے حلق سے نکلنے والی خوف زدہ چیخ سے پوری راہداری گونج اٹھی۔

ارے یہ پاگل۔ قریب ہی سوئے ہوئے کانسٹیبل نے غصے سے نیند میں بوجھل آنکھیں ملتے ہوئے کہا۔

کیسے کیسے عذاب ہمارے سر مسلط کر دیے جاتے ہیں جو چین سے سونے بھی نہیں دیتے۔ نجانے ڈاکٹر کب اس پاگل کا علاج کرے گا اور راتوں کو اس کا چلانا بند ہوگا۔ آج جب صارم ڈاکٹر عبدالحفیظ کے کمرے میں لیٹا تو بہت بے چین تھا۔

دیکھیں ڈاکٹر صاحب' میری بات سمجھنے کی کوشش کریں۔ میں آپ کو سب تفصیل سے نہیں بتا سکتا پلیز' سمجھنے کی کوشش کریں، میرے پاس وقت بہت کم ہے ہر نشست میں کہانی طویل ہوتی جائے گی اور اصل بات میں آپ کو نجانے سمجھا بھی سکوں گا یا نہیں پلیز دیکھیں' میرے اضطراب کو سمجھنے کی کوشش کریں، میں پاگل نہیں ہوں' میں ..... بہت پریشان ہوں میں نے کچھ نہیں کیا۔

صارم پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا۔

دیکھو صارم..... ڈاکٹر نے اس کے کاندھے پر شفقت سے ہاتھ رکھا اور نرم لہجے میں بولے۔

تم بالکل بھی پریشان نہ ہو۔ میں تمہاری تمام بات سمجھ رہا ہوں۔ تمہارے مسئلے کا حل میرے پاس ہے تم اپنی کہانی سناؤ، ڈرو مت ہم تمہاری مدد کے لیے ہی تو یہاں موجود ہیں۔ ڈاکٹر کی تسلی سے صارم کی پریشانی تو کم نہیں ہوئی لیکن اس نے خود کو نارمل کرنے کے لیے آنکھیں بند کر لیں اور آپ بیتی کا سلسلہ دوبارہ شروع کیا۔

اب یہ روز کا معمول تھا کہ ساجد اسے لفافہ دیتا اور وہ مسکرا کر پکڑ لیتی۔ میرے سینے پر سانپ لوٹ جاتے۔ میں روز اس کے دروازے پر خط اٹکاتا اور وہ اسے نظر انداز کر کے گھر میں داخل ہو جاتی۔

اصولاً تو وہ میرا رقیب تھا لہٰذا میری جلن کڑن فطری تھی لیکن خط اس کے بھی بند دروازے کے باہر سے ہی ملتے تھے مزید حیرت کی بات یہ تھی لفافے سب کھلے ہوتے تھے۔ اس میں کاغذ بھی موجود ہوتا تھا لیکن اس پر لکھی تحریریں غائب ہوتی تھیں۔ میں سوچتا تھا آخر کورا کاغذ بند لفافے میں اس طرح دینے کا کیا مطلب ہے' وہ بھی روز.....!

محلے کی پان کی دکان پر کھڑے ساجد سے جب اس بات پر استفسار تو وہ خوب ہنسا۔

تم پاگل تو نہیں ہو گئے صارم میں گلنار کو کورا کاغذ کیوں دوں گا۔

ارے وہ تو پریم پتر ہوتے ہیں پریم پتر، جن کا جادو آج کل گلنار کے سر چڑھ کر بول رہا ہے۔ ساجد فخر سے بولا۔

لیکن لفافے تو کورے کاغذ کے ساتھ اس کے دروازے کے باہر ملتے ہیں' کیا تم نے غور نہیں کیا؟ میرے سوال پر اسے میری دماغی حالت پر شک ہونے لگا۔ میں نے آج تک کوئی لفافہ اس کے گھر کے باہر نہیں دیکھا صارم۔ ساجد نے میرے کندھے پر ہاتھ رکھا اور مسکراتا ہوا

WAQAR AZEEM www.pakistanipoint.com

اپنے گھر کی جانب چل پڑا۔

چار دن اس ہی طرح گزر گئے۔ پانچویں دن میں نے ساجد کو بن ٹھن کر گلنار کے گھر میں داخل ہوتے ہوئے دیکھا۔ میرے غصے کی انتہا نہ رہی۔ وہ رات میں نے جاگ کر گزاری اور خود کو سمجھاتا رہا کے دو محبت کرنے والوں سے بغض رکھنا محبت کی بے ادبی ہے۔

لیکن میرا دل بوجھل تھا۔ صبح اٹھا تو سر بھی بھاری تھا۔ میں آفس بھی نہ گیا۔ دوسرے شہر میں نوکری کی وجہ سے گھر بار سے بھی دور تھا کہ تنہائی بانٹی جاسکتی۔ لہٰذا سر شام آوارگی کے لیے نکل گیا۔ رات دیر سے گھر لوٹا تو ساجد کو اپنے دروازے کے باہر منتظر دیکھ کر میری آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔ مجھے دیکھ کر وہ تیزی سے میری جانب لپکا۔ اس کی آنکھوں میں وحشت تھی، گریبان کھلا ہوا تھا اور وہ شدید پریشانی کے عالم میں تھا۔ اسے اس حالت میں دیکھ کر میں بھی گھبرا گیا اس نے مجھے دونوں بازوں سے تھام لیا۔ لگتا تھا پھوٹ پھوٹ کر رو دے گا۔ مجھے اس کی حالت پر ترس آنے لگا۔ اس میں کوئی شک نہ تھا کہ وہ ایک خوبرو نوجوان تھا لیکن اس وقت پاگلوں کی سی حالت میں میرے سامنے موجود تھا۔

کیا ہوا ساجد سب خیریت تو ہے؟ میں نے اس کے ہاتھ تھام کر پوچھا۔

نہیں صارم کچھ ٹھیک نہیں ہے۔ مجھے..... بس یہ بتا دو موت کیسے آسان ہے، مرا کیسے جا سکتا ہے؟ خدارا مجھے ان سوالوں کے جواب چاہیے۔ میں صبح سے کئی لوگوں سے پوچھ چکا ہوں لیکن سب مجھے تسلی دے رہے ہیں۔ دیکھو میں پاگل نہیں ہوں میری بات سمجھنے کی کوشش کرو، پلیز اور دیکھو جواب بالکل ٹھیک ہونا چاہیے ورنہ..... ورنہ..... بس تم مجھے ان سوالوں کے جواب بتا دو۔ میرے پاس وقت بہت کم ہے..... بس دو دن ہیں میرے پاس.....

ساجد کی یہ حالت دیکھ کر مجھے حیرت کا شدید جھٹکا لگا۔ میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ گلنار کی چار دن کی محبت اتنی شدید بھی ہوسکتی ہے۔ شاید اس کے گھر والوں نے رشتے سے انکار کر دیا تھا' جو ساجد کی حالت پاگلوں جیسی ہوگئی تھی اور وہ موت کے طریقے ڈھونڈتا پھر رہا تھا۔

دیکھو ساجد.....! میں نے اسے بازوؤں سے تھام لیا۔

تم فکر مت کرو، سب ٹھیک ہو جائے گا آؤ گھر میں بیٹھ کر بات کرتے ہیں۔

نہیں.....! تم سمجھ نہیں رہے ہو صارم..... وہ..... وہ گلنار..... اس نے کہا ہے پوچھ کر آنا..... بس دو دن ہیں..... گلنار کا نام سنتے ہی میرا شک یقین میں بدل گیا۔ معاملہ محبت کا تھا جس میں ناکامی نے ساجد کو گہری چوٹ پہنچائی تھی۔

میرے دل ہی دل میں لڈو پھوٹ رہے تھے۔ ساجد نے مجھ سے ہاتھ چھڑایا اور ہزیان بکتا ہوا گلی کے اندھیرے میں گم ہوگیا۔ میں نے ذہن کو جھٹکا اور گھر کے اندر آکر گہری نیند سو گیا۔

میں ایک دن پہلے بھی آفس نہیں گیا تھا لہٰذا آج کسی حال میں چھٹی نہیں کی جاسکتی تھی۔ میں وقت مقررہ پر گھر سے باہر نکلا تو نہ چاہتے ہوئے بھی نظریں گلی کے ایک کونے میں برگد کے گھنے سائے تلے سفید دیواروں میں چنے کھٹی دروازے پر جم گئیں۔ دل کی دھڑکن تیز ہوگئی۔ لیکن پھر سر جھٹک کر میں گاڑی کی جانب بڑھ گیا۔ گاڑی کا دروازہ کھولتے ہوئے اپنے کندھے پر نسوانی لمس نے مجھے چونکا دیا..... میں

WAQAR AZEEM
www.pakistanipoint.com

تیزی سے پلٹا تو۔۔۔گلنار میرے سامنے کھڑی تھی۔

آپ..... میں نے خشک ہونٹوں پر زبان پھیری۔

جی وہ..... میں پوچھنا چاہتی تھی کہ..... اب ساجد صاحب کیسے ہیں؟ کل سے نظر ہی نہیں آئے شاید بیمار ہیں؟ گلنار کے لمس نے میرے جسم میں خون کی گردش کو بڑھا دیا تھا، اِس پر اُس حسن بلا خیز کی قربت نے میرے رہے سہے اوسان بھی خطا کر دیے۔ ایسے میں اس کی زبان سے ساجد کا نام مجھے سخت ناگوار گزرا۔

میں نہیں جانتا..... میں نے مختصر سا جواب دیا

آپ بھی کس آدمی کے چکر میں پڑ گئی ہیں ایک نمبر کا نکما ہے..... لگتا ہے آپ انکار کر چکی ہیں اسے؟ میں نے گہری نظروں سے اسے دیکھا تو وہ بڑی ادا سے مسکرا کر بولی۔

نہیں ابھی نہیں ابھی ایک دن باقی ہے۔

ایک دن؟ میں نے مسکرا کر پوچھا۔

میں سمجھا نہیں ایک دن بعد کیا ہے؟ انکار کرنا ہے تو آج اور ابھی کر دیں آپ کو رشتوں کی کیا کمی۔

میری بات سن کر وہ میرے مزید قریب آ کر بولی۔

یہ راز کی باتیں یوں سر راہ نہیں ہوتیں صارم صاحب گھر تشریف لائیں۔ اس سے پہلے کہ میں عالم مدہوشی سے واپس آتا وہ جا چکی تھی۔ لیکن اس قدر پیار سے دی گئی آفر کو، کون کافر ٹال سکتا تھا لہٰذا میں نے آج شام ہی آفس کے بعد اس کے گھر دھاوا بولنے کا سوچ لیا مبادا حسینہ کا کوئی اور ہی امیدوار پیدا نہ ہو جائے۔ شام کو آفس سے واپسی پر ساجد کے بارے میں مجھے محلے کے پان کے کھوکے سے سگریٹ لیتے وقت یہی خبر ملی کہ وہ شاید اپنا دماغی توازن کھو بیٹھا ہے اور اس کے والد صاحب سخت پریشان ہیں۔

جو کسی نشے کو ہاتھ تک نہیں لگاتا تھا مستقل نشہ آور گولیاں کھا رہا ہے۔ منع کرو تو سب سے موت کی بھیک مانگتا ہے موت کا طریقہ پوچھتا ہے اور بس یہی کہتا ہے کہ ''میں مرنا نہیں چاہتا بس مجھے میرے سوالوں کا جواب دے دو، کل آخری دن ہے.....'' پان والے کی زبانی 'آخری دن' کے حوالے پر میں تھوڑا ٹھٹک گیا۔ میں نے سگریٹ جلا کر ہونٹوں تلے دبایا اور پان والے سے پوچھا۔

تم نے ساجد کو دیکھا ہے؟ کہاں ہے وہ میں اس سے ملنا چاہتا ہوں۔

اس کو تو اس کے گھر والوں نے اب ایک کمرے میں قید کر دیا ہے۔ عجیب عجیب حرکتیں کرنے لگا ہے رات کو تین تین بجے اٹھ کر چلاتا ہے۔ ہاتھ کی رگیں کاٹنے کی کوشش کی ہے اور بھی نجانے کیا کیا۔

اچھا..... میں نے پان والے کی باتیں سن کر خود کو نارمل کرنے کی کوشش کی لیکن طبیعت عجیب مکدر ہو چلی تھی۔ اس کا آسان حل یہی تھا کہ ایک حسین شام گلنار کے ساتھ گزاری جائے۔

میں نے سات بجے اس کے دروازے پر دستک دی جب مغرب کی اذان کانوں میں گونج رہی تھی اور برگد کے پیڑ پر، پرندوں نے ہنگامہ مچا رکھا تھا۔ کچھ توقف کے بعد دروازہ کھلا اور ایک بڑھیا نے سپاٹ چہرے کے ساتھ میرا خیر مقدم کیا۔ مغرب ہو چلی تھی لہٰذا سرمئی اندھیرا پھیل گیا تھا۔ گھر کے اندر جاتی راہداری عجیب پراسراریت تھی۔ جس میں داخل ہوتے ہی سرمئی اندھیرا سیاہی میں

WWW.PAKSTANIPOINT.COM
www.pakistanipoint.com

تبدیل ہو گیا تھا۔

مجھے کچھ دکھائی نہیں دے رہا۔ میں نے ساتھ چلتی بڑھیا سے کہا کچھ دیر خاموشی رہی پھر سامنے کی جانب سے موم بتی تھامے ایک ہیولا آتا دکھائی دیا یہ گلنار تھی۔

خوش آمدید۔ وہ مسکرائی اور بڑی بے باکی سے میرا ہاتھ تھام لیا جو بالکل سرد تھا۔

گھبرائیے نہیں آپ میرے گھر پہلی بار آئے ہیں۔ گھر میں روشنی نہیں ہے۔ سب ہی لوگ ابھی ابھی واپس آئے ہیں، اپنے اپنے کاموں میں مصروف تھے۔ رفتہ رفتہ آپ کا سب سے تعارف ہو جائے گا۔

ہاتھ تھامے وہ مجھے ایک بڑے سے ہال کمرے میں لے آئی اور ایک سفید صوفے پر بیٹھنے کا اشارہ کیا میں اس پراسرار ماحول کی سراسیمگی میں گم تھا۔ پورے گھر پر عجیب سی نحوست اور وحشت طاری تھی جیسے کوئی وسیع و عریض قبرستان ہو اور ہم اس میں زندہ دفنا دیے گئے ہوں۔

پورے گھر میں سیلن زدہ دیواروں کی ناگوار بو پھیلی ہوئی تھی۔ اچانک میری گود میں ایک لفافہ آ کر گرا، میرے سامنے شمع روشن تھی لیکن گلنار اب وہاں موجود نہیں تھی۔ اتنے بڑے اندھیرے کمرے میں تنہا بیٹھنے سے مجھے گھبراہٹ ہونے لگی۔ میں کسی کو اس کے گھر میں جانتا بھی نہیں تھا اور پھر یہ تاریکی جہاں ایک حد کے بعد میں اندھا ہو جاتا تھا۔ میں نے لفافہ کھولا اور پڑھنا شروع کیا۔

آج تمہارا پہلا دن ہے اور پہلا سوال۔ تمہیں پورے 7 دن دیے جائیں گے اور ہر دن ایک سوال پوچھا جائے گا۔ یہ 7 دن تمہاری زندگی کا صدقہ ہیں۔ اور تمہاری آزادی کا پروانہ۔۔۔۔ اگر تم سات دن میں 7 سوالوں کے ٹھیک جواب نہ دے سکے تو ساتویں رات تمہیں موت کا صدقہ دینا ہوگا۔ اگر تم ناکام ہو گئے تو ہم میں شامل کر لیے جاؤ گے۔ ساتھ ہی یہ بھی سمجھ لو پہلے سوال کا جواب ملنے تک..... دوسرا سوال نہیں پوچھا جائے گا' یاد رکھو صرف سات دن.....!

یہ کیا بکواس ہے۔ میں نے کاغذ کا گولہ بنایا اور اسے سامنے دیوار پر دے مارا۔

مجھے باہر جانا ہے' کوئی ہے؟ میں نے چلا کر کہا لیکن کوئی جواب نہ ملا۔ میں نے بنا تعمل شمع دان اٹھایا اور اندازے سے باہر کا راستہ ٹٹولنے لگا لیکن جب میرے ہاتھوں نے کمرے کی دیوار کو چھوا تو وہ ایسی تھی جس پر گیلی مٹی کا تازہ تازہ لیپ ہوا ہو۔ میں دیوار کے ساتھ ساتھ چلتا رہا۔ راہداری طویل سے طویل تر ہوتی گئی۔ مجھے کوئی پندرہ منٹ ہو گئے۔ شمع میرے ہاتھ میں پگھل کر تمام ہوئی اور اب میں مکمل طور پر تاریکی میں کھڑا تھا۔ خوف سے میرا گلا خشک ہو گیا۔ میں جان چکا تھا کہ میں کسی شیطانی نرغے میں پھنس چکا ہوں جس سے نکلنا اتنا آسان نہیں ہے۔ مجھے رہ رہ کر ساجد کا خیال آ رہا تھا اس کی بے بسی، اس کے سوال..... میرے دماغ نے کام کرنا بند کر دیا..... اس کا کل آخری دن تھا..... اس کے ساتھ کیا ہوگا۔

اچانک مجھے قریب سرسراہٹ سی محسوس ہوئی۔ خوف سے میری دھڑکنیں رکنے لگیں۔

کون ہے؟ کون ہے وہاں۔ میں گیلی دیوار کے ساتھ اندھیرے کو آنکھیں پھاڑے تک رہا تھا۔

مجھے اپنے قریب نسوانی ہنسی سنائی دی۔

ANWAR AZEEM www.pakistanipoint.com

صارم..... اپنا پہلا سوال تو سنتے جاؤ..... ایسی بھی کیا جلدی ہے۔ میرے سینے پہ چوڑیوں بھرے ہاتھ کی کھنک سنائی دی اور ایک موم بتی قریب ہی روشن ہوئی یہ گلنار تھی جس کی کلائی میں لال چوڑیاں تھیں، بال کھلے تھے اور نظریں مجھ پر جمی تھیں۔

آپ تو میرے امیدوارن میں سے تھے نا۔ پھر اتنی جلدی' دستبردار ہوگئے۔ ابھی تو عشق کے امتحان اور بھی ہیں۔

تم..... کون ہو..... ہو کون تم؟ میں نے بے بسی سے پوچھا۔

تمہارے لیے اتنا جاننا کافی ہے صارم کے ہم آگ ہیں اور ہمیں رات کی تاریکی پسند ہے، ہم سرکش ہیں، دھتکارے ہوئے ہیں، بدلے کی آگ میں جل رہے ہیں، کوئی ہمارے شر سے بچ نہیں سکتا، تم اب یہاں تک آگئے ہو تو..... واپسی اتنی بھی آسان نہیں ہے۔

تمہارا پہلا سوال..... موت کہاں ملے گی، موت کا طریقہ کیا ہے؟

یہ..... یہ..... سوال' میرا خوف سے گلا خشک ہونے لگا ساجد کا چہرہ میری نظروں کے سامنے گھوم گیا اور میں بے ہوش ہو کر گر پڑا۔

میری آنکھ کھلی تو میں اپنے کمرے کے بستر پر پڑا بخار میں تپ رہا تھا۔

میں نہیں جانتا' میں وہاں کیسے آیا تھا لیکن۔ میں اٹھتے ہی ساجد کی تلاش میں گھر سے نکل آیا۔ جس کا آج رات آخری دن تھا۔

چلو وقت ختم ہوا۔ پولیس کے دو سپاہی پھر ڈالٹر عبدالحفیظ کے کمرے میں داخل ہوئے۔

دیکھیں پلیز ڈاکٹر' میری بات سمجھیں وہ پھر بے چین ہو گیا' خدارا میری آج چوتھی رات ہے۔ خدا کے لیے..... میں مرنا نہیں چاہتا۔ راہداری اس کی چیخوں سے گونجتی رہی، پولیس والے اسے گھسیٹ کر واپس جیل لے گئے۔ صارم کے جانے کے بعد ڈاکٹر عبدالحفیظ کسی گہری سوچ میں غرق رہے۔ انہوں نے جیل سپرنٹنڈنٹ کا نمبر ملایا۔

ہیلو..... دوسری جانب سے تین چار گھنٹیوں کے بعد فون اٹھا لیا گیا۔

سر میں ڈاکٹر عبدالحفیظ بات کر رہا ہوں۔ مجھے جیل کے مریض صارم سے متعلق کچھ ضروری معلومات درکار ہیں۔

جی ڈاکٹر صاحب مجھے بھی اس کیس کا علم ہے۔ صارم میرے قریبی دوست کا بیٹا ہے۔ جو کچھ ہوا وہ میرے لیے ذاتی طور پر افسوس ناک ہے کیونکہ میں اسے بہت اچھی طرح جانتا ہوں اور میں بھی معاملے کی تہہ تک پہنچنا چاہتا ہوں۔ سپرنٹنڈنٹ کی بات سن کر ڈاکٹر عبدالحفیظ پھر گویا ہوئے۔

میں چاہتا ہوں ہم صارم کا ماحول کچھ دن کے لیے بدل دیں اور اسے ہسپتال منتقل کر دیں۔ بار بار ایک ایسے ماحول میں جانا جس سے وہ خوف زدہ ہے اس کے علاج میں رکاوٹ بن رہا ہے۔

آپ جانتے ہیں وہ قتل کے مقدمے میں پکڑا گیا ہے۔ اس کا مقدمہ عدالت میں ہے جس کا فیصلہ اس کی دماغی حالت پر منحصر ہے۔ میں اس کی نفسیاتی گتھی کو سلجھانا چاہتا ہوں۔

ٹھیک ہے ڈاکٹر عبدالحفیظ لیکن آپ جانتے ہیں کہ اس کے لیے مجھے صوبائی ہوم سیکرٹری کے تحریری اجازت نامے کی ضرورت ہے اور اس کاروائی میں تین سے چار دن درکار ہوں گے لیکن میں پوری کوشش کروں گا کہ دو دن کے اندر، اندر

WAQAR AZEEM
www.pakistanipoint.com

کارروائی مکمل کر کے احکامات جاری کر سکوں۔

بہت بہتر' ڈاکٹر عبدالحفیظ نے جیل سپرنٹنڈنٹ سے تسلی بخش گفتگو کے بعد فون رکھ دیا۔ آج صارم کی باریوں اذیت ناک رات تھی۔ رات تین بجے جیل کی راہداری اس کی اذیت ناک چیخوں سے گونج رہی تھی۔

صبح صارم کو وہیل چیئر پر ڈاکٹر عبدالحفیظ کے کمرے میں پہنچایا گیا تو وہ بالکل گم صم تھا۔ اس کی آنکھوں سے زندگی کی رمق غائب ہو چکی تھی، آنکھوں کے نیچے مسلسل جاگنے سے سیاہ حلقے پڑ گئے تھے، ہونٹوں پر موت کی سی خاموشی تھی، قدرے سفید پپڑی زدہ ہونٹ آج کسی بھی التجا سے بے نیاز تھے۔

کیا ہوا ہے اسے؟ ڈاکٹر عبدالحفیظ نے تشویش سے پوچھا۔

آج یہ وہیل چیئر پر کیوں ہے۔

پتا نہیں سر' یہ یونہی گم صم جیل کے فرش پر پڑا تھا جب ہم نے دیکھا تو اسے عجیب طرح کے جھٹکے لگ رہے تھے، منہ سے جھاگ نکل رہے تھے اور یہ کسی کتے کی طرح غراہ رہا تھا۔ اس سے چلا بھی نہیں جا رہا تھا لہٰذا اسے وہیل چیئر پر لانا پڑا۔ باوردی پولیس والے نے مستعدی سے سلوٹ کیا اور کمرے سے باہر نکل گیا۔

میں مرنا نہیں چاہتا..... میں پاگل نہیں ہوں' میرا یقین کریں۔ صارم پھوٹ پھوٹ کر رو دیا۔ میں آپ کو کیسے سمجھاؤں مجھے مدد کی ضرورت ہے خدا کے لیے۔ صارم نے ڈاکٹر عبدالحفیظ کا ہاتھ اپنے دونوں ہاتھوں میں جکڑ لیا۔ اس کے ہاتھ برف کی طرح ٹھنڈے تھے۔

میں تمہاری مدد ضرور کروں گا۔ تمہیں کچھ نہیں ہوگا میرا یقین رکھو' تم اپنی کہانی مکمل کرو' تاکہ میں کسی حتمی نتیجے پر پہنچ سکوں۔ ڈاکٹر عبدالحفیظ قلم اور نوٹ پیڈ لے کر اس کے سامنے بیٹھ گئے۔ صارم نے چھت پر نظریں جما دیں اور کہنا شروع کیا۔

اس کے گھر سے معلوم ہوا کہ وہ فرار ہو چکا ہے۔ ایک دو متوقع جگہ تلاش کرنے کے بعد میں ہمارے محلے سے کچھ فاصلے پر واقع بڑے نالے کی جانب چل پڑا جس کے اوپر پل بنا ہوا ہے اور گاڑیاں گزرتی ہیں۔ رات کے تین بجے میں نے وہاں ساجد کو پکڑ ہی لیا۔ وہ نالے کی دیوار پر اکڑوں بیٹھا تھا اس کی پیٹھ میری جانب تھی۔

ساجد..... میں نے اسے دور سے پکارا۔ اس نے کوئی جواب نہیں دیا۔ میں اس کے برابر کھڑا ہو گیا۔

ساجد..... نیچے اترو یہ کیا کر رہے ہو گر جاؤ گے۔ میں نے اس کی کلائی تھام لی جو برف کی طرح ٹھنڈی تھی۔ اس نے خالی آنکھوں سے مجھے دیکھا۔

میرے جانے کا وقت آ گیا ہے۔

یہ تم کیا کہہ رہے ہو ساجد ہوش میں آؤ خودکشی حرام ہے۔ میں سب جانتا ہوں..... تمہارے ساتھ کیا ہوا ہے!! لیکن مرنا اس کا حل نہیں ہے۔ میری بات سن کر وہ نسوانی آواز میں ہنسا۔ اس کی شکل وحشت ناک ہو گئی اس نے جھٹکے سے میرے دونوں بازو تھام لیے۔

ارے مورکھ، سور کی اولاد..... مجھے حرام حلال سکھا رہا ہے اپنی پروا کر آج تیرا پہلا دن ہے۔ میں اس کے منہ سے نکلتے انگارے دیکھ کر خوف سے کانپ اٹھا ساجد کے وجود میں یہ کون تھا؟ وہ اٹھ کر نالے کی دیوار پر کھڑا ہو گیا۔ یاد رکھ مرنا اتنا آسان ہوتا تو ہر کوئی مر نہ جاتا!! وہ دونوں بانہیں پھیلا کر پاگلوں کی طرح ہنسنے لگا اور نالے

WAQARAZEEM www.pakistanipoint.com

میں چھلانگ لگا دی۔

میں خوف و دہشت سے گنگ کھڑا ایک ٹک یہ خوف ناک منظر دیکھتا رہا کچھ لوگوں نے پولیس کو یہی بیان دیا کہ موت سے پہلے میں ہی ساجد کو پاگلوں کی طرح ڈھونڈ رہا تھا۔ پولیس کو شک ہے کہ میں نے ساجد کو پل سے دھکا دے کر مارا ہے۔ ساجد تو گیا' اب کل میری باری ہے۔' میں نہیں جانتا وہ کیا مخلوق ہے۔ اس کا مقصد کیا ہے' یہ سوال کیا ہیں' ان کا جواب کیا ہے۔' میں بس اب مایوس ہو چکا ہوں۔ وہ لڑکی گلنار روز رات 3 بجے میرے سیل میں آتی ہے اور ایک اذیت ناک کھیل صبح فجر تک جاری رہتا ہے۔

تم فکر مت کرو سب ٹھیک ہو جائے گا۔ آج تم جیل میں آخری رات گزارو گے اور کل تمہیں ہسپتال منتقل کر دیا جائے گا۔ تمہاری تسلی کے لیے میں آج جیل میں تمہارے سیل کے قریبی آفس میں موجود رہوں گا رات 3 بجے خود تمہاری نگرانی کروں گا۔ ڈاکٹر عبدالحفیظ نے اسے تسلی دی۔

لیکن صارم کو خاطر خواہ خوشی نہیں ہوئی۔ جیل واپسی پر بھی اس بار وہ بالکل خاموش رہا۔

ڈاکٹر عبدالحفیظ جیل سپرنٹنڈنٹ کی اجازت سے آج رات صارم کے ساتھ گزارنے کے لیے مقامی جیل میں موجود تھے۔ گھڑی کی سوئی آہستہ آہستہ آگے سرک رہی تھی۔ رات نے 3 کا گھنٹہ بجایا تو صارم کو راہداری میں قدموں کی مخصوص چاپ سنائی دی۔ اس کی آنکھیں پھٹ گئیں اور دماغ کی رگیں تن گئیں۔ کسی نے چابی گھما کر سلاخوں کا دروازہ کھولا اور سیل میں داخل ہو گیا۔

اوہ! ڈاکٹر عبدالحفیظ صارم خوشی کے مارے ان سے لپٹ گیا۔

شکر ہے آپ آ گئے..... ورنہ میں خوف سے مر جاتا۔

مرنا اتنا آسان ہوتا تو..... ہر کوئی مرنہ جاتا۔ کانوں میں ہونے والی اس مانوس آواز و سرگوشی نے صارم کے اوسان خطا کر دیے۔ وہ کرنٹ کھا کر پیچھے ہٹا۔

آپ..... آپ..... کو کیا ہو گیا ہے ڈاکٹر عبدالحفیظ؟ صارم نے بے چارگی سے پوچھا۔

صارم کا وجود آہستہ آہستہ فضا میں بلند ہونا شروع ہوا اور چھت سے جا لگا۔

تو بد بخت ہے۔ ایک تو ہماری دنیا پہ قابض ہو گیا۔ تجھے سجدہ نہ کرنے کے جرم میں ہم جنت سے بے دخل ہوئے۔ تجھے کیا اتنی آسانی سے چھوڑ دیں گے' اپنا نامہ اعمال کھول آج تیرا آخری دن ہے۔ تیری مہلت ختم تو کسی سوال کا جواب نہیں دے سکا اب اپنی سزا خود منتخب کر لے۔

نہیں نہیں' آج میرا آخری دن نہیں ہے آج تو چھٹی رات ہے۔

ڈاکٹر عبدالحفیظ خدا کا واسطہ ہوش میں آئیں۔ کوئی ہے کوئی تو میری بات سن لو۔ وہ بے بسی سے چلا بھی نہ سکا۔

میرے خیال میں تیری سزا یہ ہے کہ تیری زندگی کا ایک دن مزید کم کر دیا جائے۔ ڈاکٹر عبدالحفیظ نے جیب سے تیز دھار چاقو نکالا اور صارم کو اپنے روبرو کھڑا کر لیا۔

نہیں خدا کے لیے مجھے چھوڑ دو مجھے بخش دو میں مرنا نہیں چاہتا۔ صارم گڑگڑایا ہمارے قبیلے میں تیرا سواگت ہے۔ ڈاکٹر عبدالحفیظ نے اس کے ہاتھوں میں تیز دھار چاقو تھما دیا۔

خودکشی حرام ہے جانتا تو ہے نا تو..... ڈاکٹر عبدالحفیظ نسوانی آواز میں ہنسے۔

جتنے حرام کام تو نے کیے ہیں تجھے جہنم رسید ہی

WAQAR AZEEM www.pakistanipoint.com

ہونا تھا۔ تیرے پاس کسی سوال کا روز حشر بھی ٹھیک جواب نہیں ہوگا۔ اب چل شاباش ہمارے قبیلے میں رہ کر ہماری آبادی بڑھانے میں مددگار بننا ہی تیری قسمت ہے۔ اے ابن بشر! مجھ سے لڑانا تیرے بس کی بات نہیں، تیری اتنی اوقات کہاں کے تو میرے سوالوں کے جواب دے سکے، تجھے الجھا کر مارنا، دام میں پھنسانا اور پھر تیری بے بسی کے مزے لینا ہی میرا مقصد حیات ہے۔

ڈاکٹر عبدالحفیظ نے آگے بڑھ کر صارم کے بال اپنی مٹھی میں جکڑ لیے۔

تجھ سے یہی میرا تعارف ہے کہ میں تیرا ہمزاد ہوں، تیرے ساتھ پیدا ہوا ہوں، میں شیطان ہوں، میں عفریت ہوں' میں تیری موت ہوں۔

ڈاکٹر عبدالحفیظ کے حلق سے خوفناک قہقہہ بلند ہوا۔

صارم کی چاقو پر گرفت مضبوط ہوگئی..... اس نے اپنی کلائی پر پہلی کاری ضرب لگائی اور خون کا فوارہ پھوٹ نکلا ڈاکٹر عبدالحفیظ کی آنکھیں چمکنے لگیں اور وہ بندروں کی طرح اچھلنے لگا۔

خون، خون، خون اور..... اور خون..... بہت خون، خون ہی خون..... وہ پاگلوں کی طرح زمین چاٹنے لگا۔ صارم نے دوسرے ہاتھ کی رگ بھی کاٹ ڈالی اور بے سدھ ہو کر زمین پر ڈھے گیا۔ ڈاکٹر عبدالحفیظ نے صارم کے کان میں سرگوشی کی۔

تجھے اب کبھی مکتی نہیں ملے گی..... تجھے اب کبھی موت نہیں آئے گی' مرنا اتنا آسان ہوتا تو ہر کوئی مرنہ جاتا۔

قہقہہ بلند ہوا اور صارم کی آنکھیں بند ہو گئیں۔ اگلی صبح صارم کے سیل میں صارم کی دریدہ لاش کے وحشت ناک منظر نے مضبوط اعصاب والوں کے دل بھی دہلا کر رکھ دیے۔

☆.....☆.....☆

میرا یقین کیجیے میں نے کچھ نہیں کیا، میں نہیں جانتا صارم کی موت کیسے ہوئی، میں اس کے سیل میں کیسے چلا گیا۔ میں اس کا ڈاکٹر تھا، میں بھلا اسے کیوں ماروں گا اور وہ بھی کسی وحشی جنونی کی طرح..... ڈاکٹر عبدالحفیظ انکوئری روم میں تفتیشی افسران کے سامنے مجرم بنا بیٹھا تھا۔

دیکھو ڈاکٹر اگر سیدھی طرح نہیں بتایا تو تم بہت اچھی طرح جانتے ہو ہمیں جواب اگلوانا بھی آتا ہے۔ میں دس منٹ میں واپس آتا ہوں اچھی طرح سوچ لو تم کیا چاہتے ہو، سب ثبوت تمہارے خلاف ہیں۔ انسپکٹر کے باہر جاتے ہی ڈاکٹر عبدالحفیظ سر پکڑ کر بیٹھ گیا۔ اچانک اس کے کان میں کسی نے سرگوشی کی۔

تمہارے پاس میرے سوالوں کے جواب دینے کے لیے 7 دن ہیں۔

کون ہے؟ ڈاکٹر عبدالحفیظ کرسی سے گھبرا کر اٹھ کھڑا ہوا لیکن وہ کمرے میں تنہا تھا اور سر پھر محض ایک پیلا بلب روشن تھا۔

تمہارا پہلا سوال..... موت کہاں ملے گی، موت کا طریقہ کیا ہے؟

ڈاکٹر عبدالحفیظ آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر کمرے کی نیم تاریکی کو گھور رہا تھا۔ صارم کے الفاظ اس کے دماغ میں دھماکے کر رہے تھے۔

'میں مرنا نہیں چاہتا، میں پاگل نہیں ہوں۔'

خوف کی ایک لہر سی ڈاکٹر عبدالحفیظ کے وجود میں دوڑ گئی۔ ایک نسوانی آواز نے بہت قریب سے پھر سرگوشی کی۔

'آج تمہارا پہلا دن ہے۔'

□□.....❁.....□□

WAQAR AZEEM www.pakistanipoint.com

آپ بھی لکھاری بن سکتے ہیں!!

آیئے! سچی کہانیاں کے قلم قبیلے میں شامل ہو جایئے۔

یہ کارواں آپ کو خوش آمدید کہتا ہے......

خود کو منوایئے، اپنے قلم سے......

اگر آپ کا مشاہدہ اچھا ہے۔

اگر آپ کو اپنے آس پاس ہوئے، انہونے اور لرزا دینے والے واقعات یاد رہتے ہیں اور آپ چاہتے ہیں کہ ان واقعات سے دوسرے بھی سبق سیکھیں، تو پھر فوری طور پر ان واقعات و حادثات کو صفحہ قرطاس پر ڈھال کر ہمیں بھیج دیجیے۔

نوک پلک سنوار کر اُسے کہانی کی شکل ہم خود دے دیں گے۔

تو پھر قلم اٹھایئے اور کسی بھی عبرت ناک، اور سبق آموز سچ کو کہانی میں ڈھالنے کی صلاحیت کو آزمایئے۔

ماہنامہ **سچی کہانیاں** آپ کی تحریروں کو، آپ کو خوش آمدید کہتا ہے۔

تحریر بھیجنے کے لیے ہمارا پتا:

88-C II خیابانِ جامی ڈیفنس ہاؤسنگ اتھارٹی۔ فیز-7 کراچی

ای میل

pearlpublications@hotmail.com

www.pakistanipoint.com

شکست فاش

وہ دونوں ایک دوسرے سے شدید محبت کرتے تھے
مگر پھر یوں ہوا کہ محبت دولت کے سامنے ہار گئی.....

ثمر احمد

اس کی آنکھیں سرخ ہو رہی تھیں تھکا ہوا چہرہ وہ شاید کئی دنوں سے سویا نہیں تھا۔ محبت اس کی رگوں میں ناچ رہی تھی۔ اس کے لیے اب مزید تنہا زندگی بسر کرنا ممکن نہیں۔

''اسد علی..... اسد علی تم اس گھر کو چھوڑ کے نہیں جا سکتے تم مجھے چھوڑ نہیں سکتے میں نے تم کو زندگی میں ترقی' دولت' شہرت دی ہے تم ایسے چھوڑ گئے مجھے تو یہ تمہارے لیے ٹھیک نہ ہوگا۔'' آخر اس کا غصہ شدید ہونے لگا۔

''ہہ..... ہہ..... ہا..... وہ بے جان سا ہوا نیند سے تھک گیا۔ کیا میرے لیے دولت ہی زندگی تھی۔ میں کون ہوں ایک شاعر' ایک قاتل' یا اک عام انسان.....

بیماری مجھے چھوتی نہیں موت مجھے آتی نہیں
محبت تجھ سے کرتا نہیں' مگر یاد دل سے تیری جاتی نہیں

میں ایسا ہی بے کار کا شاعر بے وجہ نام مشہور ہوا میں اس قابل کہاں تھا اس کا سر گھومنے لگا آنکھوں کے گرد سیاہ سائے سے بننے لگے۔

''سنو اسد علی' میں زندگی میں کچھ بن نہیں سکی کوشش بہت کی مگر شاید میری قسمت میں نہیں تھا یا اب بھی بس اک تمہارا نام ہے کہ جس کے حوالے سے لوگ مجھے جاننے لگے ہیں۔'' اس نے اداسی سے سوچا سامنے میز پر رکھی تصویر سے باتیں کرتے بہت وقت بیت گیا تب ہی اس کے فون کی گھنٹی بجی۔

''مجھے خود سے آزاد کر دو میں مرجانا چاہتا ہوں مجھے آزاد کر دو۔'' وہ گڑگڑا رہا تھا گھر کی در و دیوار اس کو دیکھ کے مسکرا رہی تھیں۔ کچھ پانے کے لیے کچھ کھونا پڑتا ہے میری جان..... لفظ لفظ گرم گرم پل کی مانند اس کے کان میں رس گھول رہے تھے۔ اس کی فریاد سوائے خود اس کے سننے والا کوئی نہ تھا۔

میں اک عام آدمی' غریب ہی بھلا تھا کیوں میں نے لالچ کی مجھے معاف کرنا میرے خدا مجھ سے غلطی ہوگئی۔ کچھ دیر خود سے ہم کلامی رہی

WAQAR AZEEM
www.pakistanipoint.com

جواب لاحاصل......

ایم اے کی تعلیم مکمل ہوئے دو سال بیت گئے مگر کوئی نوکری ہاتھ نہ لگی چھوٹے موٹے کام کر کے گزارا ہو رہا تھا مگر کب تک میری ماں دعائیں کرتی نہ تھکتی تھی میں سنتے سنتے تھک گیا تھا۔

وہ گھر ہاں وہی میرا سب کچھ تھا اس گھر سے زندگی کیا جڑی میں آباد ہونے کی لالچ میں برباد ہو گیا۔ بہتر نوکری نہ ہونے کی صورت میں، میں اپنے پرانے محلے سے نکل آیا شہر کی آبادی سے دور ایک چھوٹے سے گاؤں میں تنہا رہنے لگا۔ ماں تنہا شہر میں بے چاری سمجھتی میں کسی دوسرے ملک میں کام کرتا ہوں گاؤں کے پاس اک گھنا جنگل تھا جس میں بنا تھا وہ تنہا ویران گھر جہاں کہنے کو اک عورت کا بھوت رہتا تھا جو جنگل میں جاتا واپس نہیں آتا مگر میں ہر بار اس گھر جاتا اور واپس آجاتا تھا۔

اک شام یوں ہی بے خیالی میں اس مکان کی طرف آنکلا تھا۔ سورج ڈوبنے کے نزدیک تھا۔ مکان کا دروازہ پرانی لکڑی کا بنا تھا جو دیکھنے میں وزنی مگر اک انگلی سے بھی کھلتا چلا گیا۔

''آجاؤ اندر آجاؤ......'' پورا گھر خوب صورت سا سجا تھا میز پر کئی قسم کے کھانے رکھے تھے میں صبح سے بھوکا تھا اور کھانوں کی خوشبو ایسی تھی کہ رہا نہ جاتا تھا میں نے پیٹ بھر کے کھانا کھایا اور جب کھا چکا تب مجھے اپنے اردگرد کے ماحول سے خوف آنے لگا میں دروازے کی جانب بھاگا مگر وہ بند ہو چکا تھا میرا دل ہاتھ پاؤں جسم کانپ رہا تھا۔

''اے خدا مجھے بچانا......''

''اسد علی......تم یہاں آئے اپنی مرضی سے ہو مگر جاؤ گے میری مرضی سے، مانگو جو تمہیں چاہیے میں تمہیں دوں گا پر جو مجھے چاہیے وہ تمہیں لانا ہوگا۔''

آواز سے تو وہ لڑکی تھی پر کون تھی کہاں تھی میں نے چاروں طرف نگاہیں چلائیں۔

WAQAR AZEEM
www.pakistanipoint.com

''تم میری آواز سے ڈر رہے ہو؟'' وہ کبھی مردانہ انداز میں بولتی تو کبھی لڑکی اور کبھی بچوں کی طرح میں پریشان سے زیادہ خوفزدہ تھا۔

''مجھے..... مجھے کچھ نہیں چاہیے مجھے جانے دو خدا کے لیے۔'' میں نے ڈرتے ڈرتے بات مکمل کی۔

''مجھے سب خبر ہے تمہیں کیا چاہیے۔'' وہ ہی آواز بچوں کی طرح بولنے لگی۔ وہ میرے بارے میں سب جانتی تھی یا شاید جانتا تھا۔

''مجھے دولت چاہیے' مجھے شہرت چاہیے' مشہور ہونا ہے مجھے تم کرسکتی ہو؟'' میں نے دھیرے دھیرے کہا میرا دل بری طرح کانپ رہا تھا۔

''میں تمہیں سب کچھ دے سکتی ہوں مگر تمہیں میرے لیے خوراک لانی ہوگی چاند کی یہ چودھویں سے پہلے کچھ دن پہلے.....'' اس نے اپنی خواہش پیش کی۔

اور میں دولت کی لالچ میں اس کی خواہش کو سمجھنے بنا ہاں کر بیٹھا۔ وہ انسانی جسم کا خون پیتی تھی اب مجھے ہر ماہ ایک انسان اس کے سامنے پیش کرنا تھا۔

میں بری طرح اس دلدل میں پھنس گیا تھا شروع میں مجھے مسئلہ نہ ہوا میں جیسے جیسے مشہور ہوتا جارہا تھا امیر بھی ہورہا تھا لڑکیاں میرے آگے پیچھے رہنے لگیں۔ پھر دھیرے دھیرے یہ بات قانون تک پہنچ گئی جو لڑکی میرے ساتھ دیکھی جاتی وہ غائب ہوجاتی مجھ پر کیس بھی چلا۔

پر میں باعزت بری ہوگیا کسی کو کبھی ثبوت نہ ملا میرے خلاف اور یہ سب اس کا ہی کیا دھرا تھا نہ میں بیمار ہوتا نہ ہی کوئی پریشانی مجھے چھو سکتی تھی میرے دن شاندار تھے۔

چند ہی مہینوں میں میں نے اپنا گھر لے لیا تھا نئی گاڑی' ماں میری کامیابیاں دیکھ کے خوش ہوتی خدا کا شکر ادا کرتی اسے لگتا خدا نے اس کی سن لی ہے۔

مگر ماں بے چاری یہ نہیں جانتی تھی کہ اس کے بیٹے نے کتنی بے قصور جانیں اپنے لیے قربان کردی ہیں۔ دن' مہینے' ہفتے' سال گزرنے لگے دنیا کے کسی حصے میں بھی چلا جاؤں مگر چاند کی چودھویں رات سے پہلے اس منحوس مکان میں آنا پڑتا تھا۔

کئی بار خودکشی کی مگر لاحاصل..... میں نے لکھنا چھوڑ دیا اکثر اس ہی مکان میں پڑا رہتا فریاد کرتا۔

''مجھے خود سے آزاد کردو۔'' میں گھنٹوں تک روتا رہا اور آنکھ لگ گئی۔

''میں تم سے بہت محبت کرتا ہوں سحر..... میں تمہارے بنا اب اک پل نہیں رہ سکتا مجھ سے شادی کرلو۔'' میں نے سحر کا ہاتھ پکڑ لیا۔

''میں بھی اب آپ کے بنا نہیں رہ سکتی.....'' وہ شرما گئی۔

دو ماہ کی دوستی محبت میں بدل گئی دونوں اب ایک دوسرے کے بنا جی نہیں سکتے تھے بدروح کا حکم ملا سحر کو اس کے کھانے کی صورت میں پیش کیا جائے۔

''مگر یہ ممکن نہیں وہ میری محبت ہے میں شادی کرنے والا ہوں سحر سے' تم میری جان لے لو مگر سحر نہیں کبھی نہیں۔'' اسد علی غصے سے بولا۔

''تم نے اس سب کے بدلے اپنی زندگی سجائی ہے اسد علی اب تم اپنے وعدے سے مکر نہیں سکتے تم کو سحر کو لانا ہوگا۔'' بدروح غرا کے بولی۔ وہ آج اپنے ہی کیے پر شرمندہ تھا۔ میں نے کتنی

WAQAR AZEEM
www.pakistanipoint.com

لڑکیوں کو پیار کے جال میں پھنسا کر بدروح کی خوراک بنا دیا تھا مجھے آج اس کا سخت افسوس و غصہ تھا جب خود مجھ پر گزر رہی تھی میں مکمل ٹوٹ گیا تھا کروں تو کیا کروں میں خود غرض انسان تھا۔

''اے خدا مجھے معاف کردے میں سحر کو تمہارے آگے پیش نہیں کرسکتا وہ میری محبت ہے میری زندگی ہے تمہیں جو کرنا ہے کرلو۔'' میں اپنا فیصلہ سنا آیا شاید محبت کی طاقت نے دولت کی ہوس کو ہرا دیا تھا۔

''اب ہم شادی کر کے کہیں دور چلے جائیں گے سحر میں تم سے بہت محبت کرتا ہوں۔'' میں سحر کو ساری سچائی بتا کر بولا۔ وہ مسکرا کے میرے نزدیک آ گئی میری آنکھوں پر پٹھی تھی۔

''سحر ہم کہاں جارہے ہیں۔''

''اسد علی تم میرا سب کچھ ہو میں نے تمہارے لیے ایک گھر لیا ہے جہاں ہم شادی کے بعد رہیں گے۔'' ہم گاڑی سے اتر کر گھر میں داخل ہوگئے۔ مجھے کچھ انیست محسوس ہوئی۔

''سحر کیا اب میں پٹی کھول سکتا ہوں۔ بے چینی ہورہی ہے دل کو۔''

آنکھوں سے پٹی ہٹی تو حیران رہ گیا۔

''نہیں سحر تم میرے ساتھ ایسا نہیں کرسکتیں ہم محبت کرتے ہیں ایک دوسرے سے یہ وہی کمرہ تھا جہاں وہ کئی لڑکیوں کو تنہا اس بدروح کی خوراک بننے کے لیے چھوڑ جایا کرتا تھا۔

''مجھے معاف کردینا اسد علی مجھے گم نام نہیں مرنا، مجھے مشہور ہونا ہے۔ دولت چاہیے اور یہ سب مجھے تم دے سکتے ہو۔'' وہ مسکرا کے کمرے سے نکل گئی۔ محبت دولت کے آگے کمزور پڑ گئی تھی۔

❑❑.....❁.....❑❑

غزل

بلند ہوں گے اگر زندگی کے زینوں سے
ہم آسمان کو چھو لیں گے ان زمینوں سے

شکستہ کرتے رہیں گے خود اپنی دیواریں
مکان خوش نہیں ہوں گے اگر مکینوں سے

ہماری آنکھوں میں روشن ہیں جن کی تعبیریں
نہ جانے بکھرے کہاں خواب وہ نگینوں سے

دوبارہ چمکیں گے آ کر ہماری پلکوں پر
ستارے اتریں گے جو رات کے سفینوں سے

ظفر جو ہوں گے ہماری نجات کا باعث
ابھی وہ سجدے بہت دور ہیں جبینوں سے

صابر ظفر

WAQAR AZEEM
www.pakistanipoint.com

رحیم یار خان سے بھیجی گئی دل دہلا دینے والی تحریر

جن کی معافی

دفعتاً سانپ نے نوجوان لڑکے

کا روپ دھار لیا اور پھر.....

ایم اے خالق بھٹی

گزشتہ روز میں معمول کے مطابق اپنی دکان پر بیٹھا ہوا تھا کہ میرا دوست محمد حنیف عباسی میری دکان پر مجھے ملنے کے لیے آ گیا۔ اس وقت میرے ساتھ میرے بزرگ دوست اور سائیکل دکاندار حضور بخش بھٹی بھی بیٹھے ہوئے تھے ہم آپس میں دنیا جہاں اور ایک دوسرے کے حال احوال اور مختلف واقعات ایک دوسرے کو سنا رہے تھے کہ اچانک جنات کے حوالے سے سنے سنائے سچے واقعات موضوع محفل بن گئے۔ اس موقع پر محمد حنیف عباسی نے ایک شریر جن کا واقعہ سنایا اس نے کہا کہ یہ واقعہ اللہ آباد کی بین الاقوامی سیاسی شخصیت (آئینی ماہر و سابق وفاقی وزیر) حاجی محمد سیف اللہ خان صاحب مرحوم کے قریبی عزیز میاں حاجی عبدالحمید مرحوم سے سنا تھا۔

انہوں نے ایک دفعہ بتایا تھا کہ میں درگاہ دین پور شریف میں سجادہ نشین مولانا میاں سراج احمد صاحب دین پوری مرحوم کے پاس دیگر طلبہ کے ساتھ قرآن مجید پڑھتا تھا اور ہمارے ساتھ کچھ جن بھی قرآن مجید پڑھتے تھے۔

ایک دن ہم قرآن مجید پڑھ کر قریبی باغ میں کھیل رہے تھے کہ ایک جوگی اپنے سامان کے ساتھ ہمارے قریب سے گزرا تو ہمارے ساتھی جن نے کہا۔

"میں تمہیں ایک تماشا دکھاتا ہوں میں سانپ بن کر درخت پر چڑھ جاتا ہوں تم سب اس جوگی کو کہو کہ چادر دیکھو کہ درخت پر سانپ بیٹھا ہوا ہے اور ساتھ یہ بھی کہا کہ اگر جوگی مجھے پکڑ لے تو تم سب مجھے اس سے چھڑا لینا۔" یہ سب کچھ کہنے کے بعد وہ جن فوراً اڑ کر درخت کی ایک ٹہنی پر جا بیٹھا اور آناً فاناً سانپ کا روپ دھار لیا اور ہم نے جوگی کو جو ہم سے کچھ دور چلا گیا تھا اسے اپنے پاس بلانے کے لیے پیچھے سے آوازیں دیں تین چار بار آوازیں دینے کے بعد جوگی کو اپنے پاس آتا دیکھ کر ایک نئے کھیل سے لطف اندوز ہونے کی خاطر خوشی سے ہماری باچھیں کھل اٹھیں اور جب وہ جوگی ہمارے قریب آ گیا تو ہم سب نے اپنے اپنے چہرے پر مصنوعی گھبراہٹ طاری کر کے ہم نے جوگی کو اوپر دیکھنے کے لیے کہا اور اس سے التجا کی۔

WAQAR AZEEM
www.pakistanipoint.com

''وہ دیکھو درخت کی ٹہنی پر ایک بڑا سا سانپ بیٹھا ہے۔'' جوگی نے ہمارے اشارے کی سمت دیکھا تو وہاں واقعی ایک ٹہنی پر ایک سانپ بیٹھا ہوا تھا اس نے فوراً اپنے تھیلے میں سے اپنی بین نکالی اور بجانے لگا کافی دیر اس نے بین بجائی لیکن سانپ درخت کی ایک ٹہنی سے دوسری ٹہنی پر رینگتا پھر رہا تھا لیکن نیچے اترنے کا نام ہی نہیں لے رہا تھا ادھر جوگی کا مسلسل بین بجا بجا کر برا حال ہو چکا تھا جوگی سر سے پاؤں تک پسینے میں بھیگ چکا تھا اور جوگی طلبہ سے مخاطب ہوا۔

''بچوں بڑا کڑا سانپ ہے یا پھر کوئی جن لگتا ہے ورنہ اب تک تو وہ نیچے آ چکا ہوتا اور میں اسے پکڑ کر اپنے سندرے میں بند کر کے لے جا چکا ہوتا لگتا ہے اس ناگ کو پکڑنا میرے بس کا روگ نہیں ہے۔'' اور وہ یہ کہہ کر اپنی بین کو دوبارہ تھیلے میں ڈال کر جیسے ہی جانے لگا تو ہم سب نے اپنے چہروں پر مصنوعی پریشانی طاری کر کے اس کی دوبارہ منتیں کرنا شروع کر دیں۔

''چاچا آپ ایسے نہ جائے اس موذی سانپ کو لازمی پکڑ کر لے جائیں کیونکہ اس سانپ سے ہم سب کی جان کو خطرہ ہے اگر آپ اس کو پکڑے بغیر چلے گئے تو ہم بچے کیسے اس کو ماریں گے آپ ایک مرتبہ پھر کوشش کریں۔ یہ سانپ لازمی پکڑا جائے گا آپ نے اسے پکڑ لیا تو ہم اپنے استاد سے کہہ کر آپ کو انعام بھی دلوائے گے۔'' ہماری مسلسل منتیں کرنے پر جوگی کو ہماری حالت پر شاید رحم آ گیا اور وہ سانپ کو پکڑنے پر دوبارہ راضی ہو گیا اور اس نے اپنی گودری یعنی اپنے تھیلے سے دوبارہ بین نکالی اور ہمیں کہا۔

''وہ مٹی کا ایک استاوہ لے آئیں جس میں نمازی پانی بھر کر نماز کا وضو کرتے ہیں ہم دو لڑکے دوڑ کر مدرسے کے اندر گئے اور فوراً مٹی کا ایک استاوہ اٹھا کر لے آئے اور جوگی کو دے کر دوبارہ اس سے پوچھا۔

WAQAR AZEEM
www.pakistanipoint.com

''کسی اور چیز کی ضرورت ہو تو بتائیں ہم وہ بھی لے آئیں گے۔'' جوگی نے جواب دیا۔

''مٹی لے آؤ اور اس استاوہ میں پانی بھی بھر کر لے آؤ۔'' ہم نے اس کے کہنے کے مطابق قریبی زرعی زمین میں سے مٹی اٹھا کر لے آئے اور دوسرے لڑکے اسی استاوہ میں پانی بھر کر لے آئے اور جوگی کے حوالے کر دیے جوگی نے زمین پر تھوڑی سی مٹی اکٹھی کر کے اس کو آٹے کی طرح گوندھا اور اس میں سے کچھ گوندھی ہوئی مٹی کا ایک چھوٹا سا پیڑا بنایا اور اپنے منہ میں کچھ پڑھتے ہوئے اس پیڑے کو استاوے کی پانی والی نلکی کے آگے لگا کر پانی والی نلکی کو بند کر دیا تاکہ نلکی سے پانی باہر نہ نکل سکے اور پھر باقی گوندھی ہوئی مٹی سے استاوے میں پانی بھرنے والے منہ کے سائز کے مطابق پیڑا بنا کر اور منہ میں کچھ پڑھ کر اس کو استاوے کے ساتھ رکھ دیا اور پھر اپنے منہ میں کچھ دیر کوئی ورد پڑھنے کے بعد استاوے پر پھونک ماری اور استاوے کو اپنے قریب رکھ دیا اور دوبارہ اپنے تھیلے میں سے بین نکال کر بجانی شروع کر دی اور ہم نے اپنے من میں ہنستے ہوئے اوپر درخت کی طرف دیکھا تو سانپ تیزی سے ایک ٹہنی سے دوسری ٹہنی پر رینگتا ہوا نظر آنے لگا ہمیں اب ایسا محسوس ہونے لگا کہ اب سانپ بے چینی میں ایک ٹہنی سے دوسری ٹہنی پر بھاگ رہا ہے کچھ دیر وہ بے چینی میں درخت کی مختلف ٹہنیوں پر بھاگ دوڑ کرنے کے بعد اب درخت سے نیچے اترنے لگا اور پھر جیسے ہی وہ نیچے پہنچا جوگی نے جھٹ سے استاوہ اس کے آگے رکھ دیا اور ناگ اس میں داخل ہو گیا تو جوگی نے جھٹ سے ساتھ پڑے ہوئے مٹی کے پیڑے سے استاوے کا منہ بند کر دیا اور اس استاوے میں ناگ کو قید کر کے اپنے تھیلے میں ڈال کر چل پڑا جب وہ کچھ دور تک چلا گیا تو ہمیں جن کی بات یاد آئی۔

''اگر میں پکڑا جاؤں تو مجھے جوگی کی منت سماجت کر کے اس سے چھڑا لینا ورنہ میں زندگی بھر اس کی قید میں رہوں گا۔'' ناگ کی یہ بات یاد آتے ہی ہم سب اس جوگی کی طرف دوڑ پڑے جس طرف جوگی گیا تھا کچھ دور تک بھاگنے کے بعد ہمیں جوگی نظر آ گیا تو ہم نے زور زور سے اس کو آوازیں دے کر روکا اور اس کے قریب پہنچ کر اس کو ساری حقیقت بتائی اور کہا۔

''ہمارے ساتھی جن کو چھوڑ دے۔'' تو جوگی نے ہمیں جواب دیا۔

''میں اس کو نہیں چھوڑوں گا کیونکہ اس نے مجھے کافی دیر ستایا ہے۔'' لیکن ہم نے دوبارہ اس کی منت سماجت کرنا شروع کر دی اور اس کو بتایا۔

''یہ ہم سب کی شرارت تھی لہٰذا ہم سب آپ سے معافی مانگتے ہیں۔'' ہماری کچھ دیر منتیں کرنے کے بعد جوگی کو ہماری حالت پر ترس آ گیا اور وہ ہم سے مخاطب ہوا۔

''جب میں پہلی دفعہ بین پر زور لگا چکا تھا اور ناکام ہوا تھا تو میں سمجھ گیا تھا کہ یہ ناگ نہیں ہے بلکہ کوئی جن ہے جو مجھے تنگ کر رہا ہے تو پھر میں نے اپنے استاد کے بتائے ہوئے کلام کو پڑھ کر اس کو قید کرنے کا پکا ارادہ کر لیا اور پھر ایسا ہی کیا ہے۔'' یہ سب کچھ بتانے کے بعد اس نے اپنے تھیلے کو زمین پر رکھ کر اس میں سے وہی منہ بند استاوہ نکالا اور اس کے منہ سے مٹی کا ڈھکن ہٹانے سے قبل اپنے منہ میں کچھ دیر تک کوئی کلام پڑھتا رہا اس کے بعد جوگی نے استاوے کے منہ سے ڈھکن ہٹا دیا۔

استاوے میں سے ناگ نکل باہر آیا اور آناً فاناً انسان یعنی یہاں موجود لڑکوں کے ہم عمر لڑکے کا روپ دھار لیا سب سے پہلے اس نے جوگی کو سلام کیا اور اس کے بعد جن نے اپنے دونوں ہاتھوں کو باندھ کر جوگی سے معافی مانگنے لگا اور ساتھ ہی آئندہ کسی کو نہ ستانے کا وعدہ بھی کیا۔

NAGAR AZEEM
www.pakistanipoint.com

ہوگی نے بھی اسے معاف کرتے ہوئے اس پر ہاتھ پھیر کر کہا۔

''اللہ تعالیٰ ہمیشہ تمہیں اور ان سب لڑکوں کو خوش رکھے اور حافظ قرآن بنائے۔'' اور وہ جانے لگا تو ہم سب نے اس کو روک لیا۔

''چاچا پہلے ہمارے ساتھ کھانا کھایئے پھر چلے جایئے گا کیونکہ ہم نے آپ کو کافی پریشان کیا ہے۔'' اس کے انکار کرنے کے باوجود جوگی کو مدرسے کے اندر لے گئے اور ایک لڑکے کو باورچی خانے میں بھیجا کہ جو کچھ کھانا موجود ہو لے آئے پھر ہم اپنے ساتھی جن سے مخاطب ہوئے۔

''تم جن تو بہت طاقت ور ہوتے ہو پھر ایسا کیا ہوا کہ تم ایک جوگی کی قید میں چلے گئے تھے۔'' تو ہمارے ساتھی جن نے بتایا۔

پہلے تو میں اس کے مسلسل بین بجانے سے اس کے قابو نہیں آیا جب اس نے استاوے پر کلام پڑھ کر دوبارہ بین بجائی تو جس ٹہنی پر میں بیٹھا ہوا تھا اس ٹہنی کو آگ نے اپنی لپیٹ میں لے لیا تھا تو میں فوراً رینگ کر دوسری ٹہنی پر پہنچا تو اس کو بھی آگ اپنی لپیٹ میں لے لیتی تھی اور اسی طرح جس ٹہنی پر جاتا اسے بھی آگ اپنی لپٹ میں لے لیتی تھی اسی طرح ایک ٹہنی سے دوسری ٹہنی تک بھاگ بھاگ کر جب میں تھک گیا تو نیچے دیکھا تو مجھے ہر طرف آگ ہی آگ نظر آئی لیکن اس استاوے پر نظر پڑی تو اس میں موجود پانی کی بدولت مجھے نجات محسوس ہوئی تو میں فوراً درخت سے نیچے اتر کر اس استاوے میں داخل ہو گیا اور اس سے آگے کے سارے حالات آپ کو معلوم ہیں۔''

جن کی آپ بیتی ختم ہوئی تو جوگی چاچا بھی کھانا ختم کر چکا تھا اور وہ ہم سے رخصت لے کر روانہ ہو گیا اور ہم سب نے آئندہ کسی کو تنگ کرنے سے توبہ کر لی۔

غزل

میں اپنے آپ سے ڈرنے لگا ہوں یا تم سے
یہ راز کہہ نہیں پایا میں برملا تم سے

اُدھر اُدھر کے تو قصے بہت ستائے ہیں
مگر میں حرفِ محبت نہ کہہ سکا تم سے

بہت دنوں سے خود اپنی تلاش ہے مجھ کو
یہ اور بات میں رکھتا ہوں رابطہ تم سے

کئی دنوں سے نہیں اپنا ہوش بھی مجھ کو
کئی دنوں سے ہے سارا مکالمہ تم سے

یہ اور بات مجھے ایک اعتبار سا ہے
اگرچہ کوئی بھی پیماں نہیں ہوا تم سے

خالد معین

WAQAR AZEEM
www.pakistanipoint.com

کراچی سے ارسال کردہ پُراسرار تحریر

معمہ

اپنے بچوں کو اپنی نظروں سے دور کرنے والے والدین اکثر ان کی زندگی میں ہونے والے سانحات سے بے خبر ہی رہ جاتے ہیں.....

نفیسہ سعید

سونیا نے دیکھا سبھاش کچھ پریشان دکھائی دے رہا تھا کیک کا بیٹر پھینٹتے اُس کے ہاتھ رک گئے اور وہ آہستہ آہستہ چلتی سبھاش کے قریب آئی جو ایک بار پھر سے فون پر کوئی نمبر ملا کر اپنے کان سے لگا چکا تھا اب سونیا نے کچھ پل انتظار کیا جب سبھاش نے کان سے فون ہٹا کر لائن کاٹ دی تو سونیا نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے سوال کیا۔

''کیا بات ہے سب خیر تو ہے نا؟''

''پتہ نہیں.....'' پریشان سبھاش نے اپنے ہونٹ دانتوں کے ذریعے کچلے۔

''سوہا فون نہیں اٹھا رہی۔''

''اوہ.....'' سونیا نے ہونٹ سکوڑ کر اپنے پتی پر ایک نظر ڈالی۔

''ڈونٹ وری سبھاش میری دو گھنٹہ پہلے اُس سے بات ہوئی ہے تب وہ ڈائننگ ہال میں تھی تو یقیناً اب کھانا کھا کر اپنے کمرے میں سونے جا چکی ہوگی۔'' بات کرتے کرتے سونیا نے کلائی پر بندھی اپنی گھڑی پر ایک نظر ڈالی۔

''تقریباً دس بجنے والے ہیں میرا خیال ہے کہ وہ اب تک سو چکی ہوگی۔''

''جو بھی ہے میں نے ہمیشہ اُسے یہ ہدایت کی ہے کہ اپنے فون کی آواز کھول کر سوئے تاکہ اگر ہمیں کوئی ضرورت پیش آئے تو ہم اس سے بات کر سکیں پھر وہ فون کیوں نہیں اٹھا رہی جبکہ اُسے علم ہے کہ اس معاملے میں' میں کس قدر وہمی ہوں اور اب بھی ایسا ہی ہے اس کے فون ریسیو نہ کرنے نے مجھے بے چین کر دیا ہے۔'' بات کرتے کرتے سبھاش ایک بار پھر سے ویڈیو کال ملا کر فون اپنے سامنے کر چکا تھا۔

سونیا ایک ٹھنڈی سانس بھر کر کچن کی جانب واپس بڑھ گئی جانتی تھی کہ اکلوتی بیٹی کے معاملے میں سبھاش کس قدر جذباتی ہے یہ ہی وجہ تھی کہ جب سوہا کا داخلہ لندن کی ایک یونیورسٹی میں ہوا تو سب سے پہلے سونیا نے مخالفت کی وہ چاہتی تھی کہ ان کی بیٹی ان کی نظروں کے سامنے رہ کر اپنی پڑھائی مکمل کرے مگر چونکہ یہ سوہا کی خواہش تھی

WWW.PAKSOCIETY.COM

جسے سبھاش کسی صورت رد نہ کرسکتا تھا۔ لہٰذا سونیا کے منع کرنے کے باوجود سوہا کو کینگ ایڈورڈ یونیورسٹی میں داخلے کی اجازت دے کر لندن روانہ کردیا گیا۔

حالانکہ وہ خود اسکاٹ لینڈ کے رہائشی تھے جن کے لیے لندن جانا کوئی بہت بڑا مسئلہ نہ تھا مگر پھر بھی جوان بچی کو تنہا دوسری جگہ بھیجنا جہاں کوئی جاننے والا نہ ہو ایک خاصا صبر آزما کام تھا خاص طور پر اس صورت میں جب باپ سبھاش جیسا نفسیاتی شخص ہو تو زندگی کس قدر مشکل ہوجاتی ہے۔

اس کا اندازہ آج سونیا کو ایک ہفتے میں ہی ہوگیا تھا کہ اگر سوہا فون ریسیو کرنے میں ذرا سا بھی ٹائم لگاتی تو سبھاش بے چین ہوجاتا جیسا کہ ابھی ہو رہا تھا کہ پچھلے تیس منٹ سے وہ مسلسل بے چین تھا اور یہ بے چینی اس وقت بڑھ گئی جب دوسری جانب سوہا کا فون بند ہوگیا اور بیل کے بجائے آپریٹر کی آواز سنائی دینے لگی۔

اب سبھاش کی قوت برداشت ختم ہوگئی اور اس نے ڈائریکٹری کی مدد سے اس ہوٹل کی انتظامیہ سے رابطہ کرنے کی کوشش شروع کردی جس کے روم نمبر 1301 میں ان دنوں عارضی طور پر سوہا رہائش پذیر تھی کہ اس کے داخلہ کا کام پروسس میں چل رہا تھا اور شاید آنے والے پیر تک وہ اپنے یونیورسٹی کے ہاسٹل میں منتقل ہوجاتی جبکہ اس سے پہلے ہی وہ حادثہ پیش آ گیا جس نے سبھاش کی چھٹی حس کو شام ہی بے چین کر رکھا تھا۔

☆.....☆.....☆

WAQAR AZEEM www.pakistanipoint.com

وہ جیسے ہی لفٹ کا دروازہ کھول کر باہر نکلی اسی نوجوان کو آج بھی اپنے انتظار میں پایا جو پچھلے کچھ دن سے روزانہ اس کی ہوٹل واپسی کے وقت نیچے لابی میں اُسے اپنا منتظر ملتا اور جیسے ہی وہ کھانا کھا کر لفٹ کے ذریعے تیرہویں فلور پر واقع اپنے کمرہ میں پہنچتی وہ اجنبی نوجوان لفٹ کے باہر کوریڈور میں موجود خالی کرسی پر بیٹھا ہوتا سوہا کو حیرت ہوتی کہ وہ کس طرح اُس سے پہلے اوپر آجاتا تھا جبکہ وہ ہمیشہ لفٹ میں اُس سے پہلے سوار ہوتی مگر جب بھی اوپر آتی وہ اس سے پہلے وہاں موجود ہوتا۔

پہلے پہل تو سونیا اُس نوجوان کو اس ہوٹل کا کوئی رہائشی سمجھتی رہی پھر علم ہوا شاید وہ وہاں ملازم تھا کیونکہ اس کا حلیہ کافی سادہ سا ہوتا مگر چونکہ وہ کبھی بھی ہوٹل کے یونیفارم میں نظر نہ آیا تو سوہا کو اپنا یہ خیال بھی تبدیل کرنا پڑا لیکن ایک دن قبل جب وہ اپنی فیس کے سلسلے میں یونیورسٹی گئی تو اس وقت حیران ہوئی جب ہوٹل کی طرف سے بک کروائی گئی کار سروس کا ڈرائیور وہ نوجوان نکلا جو سوہا سے روزانہ دن میں کئی بار ٹکرا رہا تھا اور اسی دن دوران سفر اس نوجوان نے سوہا کو اپنا نام لاکیش بتایا جو انڈیا سے یہاں ملازمت کے لیے آیا تھا اور پچھلے کچھ ماہ سے ہوٹل کی ٹیکسی سروس سے وابستہ تھا۔

لاکیش یہاں بالکل تنہا تھا ایسے میں سوہا کو اپنے ملک اور مذہب کا سمجھ کر اس کی جانب متوجہ ہوا جبکہ سوہا کی اپنی مصروفیات اتنی تھیں کہ وہ اس دن کے بعد دوبارہ لاکیش سے بات نہ کرسکی لیکن آج وہ ایک بار پھر لابی سے اٹھ کر اس کے پیچھے اوپر تک آگیا تو اسے حیرت کے ساتھ ساتھ کچھ عجیب بھی لگا یہ ہی وجہ تھی کہ وہ لفٹ سے باہر نکلتے ہی ٹھٹک گئی اور لاکیش کے سامنے جا رکی۔

''کیا بات ہے تم یہاں کیا کر رہے ہو؟'' سوہا کا لہجہ اکتایا ہوا تھا صاف محسوس کیا جاسکتا تھا کہ اسے لاکیش کا اپنے پیچھے پیچھے اوپر تک آنا بالکل پسند نہیں آیا ہے دوسری طرف لاکیش کو سوہا کا اس طرح اچانک سوال کی امید نہ تھی لہٰذا وہ تھوڑا سا گھبرا کر اٹھ کھڑا ہوا۔

''کچھ نہیں ایک سواری کا سامان اوپر پہنچانے آیا تھا۔'' اس کا لہجہ چغلی کھا رہا تھا کہ وہ جھوٹ بول رہا ہے مگر سوہا اس کی بات کو قطعی نظر انداز کرتی اپنے کمرہ کی جانب بڑھی اور دروازے کا لاک کھول کر وہ چند سیکنڈ باہر منتظر کھڑی رہی مبادا لاکیش اس کے پیچھے روم میں نہ آجائے مگر وہ شاید وہاں سے جاچکا تھا کیونکہ کوریڈور بالکل خالی پڑا تھا تو اپنی تسلی کے بعد اس نے اطمینان سے کمرے میں داخل ہوکر دروازہ لاک کرلیا۔

☆.....☆.....☆

ہوٹل انتظامیہ سے رابطہ ہوتے ہی سہاش کی پریشانی میں اسی وقت مزید اضافہ ہوگیا جب ہوٹل منیجر نے بتایا کہ روم نمبر 1301 کا دروازہ لاک ہے۔ شاید مس سوہا ابھی تک ہوٹل نہیں پہنچیں۔'' مخصوص جملہ پروفیشنل انداز سے ادا کر کے منیجر نے فون بند کردیا مگر سہاش نے فوراً ہی دوبارہ کال ملائی اور منیجر کے فون اٹھاتے ہی بے چین سے بولا۔

''سر میری دو گھنٹے پہلے اپنی بیٹی سے وڈیو کال پر بات ہوئی تو وہ آپ کے ہوٹل کے ڈائننگ ہال میں موجود ڈنر کر رہی تھی اور پھر اس کے اپنے کمرہ میں جاکر آرام کرنے کی اطلاع بھی مجھے مل چکی ہے مگر اب وہ فون کیوں نہیں اٹھا رہی یہ مسئلہ

WAQAR AZEEM
www.pakistanipoint.com

''سچی کہانیاں/دوشیزہ'' اب گھر بیٹھے حاصل کیجیے

ادارہ 'سچی کہانیاں' اپنے قارئین کی سہولت کے لیے دفتر میں ایک ڈیسک قائم کر رہا ہے۔ آپ کو اگر 'سچی کہانیاں' ملنے میں دشواری ہے تو بذریعہ فون یا میسیج ہمیں مطلع کریں آپ کہیں بھی رہتے ہیں ادارہ آپ کے گھر کے پتے پر بذریعہ وی پی 'سچی کہانیاں' ارسال کرے گا اس طرح آپ اور آپ کے پیارے 'سچی کہانیاں' کے درمیان جو دوریاں پیدا کردی جاتی ہیں وہ بھی ختم ہو جائیں گی۔ 'سچی کہانیاں' اب گھر بیٹھے حاصل کیجیے۔

فوری رابطہ 021-35893121-22-23

موبائل نمبر 0309-0364564

WAQAR AZEEM www.pakistanipoint.com

پریشان کن تھا کہ اچانک ہی اس کا فون بند ہوگیا جس نے مجھے مزید پریشان کردیا اس لیے میں چاہتا ہوں کہ کسی کو بھیج کر آپ اس کا کمرہ چیک کریں تاکہ علم ہوسکے کہ وہ کمرے میں ہے یا نہیں۔''

''وہ تو ٹھیک ہے سر لیکن یہاں ان کے کمرہ کی چابی موجود نہیں ہے جس کا مطلب ہے کہ وہ اپنے روم میں ہی ہیں آپ پریشان مت ہوں میں کسی کو بھیج کر دیکھتی ہوں۔'' اس بار دوسری جانب کوئی خاتون تھیں جن سے بات کرکے سبھاش کو خاصی تسلی ہوئی اور پھر وہ ایک ایک پل گن گن کر گزارنے لگا کہ کب ہوٹل انتظامیہ اُسے کال کرکے سوہا کی خیریت کی اطلاع دے یا پھر سوہا کال بیک کرکے ناراض ہو۔

''آپ کیوں بلاوجہ یہاں وہاں میری تلاش کے لیے ہرکارہ دوڑا دیتے ہیں میں کوئی بچی تھوڑی ہوں جو گم ہوجاؤں گی۔'' سبھاش جانتا تھا کہ ان حالات میں اُس کی بیٹی کا کیا ردعمل ہوتا ہے جسے سوچ کر وہ مسکراتا بھی رہا مگر ایک گھنٹے بعد ہوٹل انتظامیہ کی طرف سے آنے والی فون کال نے اس کے تمام تر خدشات کی تصدیق کردی جن میں وہ اس وقت سے مبتلا تھا جب سوہا نے اس کی کال ریسیو نہ کی تھی۔

☆.....☆.....☆

سوہا کو آج یونیورسٹی جانا تھا جہاں اس کے کچھ ٹیسٹ تھے مگر اپنے کمرہ سے باہر قدم رکھتے ہی وہ حیرت زدہ رہ گئی جب دیکھا لاکیش رات والے حلیے میں ہی کوریڈور کی خالی کرسی پر بیٹھا غالباً اسی کا منتظر تھا سوہا نے کمرہ لاک کرکے یہاں وہاں دیکھا پورا کوریڈور خالی پڑا تھا۔ وہ باہر نکل کر تیزی سے لفٹ کی جانب بڑھی جب ایک دم لاکیش اس کے سامنے آ گیا۔

''کیا بات ہے؟'' سوہا کو حیرت کے ساتھ ساتھ غصہ بھی آیا۔

''ہٹو میرے سامنے سے مجھے دیر ہورہی ہے۔'' لفٹ کے بٹن کو پریس کرتی وہ شیشے کے دروازہ کی جانب بڑھی جہاں راستہ روکے لاکیش کھڑا تھا۔

''مجھے تمہاری ضرورت ہے۔'' لاکیش کی زبان سے پھسلنے والا یہ جملہ اتنا غیر متوقع تھا کہ وہ چونک کر اپنی جگہ رک گئی۔

''حیران مت ہو۔'' لاکیش سرسراتی آواز میں بولا۔

''میں سچ کہہ رہا ہوں مجھے تمہاری ضرورت ہے۔'' وہ سوہا کے قریب ہوا ہی تھا کہ سوہا نے دھکا دے کر اسے دور ہٹایا اتنے میں لفٹ اوپر آ گئی تھی اس کے شیشے کا آٹومیٹک دروازہ کھل چکا تھا سوہا نے چاہا وہ جلدی سے اندر داخل ہوجائے مگر لاکیش نے لفٹ کے دروازے میں پاؤں دے دیا اور ڈھٹائی سے بولا۔

''جب تک تم میری بات نہیں سنوگی یہ لفٹ یہاں سے نہیں جائے گی۔''

''بکواس بند کرو اپنی اور ہٹو یہاں سے۔'' سوہا چیخی جب اچانک ایک صفائی والا لڑکا اس کی آواز سن کر لفٹ کی جانب آ گیا اور حیرت سے سوہا کو تکنے لگا جبکہ اس لڑکے کے آتے ہی لاکیش بھی خاموشی سے لفٹ میں داخل ہوگیا اور محض چند سیکنڈ میں وہ دونوں گراؤنڈ فلور پر جا پہنچے ان حالات کو دیکھتے ہوئے سوہا فیصلہ کرچکی تھی کہ وہ نہ صرف لاکیش کے متعلق ہوٹل میں شکایت درج کروائے گی بلکہ آج ہی اپنے ڈیڈ کو بھی فون پر ساری تفصیل بتادے گی۔

WAQAR AZEEM www.pakistanipoint.com

مبادا بے خبری میں کہیں لاکیش اُسے کوئی نقصان نہ پہنچادے سچ یہ تھا کہ وہ لاکیش سے خوف محسوس کررہی تھی۔ وہ کاؤنٹر کی جانب بڑھی جبکہ لاکیش کاؤنٹر کے قریب موجود صوفے پر جابیٹھا۔

''جی میم میں آپ کی کیا مدد کرسکتی ہوں؟'' سوہا کو کاؤنٹر کی جانب آتا دیکھ کر کمپیوٹر پر موجود لڑکی خوش اخلاقی سے مسکرائی جواباً سوہا نے لاکیش کے متعلق ساری تفصیل اس لڑکی کو سنادی اس کا لابی سے اٹھ کر اوپر تک آنا' ٹیکسی سروس کے متعلق اور پھر آج ابھی کچھ دیر قبل پیش آنے والا واقعہ جسے سن کر حیرت سے لڑکی کا منہ کھلا رہ گیا۔

''اوہ سوری میم ہمیں افسوس ہے کہ آپ کو اس ہوٹل میں ہمارے کسی ملازم کی وجہ سے تکلیف اٹھانا پڑی۔'' لڑکی کے لہجے میں موجود شرمندگی صاف محسوس کی جاسکتی تھی۔

''کیا آپ اس ملازم کا حلیہ یہاں نوٹ کرواسکتی ہیں۔'' لڑکی نے کمپیوٹر کی جانب متوجہ ہوتے ہوئے سوہا کو مخاطب کیا۔

''حلیہ.....'' سوہا بڑبڑائی۔

''ایک منٹ.....'' اب اُس نے پیچھے پلٹ کر اس جانب دیکھا جہاں لاکیش بیٹھا اسے ہی دیکھ رہا تھا پھر وہ کاؤنٹر گرل کے قریب ہوکر بولی۔

''آپ سامنے دیکھیں بلیک صوفے پر سفید شرٹ پہنے وہ ہی نوجوان بیٹھا ہے جو ابھی ابھی میرے ساتھ لفٹ میں نیچے آیا ہے۔'' کاؤنٹر گرل نے اس کے اشارے کی جانب دیکھا اور مسکرادی۔

''مگر میم وہاں تو کوئی بھی نہیں ہے۔'' سوہا کو حیرت ہوئی کیونکہ لاکیش ابھی بھی اپنی جگہ موجود اُسے ہی دیکھ رہا تھا اُسے لگا کاؤنٹر گرل شاید مذاق کے موڈ میں ہے جب اچانک ہی سوہا نے اپنے قریب کھڑے شخص کو پکارا۔

''ایکسکیوزمی سر کیا آپ کو پیچھے بلیک صوفے پر بیٹھا نوجوان دکھائی دے رہا ہے۔'' اس کے توجہ دلانے پر ادھیڑ عمر شخص نے مڑکر دیکھا اور انکار میں سر ہلاتے ہوئے بولا۔

''وہاں تو کوئی بھی نہیں ہے۔'' اب سوہا چونکی اور پلٹ کر اپنے پیچھے دیکھا جہاں موجود صوفہ بالکل خالی پڑا تھا جب اسی دم اسے اوپر صفائی کرنے والا لڑکا آتا دکھائی دیا وہ تیزی سے اُس کی جانب بڑھی اور تصدیق چاہی۔

''کیا تم نے لفٹ میں میرے ساتھ ایک سفید شرٹ والے نوجوان کو دیکھا تھا ابھی کچھ دیر پہلے جو مجھ سے لڑ رہا تھا اور تم میری آواز سن کر شاید کسی کمرے سے باہر آئے تھے۔''

''سوری میم آپ چیخ ضرور رہی تھیں مگر آپ کے ساتھ کوئی تھا نہیں یقین جانیں لفٹ میں آپ بالکل تنہا نیچے آئی ہیں۔'' لڑکا بات مکمل کرکے جاچکا تھا اور سوہا اپنی جگہ ہکا بکا کھڑی تھی۔ ایسے میں ہوٹل منیجر نے کچھ دیر بعد اُسے یہ بتا کر مزید پریشان کردیا کہ ٹیکسی سروس میں لاکیش نامی کوئی بھی انڈین نوجوان موجود نہ تھا جبکہ تیرہویں فلور کا کیمرہ بھی کسی اجنبی نوجوان کو کوریڈور میں دکھانے سے انکاری تھا پھر وہ کون تھا جو کچھ دنوں سے مسلسل سوہا کا پیچھا کررہا تھا یہ سوال اتنا پریشان کن تھا کہ اکیس سالہ سوہا گھبرا گئی اور اسے بہتر لگا کہ آج یونیورسٹی سے واپسی پر اپنے ڈیڈ سے بات کرکے انہیں یہاں کی ہر بات بتادے مگر اس کی نوبت ہی نہ آئی اور وہ حادثہ ہوگیا جس سے وہ خوف زدہ تھی۔

☆.....☆.....☆

سوہا کا روم خالی تھا شاید وہ ہوٹل ہی نہ آئی تھی ہوٹل انتظامیہ کی جانب سے دی جانے والی یہ خبر اتنی تشویشناک تھی کہ سجاش اور سونیا کے لیے رات

www.paksitanipoint.com

گزارنا مشکل ہوگیا اور صبح ہونے سے قبل ہی وہ لوگ لندن کے لیے روانہ ہوگئے اور تقریباً دوپہر تک اسی ہوٹل جا پہنچے جہاں سوہا رہائش پذیر تھی اور اس کے منیجر کے بیان کے مطابق سوہا کے روم کی چابی کاؤنٹر پر نہ تھی۔ جس کا مطلب تھا کہ وہ ہوٹل آئی ہے جبکہ ہوٹل کے ڈائننگ ہال میں موجود کیمرہ بھی یہ تصدیق کررہا تھا کہ اس نے وہاں بیٹھ کر ڈنر بھی کیا ہے پھر وہ اوپر جاتے ہوئے بھی دیکھی گئی لیکن وہ اپنے کمرے میں نہ تھی اور یہ صورت حال اس قدر ہولناک تھی کہ سجاش کا ذہن کچھ بھی سوچنے سمجھنے سے قاصر تھا اس کی اکلوتی اور لاڈلی بیٹی لندن کے ہوٹل سے غائب ہوگئی تھی۔ جس کی ذمہ داری کوئی بھی لینے کو تیار نہ تھا لامحالہ سجاش کو پولیس سے رابطہ کرنا پڑا تاکہ وہ تحقیقات کریں کہ سوہا کہاں گئی؟

☆.....☆.....☆

مما سے فون پر بات کرتے ہوئے سوہا بالکل نارمل تھی کیونکہ وہ انہیں لاکیش کے متعلق بتا کر پریشان نہ کرنا چاہتی تھی اس لیے اُسے انتظار تھا کہ جب ڈیڈ آفس سے گھر آ کر اسے فون کریں تو وہ لاکیش کے متعلق ہر بات اُن سے شیئر کرلے آج خلاف توقع لاکیش بھی نیچے نہ تھا اس لیے وہ نہایت اطمینان سے لفٹ کے ذریعے اپنے فلور تک پہنچ گئی جہاں خلاف توقع آج کوریڈور خالی تھا جسے دیکھ کر سوہا نے اطمینان کی سانس لی ویسے بھی وہ اب صرف دو دن اس ہوٹل میں تھی۔ پیر تک اسے اپنا سامان لے کر ہوٹل منتقل ہوجانا تھا اسی سوچ میں گم اپنے کمرہ کا دروازہ کھول کر وہ جیسے ہی اندر داخل ہوئی ٹھٹک کر اپنی جگہ رک گئی کیونکہ کمرے کے واحد بیڈ پر لاکیش بیٹھا اُسے ہی دیکھ رہا تھا۔

ایسے میں بیک وقت حیرت اور غصے کی کیفیت اس پر حملہ آور ہوگئی اور وہ تیز آواز میں چلائی۔

''تم یہاں میرے کمرے میں کیا کررہے نکلو یہاں سے ابھی اور اسی وقت فوراً چلو۔'' ا نے دیکھا لاکیش پر اس کی چیخ و پکار کا کوئی اثر ہورہا تھا اسی سبب وہ بدستور اسے دیکھ کر مسکراتا اپنی جگہ سے اٹھ کھڑا ہوا اور دھیرے دھیرے چ اس کے قریب آ گیا۔

''شش.....'' لاکیش نے اپنے ہونٹوں انگلی رکھ کر سوہا کو خاموش کروایا۔

''مت چلاؤ کیونکہ یہاں تمہاری آواز کو نہیں سنے گا۔'' سوہا نے اس کی بات کا کوئی جواب نہ دیا اور عالم بدحواسی میں لفٹ کی جانب دوڑی اس نے دیکھا لاکیش اس کے پیچھے ہی آرہا تھ سوہا نے جلدی سے لفٹ کا بٹن دبایا جب تک لاکیش اس کے سر پر آن پہنچا۔

''دیکھو تم کچھ بھی کرلو مگر مجھے تمہاری ضرورت ہے اس لیے تم یہاں سے نہیں جاسکو گی۔'' عجیب خوفناک اور سرسراتی ہوئی آواز سوہا نے دیکھ لاکیش کا رنگ بالکل سفید پڑ چکا تھا اتنے میں لفٹ اوپر آ گئی تھی سوہا نے اس کا دروازہ کھولا جبکہ لاکیش پہلے ہی لفٹ میں داخل ہوگیا سوہا باہر ہی رک گئی کیونکہ آج اُسے لاکیش سے عجیب طرح کا خوف محسوس ہورہا تھا۔

''پلیز مجھے یہاں سے جانے دو۔'' ہاتھ جوڑتی سوہا ملتجی نگاہوں سے اُسے دیکھتے ہوئے بولی۔

''میری ضرورت پوری کردو پھر یہاں سے چلی جانا۔'' جواباً لاکیش خباثت سے مسکرایا۔

''تمہاری ضرورت.....؟'' سوہا نے اُسے دیکھا۔

''کیا چاہیے تمہیں؟''

WAQAR AZEEM
www.paksociety.com

''تمہارا خون......'' الفاظ کے ساتھ اس کا چہرہ اچانک بھیانک ہوگیا کہ مارے خوف سوہا بے ہوش ہوکر فرش پر آن گری اور دنیا و مافیہا سے بے خبر ہوگئی۔

☆......☆......☆

پولیس کی کارروائی کا بھی کوئی نتیجہ نہ نکلا سوہا کا فون ٹریس نہ کیا جاسکا اس کا سارا سامان اپنے کمرے میں ہی تھا جسے لے کر روتا پیٹتا سبھاش اور دنیا اسکاٹ لینڈ واپس آ گئے جب اچانک ایک ماہ بعد لندن سے آنے والے فون نے ان کے تن مردہ میں جان ڈال دی فون پولیس اسٹیشن سے یہ اطلاع دینے کے لیے کیا گیا تھا کہ سوہا مل گئی ہے۔''

اب وہ دونوں بھاگم بھاگ لندن پہنچے جہاں سوہا کا مردہ جسم ان کا منتظر تھا جو اسی ہوٹل کی چھت کی ٹنکی سے ملا تھا جہاں وہ رہائش پذیر تھی حیرت انگیز بات یہ تھی کہ اس کے جسم پر تشدد کا کوئی نشان نہ تھا لیکن سارا جسم خون سے عاری تھا اس کا موبائل بھی ٹنکی میں ہی تھا اور ٹنکی اتنی اونچائی پر تھی کہ وہاں تک بنا سیڑھی جانا ناممکن تھا جبکہ چھت پر کوئی سیڑھی نہ تھی پھر وہ ٹنکی میں کیسے گئی؟ یہ ایک ایسا معمہ تھا جسے کوئی حل نہ کرسکا ٹنکی کا ڈھکن باہر سے لاک تھا اور چابی نیچے کاؤنٹر پر تھی۔

ہوٹل کی ویڈیو کے مطابق سوہا کسی غیر مرئی وجود سے جھگڑ رہی تھی جو کیمرہ کی آنکھ سے اوجھل تھا جبکہ سبھاش کو پورا یقین تھا کہ اُس کی بیٹی کا قتل ہوا ہے جس میں ہوٹل کا کوئی ملازم ملوث تھا اور ویڈیو بھی ایڈٹ شدہ تھی یا شاید درمیان سے غائب کردی گئی جو بھی تھا سوہا مر چکی تھی اور یہ ایک ایسا معمہ تھا جو جانے کب حل ہو سبھاش اس واقعے کے بعد کئی بار لندن گیا۔

ہر بار اس امید کے ساتھ کہ شاید وہ اپنی بیٹی کے پُراسرار قتل کا معمہ حل کرسکے مگر ناکام رہا البتہ اُسے یہ ضرور معلوم ہوا کہ چھت پر لگا آہنی گیٹ ہمیشہ بند رہتا تھا جس کی چابی صرف صفائی کرنے والے عملے کو فراہم کی جاتی پولیس کی پوسٹ مارٹم رپورٹ کے مطابق سوہا کے ساتھ کوئی زیادتی نہیں کی گئی نہ اُس کے جسم میں کسی نشے کی موجودگی ظاہر ہوسکی عام خیال تھا کہ وہ باقائمی ہوش و حواس خود اوپر گئی ہے مگر سوال یہ تھا کہ اُس کے پاس چھت کی چابی کہاں سے آئی؟ اور وہ ٹنکی تک کیسے پہنچی جہاں جانے کے لیے کوئی سیڑھی چھت پر موجود نہ تھی اور ٹینکی میں سوہا کی موجودگی کا علم بھی شاید کسی کو نہ ہوتا اگر ہوٹل کے پانی میں ہلکی سی بدبو نہ پیدا ہوتی جس کے بعد کچھ لوگوں کی شکایت پر پانی کی ٹنکی چیک کی گئی جہاں سے سوہا کی لاش برآمد ہوئی۔

ہوٹل انتظامیہ اسے کسی غیر مرئی مخلوق کا کام قرار دے رہی تھی جبکہ کچھ تحقیقات کے بعد سبھاش کے علم میں یہ بھی آیا کہ اس ہوٹل سے غائب ہونے والی سوہا واحد لڑکی نہ تھی بلکہ تیرہویں فلور پر اکثر ایسے حادثات پیش آچکے تھے اور حیرت کی بات یہ تھی کہ ان سب باتوں کے باوجود تیرہواں فلور بند نہیں کیا گیا۔

جبکہ اصولی طور پر وہ تنہا لڑکیوں کو رہائش ہی نہیں دینا چاہیے تھی اور اب سب باتوں کے قطعی نظر سبھاش کو آج بھی یقین ہے کہ وہ اپنی کوشش کے ذریعے سوہا کے قاتل تک پہنچ کر اُسے سزا ضرور دلوائے گا جس کی بظاہر کوئی امید نظر نہیں آ رہی لیکن ہوسکتا ہے کہ آنے والے وقتوں میں یہ ممکن ہوجائے فی الحال تو وہ اپنی بے چین روح کے ساتھ اسکاٹ لینڈ اور لندن کے درمیان چکراتا پھر رہا ہے کہ اکلوتی بیٹی کی تکلیف دہ موت اُسے سکون نہیں لینے دے رہی۔

□□......❁......□□

WAQAR AZEEM www.pakistanipoint.com

کراچی سے بھیجی گئی ڈراؤنی تحریر

وہ بھیانک رات

سیاہ تاریک رات میں وہ بچہ چھت پر لگے پنکھے سے الٹا لٹک رہا تھا یہ منظر کسی کے بھی حواس معطل کرنے کے لیے کافی تھا.....

نازیہ بتول رضا

یہ ان دنوں کا ذکر ہے جب ہم ایک کمرے کے کرائے کے مکان کی تلاش میں تھے لیکن کراچی جیسے شہر میں یہ جوئے شیر لانے کے مترادف تھا میرے شوہر نے اپنے جان پہچان والوں اور دوستوں کو کہہ رہا تھا کہ وہ ایک کمرے کا مناسب کرائے والا گھر نظر میں رکھیں اور جیسے ہی ملے ہمیں بتائیں سب ہی اپنی سی کوشش کر رہے تھے لیکن مکان مل ہی نہیں رہا تھا اور مجھے فوری طور پر شفٹ ہونا تھا۔

اچانک ہماری یہ تلاش ختم ہوگئی جب میرے شوہر عادل کو ان کے ایک دوست نے ایک مکان کے بارے میں بتایا اور دیکھنے کے لیے بلوایا اندھا کیا چاہے دو آنکھیں، میرے شوہر فوراً مجھے ساتھ لے کر اس جگہ پر پہنچے جہاں ان کا دوست پہلے سے مالک مکان کے ساتھ موجود تھا۔

وہ لوگ اسی گھر کے باہر کھڑے تھے جو ہم لینے والے تھے میں نے دیکھا گھر باہر سے ہی کافی خستہ حال لگ رہا تھا داخلی دروازے کا اصلی رنگ نجانے کب کا اڑ چکا تھا اور زنگ نے پورے دروازے پر اپنا قبضہ جمایا ہوا تھا۔

باہر کی دیوار کی آدھی آدھی اینٹیں جھڑ چکی تھیں جو سلامت تھیں ان کا پلاسٹر اکھڑ چکا تھا میں گھر کی خستہ حالی دیکھ کر خاصی مایوس ہوئی مالک مکان عادل سے علیک سلیک کرنے کے بعد دروازے کا زنگ آلود تالا کھول رہے تھے جبکہ عادل میرے چہرے کے تاثرات پڑھ رہے تھے وہ سمجھ گئے تھے کہ اس گھر کو دیکھ کر مجھے کوئی خوشی نہیں ہوئی لیکن بہرحال آ گئے تھے تو گھر دیکھنا بھی تھا۔

مالک مکان داخلی دروازہ کھول کر اندر چھوٹی سی گیلری میں کھڑے ہمیں آنے کی دعوت دے رہے تھے میں نے عادل کی طرف دیکھا تو انہوں نے مجھے چلنے کا اشارہ کیا اور میرے ساتھ خود بھی اس گھر میں داخل ہو گئے۔ گھر کیا تھا ایک کھولی تھی جو صرف ایک چھوٹے سے سیلن زدہ کمرے پر مشتمل تھی کمرے میں ہی ایک طرف کچن تھا کچن

WWW.PAKSOCIETY.COM
www.paksociety.com

ھی لیا تھا چھوٹا سا ایک سلیب لگا کر ایک کونے کو
ن کی صورت دے دی گئی تھی جبکہ باتھ روم باہر
لی میں بنا ہوا تھا وہ بھی بابا آدم کے دور
کا۔۔

عجیب وحشت زدہ گھر تھا گھٹن ہی گھٹن، جہاں ایک پل دل نہ لگے مجھے وحشت ہونے لگی تو میں باہر نکل گئی چند لمحوں بعد عادل بھی مالک مکان سے بات کر کے باہر نکل آئے۔

مالک مکان نے عادل کو اپنا فون نمبر دیا اور کہا۔

''جو بھی جواب ہو شام تک سوچ کر بتا دیں ورنہ مکان کسی اور کو دے دیا جائے گا۔''

عادل نے چپ چاپ ان سے نمبر لیا اور مجھے بائیک پر بٹھا کر واپس چلے۔

''اُف توبہ کیسا وحشت ناک اور گھٹن زدہ مکان ہے میں تو یہاں نہیں رہ سکتی عادل......'' میں نے بائیک پر بیٹھتے ہی کہا۔

''کیوں تمہیں پسند نہیں آیا مکان......؟'' عادل نے حیرت سے پوچھا۔

''پسند؟'' میں نے تقریباً چلا کر کہا۔

''اس میں پسند آنے والا کیا ہے؟ چھوٹا سا سٹور نما کمرہ ہے شروع ہوتے ہی ختم......''

''تو ہمیں ایک کمرے کے مکان کی ہی تو ضرورت تھی ویسے بھی ہم دونوں اکیلے ہی تو ہیں میں تو سارا دن جاب پر رہوں گا تمہیں کافی ہے یہ کمرہ......'' عادل نے موڑ کاٹتے ہوئے مجھے سمجھانے کی کوشش کی۔

''وہ تو ٹھیک ہے لیکن رونق نہیں ہے اس گھر میں عجیب وحشت سی ہے۔'' میں نے اُلجھتے ہوئے کہا۔

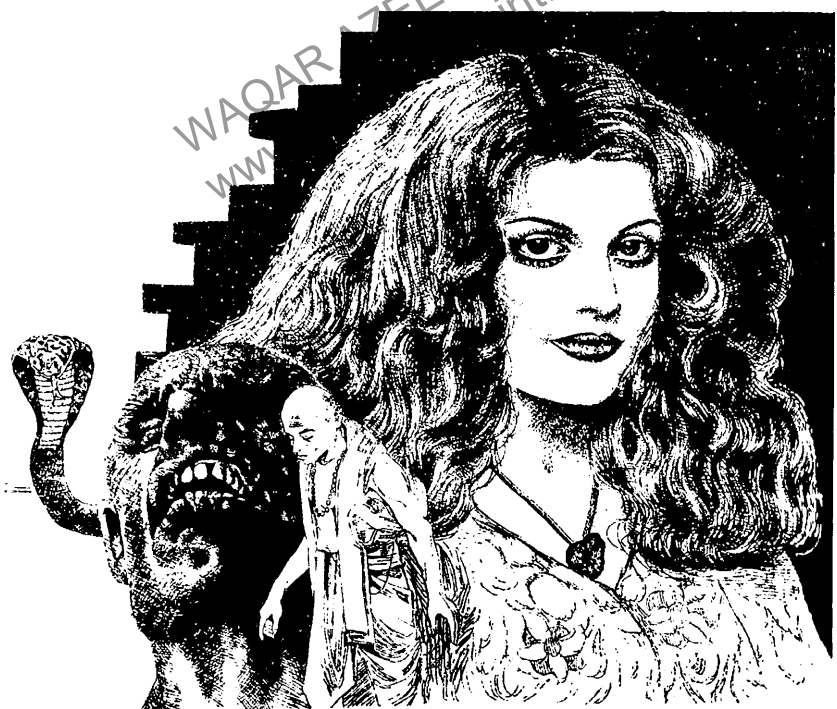

''ارے پاگل عورت' رونق لوگوں سے ہوتی ہے ابھی وہ گھر دو سال سے بند پڑا تھا جب ہم وہاں جائیں گے تو اسے اپنے حساب سے سیٹ کرلیں گے تھوڑا سا رنگ و روغن کروالیں گے تو یہی گھر چمک اٹھے گا اور پھر یہ گھر ہمیں سستا بھی پڑے گا کرایہ بہت مناسب ہے اور مجھے دور بھی نہیں پڑے گا میرے خیال سے یہ گھر ہر لحاظ سے بہتر ہے بتاؤ اب دے دوں ایڈوانس؟'' عادل نے لمبی تمہید باندھ کر آخر میں میری رائے لینا ضروری سمجھا۔

''ٹھیک ہے اگر آپ کو سمجھ آ گیا ہے تو دے دیں ایڈوانس.....'' میں نے ہار مانتے ہوئے دھیمے لہجے میں کہا۔

''اوکے میں آج ہی شام میں انہیں ایڈوانس دے دوں گا۔'' عادل گھر کے آگے بائیک روکتے ہوئے بولے تو میں بھی مطمئن ہوکر اتر گئی اور شفٹ ہونے کی تیاری کرنے لگی۔

☆.....☆.....☆

اسی شام عادل نے مالک مکان کو ایڈوانس دے کر صفائی وغیرہ کا کام شروع کروادیا اور اگلے ہی دن ہم اپنے مختصر سے سامان کے ساتھ وہاں شفٹ ہوگئے۔

وہ نجانے رات کا کونسا پہر تھا کہ اچانک سے میری آنکھ کھلی لیکن آنکھ کھلنے کا سبب مجھے سمجھ نہیں آرہا تھا لگتا تھا جیسے مجھے کسی نے جگایا ہے لیکن کس نے؟ میں نے لیٹے لیٹے ہی اپنے اردگرد دیکھنے کی کوشش کی لیکن مجھے اندھیرے میں کچھ دکھائی ہی نہیں دے رہا تھا میری دائیں جانب عادل دنیا و مافیہا سے بے خبر پُرسکون نیند سو رہے تھے میں نے انہیں اٹھانا مناسب نہ سمجھا اور کروٹ بدل کر دوبارہ سونے کی کوشش کرنے لگی۔

اچانک مجھے محسوس ہوا کہ بیڈ کے نیچے کچھ ہے میں نے دیکھنے کے لیے اٹھ کر کمرے کی لائٹ جلائی پل بھر میں کمرے کی ہر چیز واضح دکھائی دینے لگی۔ میں دبے دبے قدموں سے بیڈ کے قریب گئی اور نیچے جھک کر دیکھنے لگی ایکدم سے ایک سیاہ بلا بالکل میرے منہ کے قریب سے بھاگا میں یکدم خوفزدہ ہوکر پیچھے گری اور میرے منہ سے زوردار چیخ نکل گئی میں بری طرح ڈر گئی تھی میرے چیخنے سے عادل ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھے اور مجھے نیچے گرا دیکھ کر دوڑ کر میرے پاس آئے۔

''کیا ہوا ہانیہ.....؟ تم ڈر گئی ہو یا نیچے گری ہو؟'' عادل فوری طور پر کچھ سمجھ نہیں پائے تو بے ربط سوالات کرنے لگے۔

''وہ..... وہ کالا بلا..... میں ڈر گئی عادل.....'' ابھی تک میری سانس تیز تیز چل رہی تھی اور دل لگتا تھا ابھی پسلیاں توڑ کر باہر آجائے گا۔

''کچھ نہیں ہے یہاں..... تم یقیناً خواب میں ڈر گئی ہو چلو اٹھو اور لائٹ اور سونے کی کوشش کرو۔'' عادل نے مجھے تسلی دے کر اٹھایا اور آرام سے بیڈ پر لٹا کر لائٹ آف کردی اور میں کچھ نہ کہہ سکی۔

☆.....☆.....☆

اس کے بعد دو تین دن سکون سے گزر گئے میں بھی اس واقعے کو تقریباً بھول گئی اس رات ہمیں عادل کے دوست کی شادی میں جانا پڑ گیا قریبی دوست تھے تو ایک دن وہاں رُکنے کی غرض سے ہم دونوں میاں بیوی اپنا کچھ ضروری سامان ساتھ لے کر نکل پڑے شادی حیدرآباد میں تھی ان کی فیملی نے ہمارا پرتپاک استقبال کیا اور ان کے پُرزور اصرار پر ہمیں ایک دن کے بجائے دو دن رُکنا پڑ گیا ہمارے بچے تو تھے نہیں اس لیے ہم

WWW.PAKSOCIETY.COM
www.pakistanipoint.com

بے فکری سے شادی اٹینڈ کر کے تیسرے دن گھر آ گئے۔

لیکن گھر آ کر میری اور عادل کی آنکھیں حیرت سے پھٹی کی پھٹی رہ گئیں سامنے منظر ہی ایسا تھا جو ہوش اڑا دینے کے لیے کافی تھا۔

ہمارا پورا گھر الٹا ہوا پڑا تھا میری الماری کے سارے کپڑے فرش پر بکھرے پڑے تھے بیڈ کی چادر جو ہر وقت سلیقے سے بچھی رہتی تھی ایسی ہو رہی تھی جیسے درجنوں بچے اس پر کودے اور اچھلے ہوں۔ پردے راڈ سمیت نیچے پڑے تھے میں یہ سب دیکھتی ہوئی کچن میں پہنچی تو وہاں کی حالت مزید دگرگوں تھی آٹا' دال' چاول اور مصالحے سب فرش پر بکھرے پڑے تھے تیل کے ڈبے کا ڈھکن کھل کر گرا ہوا تھا اور تیل کا ڈبہ لڑھک کر نیچے پڑے مصالحوں میں شامل ہو رہا تھا۔

عادل اور میں حیران پریشان سر تھامے یہ سب نظارہ دیکھ رہے تھے یہ سب دیکھ کر میں تو سر پکڑ کر بیٹھ چکی تھی مجھے کچھ بھی سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ آخر یہ سب کیا ہے؟ بند گھر میں یہ سب کس کی کارستانی ہے؟

میں نے سوالیہ نظروں سے عادل کی طرف دیکھا ان کے چہرے پر بھی ہوائیاں اڑ رہی تھیں کہنے لگے۔

''مجھے لگتا ہے ہمارے گھر میں ڈکیتی ہوئی ہے ضرور چور اچکے آ گئے ہوں گے انہوں نے ہی یہ سب کیا ہے۔''

''لیکن عادل باہر سے ہنوز تالا لگا ہوا تھا پھر کیسے؟'' میں نے حیران ہو کر سوال کیا۔

''یہ کوئی مشکل بات نہیں تم اپنا زیور اور نقدی چیک کرو جلدی۔'' عادل نے کہا تو میں اٹھ کر الماری کی جانب بڑھی۔

میں نے بسمہ اللہ پڑھ کر لاکر کھولا تو اندر میری نقدی اور زیور جوں کا توں موجود تھا میں نے سوالیہ نظروں سے عادل کو دیکھا۔

''اب کیا کہیں گے آپ؟'' میرے سوال کا عادل نے کوئی جواب نہیں دیا اور اپنی پیشانی رگڑنے لگے۔ پھر مجھ سے مخاطب ہو کر بولے۔

''آؤ محلے والوں سے پوچھتے ہیں شاید کسی کو کچھ پتہ ہو۔'' میں خاموشی سے اٹھ کر عادل کے ساتھ باہر چل دی ہم نے ساتھ والے گھر کا دروازہ کھٹکھٹایا تو ایک صاحب بے دروازہ کھولا اور ہمیں سوالیہ نظروں سے دیکھنے لگے۔ عادل نے اپنا مختصر تعارف کروایا اور ان سے پوچھا۔

''گزشتہ رات انہوں نے کوئی آواز تو نہیں سنی ہم گھر پر موجود نہیں تھے اور ہماری غیر موجودگی میں گھر کی حالت نجانے کس نے دگرگوں کر دی ہے۔'' عادل کی بات سن کر وہ عجیب سی نظروں سے ہمیں دیکھنے لگے ان کے اس طرح دیکھنے سے ہم دونوں نے ناسمجھی سے ایک دوسرے کو دیکھا اور پھر ان کی طرف نظر کی تو وہ بولے۔

''کیا آپ نہیں جانتے کہ اس گھر میں کوئی آسیب ہے جو کسی کو یہاں رہنے نہیں دیتا مجھے تو حیرت ہے کہ کسی نے آپ کو اس گھر کے بارے میں کچھ کیوں نہیں بتایا حالانکہ سب ہی جانتے ہیں کہ یہ گھر ایک عرصے سے اسی وجہ سے بند پڑا ہوا تھا۔''

''اچھا.....'' عادل نے پریشان ہو کر انہیں دیکھا۔

''ہمیں تو کسی نے کچھ نہیں بتایا کیا آپ اور کیا جانتے ہیں اس گھر کے بارے میں؟'' عادل نے تجسس لہجے میں پوچھا تو فوراً بتانے لگے۔

''جی ہاں ابھی تو تقریباً چھ سال سے یہ مکان

WAQAR AZEEM
www.pakistanipoint.com

کسی کے استعمال میں نہیں تھا اس سے پہلے ایک فیملی یہاں آئی تھی تو ان کے ساتھ بھی اسی طرح کے غیر معمولی واقعات ہوئے تھے جس کی وجہ سے وہ لوگ چار دن بعد ہی یہ گھر چھوڑ کر چلے گئے تھے اس کے بعد سے ہی یہ گھر بند پڑا ہوا ہے مجھے تو حیرت ہے کہ اس گھر میں آپ نے ایک ہفتہ کیسے گزار لیا۔''

ان کی باتیں سن کر میرے پورے جسم میں سنسنی سی دوڑنے لگی تھی مجھے وہ ساری باتیں یاد آنے لگی تھیں جن کو میں پچھلے ایک ہفتے سے نظر انداز کر رہی تھی سرگوشیوں کی آوازیں چلنے پھرنے کی سرسراہٹیں کبھی بے تحاشہ شور اور میں یہی بول کر خود کو تسلی دیتی کہ یہ سب میرا وہم ہے ایسا کچھ نہیں ہے میں اکیلی ہوں شاید اس لیے ڈر رہی ہوں لیکن اب ان صاحب کی باتوں نے میرے وہم کو یقین میں بدل دیا تھا اور اب میں ایک پل کے لیے بھی یہاں نہیں رہنا چاہتی تھی۔

عادل نے شکریہ ادا کر کے ان سے مصافحہ کیا اور ہم گھر آ گئے اب یہ سب سننے کے بعد اس گھر میں قدم رکھنے کا دل تو نہیں چاہ رہا تھا لیکن مجبوری تھی سو آ گئے۔

''عادل اب کیا کریں گے؟'' میں نے گھر میں آ کر عادل سے پوچھا۔

''کرنا کیا ہے یار اب ظاہر ہے دوسرا گھر تلاش کریں گے اور تمہیں معلوم ہے دوسرا گھر تلاش کرنا جوئے شیر لانے کے مترادف ہے ابھی تو فی الحال مجبوری ہے یہیں رہنا پڑے گا نیا گھر ملنے تک۔'' عادل نے کاندھے اچکا کر کہا میں ان کی مجبوری سمجھ سکتی تھی اس لیے بحث کرنا مناسب نہ سمجھا اور گھر صاف کرنے میں لگ گئی عادل بھی میرا ہاتھ بٹانے لگے گھر کو پرانی حالت میں واپس لاتے لاتے ہمیں دو گھنٹے لگ گئے میں بری طرح تھک چکی تھی عادل نے کھانا پکانے سے منع کر دیا اور جا کر دو برگر لے آئے ہم دونوں نے رات کا کھانا کھایا اور سونے لیٹ گئے لیکن آج میں نے خلاف معمول کمرے کی لائٹ کھلی رکھی۔

عادل سمجھ گئے کہ آج میں خوف زدہ ہوں اس لیے وہ چپ چاپ چادر منہ تک اوڑھ کر سو گئے اور میں بھی سونے کی کوشش کرنے لگی نیند کی یہی بات اچھی ہے کہ ہر صورت مہربان ہو جاتی ہے میں بھی گہری نیند سو گئی۔

رات کا نجانے کون سا پہر تھا جب میری آنکھ غیر معمولی شور سے کھلی میں نے نا سمجھی سے آنکھیں کھول کر اِدھر اُدھر دیکھا فوری طور پر کچھ بھی سمجھ نہیں آیا۔

''شش.....'' مجھے کسی کی سرگوشی سنائی دی میں نے برابر میں لیٹے عادل کو دیکھا وہ بے خبر سو رہے تھے میں اپنا وہم سمجھ کر کروٹ بدلنے والی تھی کہ آواز دوبارہ سنائی دی۔

''شش..... چپ رہنا۔'' سرگوشی بہت واضح تھی اور یقیناً مجھے مخاطب کیا گیا تھا۔ میں نے اِدھر اُدھر نظریں گھمائیں اچانک مجھے چھت پر پنکھے کے ساتھ ایک بچہ الٹا چپکا ہوا دکھائی دیا اس نے اپنی دائیں ہاتھ کی ایک انگلی ہونٹوں پر رکھی ہوئی تھی وہ مجھے خاموش رہنے کا اشارہ کرتا ہوا مجھے ہی گھور رہا تھا۔

منظر اتنا دہشت ناک تھا کہ میں چیخ پڑتی لیکن فوراً ہی دوسرے منظر سے میرا دل دہل گیا ایک لمبی چوڑی بدہیت عورت ہاتھ میں ڈنڈا لیے کمرے میں چلتی پھرتی دکھائی دی وہ یقیناً اس بچے کو ڈھونڈ رہی تھی جو چھت پر الٹا چپکا ہوا تھا میں کھلی آنکھوں سے ساکت وجود کے ساتھ یہ سب

WAQAR AZEEM
www.pakistanipoint.com

اپنی آنکھوں سے دیکھ رہی تھی لیکن جیسے میرا جسم بے جان ہو چکا تھا میں اپنی مرضی سے چیخ بھی نہیں سکتی تھی۔ دل خوف سے پھٹا جا رہا تھا کسی بھی لمحے اس عورت کی نظر میری کھلی آنکھوں پر پڑ سکتی تھی میرے اعصاب جواب دے چکے تھے میرا جسم مکمل طور پر مفلوج تھا۔

اور پھر وہی ہوا جس کا ڈر تھا اس عورت کی نظر مجھ پر پڑی اس نے مجھے گھور کر دیکھا۔ اُف کیسی آنکھیں تھیں اس کی..... کتنی وحشت تھی اس کی آنکھوں میں' وہ وحشیانہ انداز میں میری سمت بڑھی میری خوف سے گھگھی بندھ گئی اور پھر نجانے کیسے میرے منہ سے بے اختیار نکلا۔

''یا علی مدد.....'' یہ کہتے ہی جیسے مجھ میں جان آ گئی میں نے چادر منہ تک اوڑھی اور زور زور سے آیت الکرسی پڑھنے لگی۔

میں روتی جا رہی تھی اور پڑھتی جا رہی تھی میری آواز سے عادل بھی اٹھ گئے تھے اور مجھ سے پوچھنے لگے۔

''کیا ہوا؟'' لیکن میں بس ان سے لپٹ کر رونے لگی خطرہ ٹل چکا تھا میں نے چاروں طرف دیکھا کوئی نہیں تھا پھر عادل نے اٹھ کر مجھے پانی پلایا میں نے عادل کو ساری بات بتادی عادل پریشان ہو گئے۔ اب یہاں رہنا کسی طور خطرے سے خالی نہیں تھا عادل نے مجھے تسلی دی اور کہا۔

''اب ہم یہاں نہیں رہیں گے تم بے فکر رہو میں آج ہی گھر کا بندوبست کرتا ہوں ہم آج ہی یہاں سے چلے جائیں گے۔ عادل نے مجھے تسلی دے کر لٹا دیا اور قرآنی آیتیں پڑھ پڑھ کر مجھ پر پھونکنے لگے اور وہ پوری رات عادل اور میں نے جاگ کر گزار دی۔

صبح تک میں بخار میں پھنک رہی تھی روشنی ہوتے ہی عادل مجھے لے کر امی کے گھر چلے آئے دوسرا گھر ملنے میں ایک ہفتہ لگ گیا لیکن میں اتنی خوفزدہ تھی کہ اب کسی صورت اس گھر میں بسانے کو تیار نہ تھی خود عادل بھی مجھے وہاں نہیں چھوڑنا چاہتے تھے۔

آج میں دوسرے گھر میں ہوں اس واقعے کو عرصہ بیت چکا ہے لیکن آج بھی جب وہ بھیانک رات مجھے یاد آتی ہے تو میرے جسم میں سنسنی دوڑ جاتی ہے اور میرے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں میں دعویٰ سے کہتی ہوں کہ اگر میری جگہ کوئی کمزور دل عورت ہوتی تو یقیناً اس کا خوف سے دل بند ہو جاتا۔

□□.....❁.....□□

والد کے جانے بعد

تمہاری قبر پر میں فاتحہ پڑھنے نہیں آیا
مجھے معلوم تھا تم مر نہیں سکتے
تمہاری موت کی سچی خبر جس نے اُڑائی تھی
وہ جھوٹا تھا
مری آنکھیں تمہارے منظروں میں قید ہیں اب تک
میں جو بھی دیکھتا ہوں، سوچتا ہوں
وہ وہی ہے
جو ہماری نیک نامی اور بدنامی کی دنیا تھی
کہیں کچھ بھی نہیں بولا
تمہارے ہاتھ میری انگلیوں میں سانس لیتے ہیں
میں لکھنے کے لیے جب بھی قلم کاغذ اٹھاتا ہوں
تمہیں بیٹھا ہوا میں اپنی ہی کرسی پہ پاتا ہوں

نعمان عمر

WAQAR AZEEM
www.pakistanipoint.com

پہاڑوں کی چڑیل

وہ تاریک راتوں میں پہاڑوں سے نکل کر اپنا شکار تلاش کیا کرتی تھی اور پھر ایک دن راقم سے بھی ٹکراؤ ہو ہی گیا.....

فدا شاہین بھٹی

یہ میری جوانی کا دور تھا اور میں چکوال میں ویگن پر ڈرائیوری کرتا تھا۔ پہاڑی اور ریگستانی علاقے سے میں سواریاں ایک گاؤں سے دوسرے گاؤں لے جاتا تھا۔ میں دشوار گزار راستوں سے واقف تھا اور بلا ڈر و خوف ڈرائیوری کر رہا تھا۔

ایک دن ایسا ہوا کہ اندھیری رات تھی اور میں راستہ بھول گیا۔ ساری رات میں اِدھر اُدھر چکر لگاتا رہا لیکن میری سمجھ میں وہ جگہ نہیں آ رہی تھی کہ میں اس وقت کہاں ہوں..... اور مجھے کہاں جانا ہے۔ میں ویگن پہاڑوں کے نیچے کھڑی کر کے سوچوں میں گم تھا کہ ایک مہ جبیں چمکتا چہرہ لیے میرے قریب آئی اور مجھے غور سے دیکھنے لگی۔

میں بھی اس کو سر سے لے کر پاؤں تک بڑے غور سے دیکھنے لگا کہ اندھیری رات ہونے کے باوجود میں اسے اچانک اپنے سامنے دیکھ کر پریشان ہو گیا۔

اتنی رات کو ان پہاڑوں اور ریگستانی علاقے میں اکیلی لڑکی کا کیا کام ہے۔ مجھے خوف محسوس ہو رہا تھا کہ کہیں یہ مہ جبیں کوئی چڑیل تو نہیں۔ اس نے مسکراتے ہوئے میرا نام پوچھا میں نے اپنا نام بتاتے ہوئے ان کا نام بھی پوچھ لیا۔

''تم اندھیری رات میں ان پہاڑوں میں کیا کر رہی ہو کیا تم لاوارث ہو۔'' میں نے سوال کی اس پر بوچھاڑ کر دی۔

''میرا نام نازنین عرف نازو ہے لیکن سب سوال کا جواب اس وقت میرے پاس نہیں ہے۔ کبھی موقع ملا تو ضرور تفصیل سے بتاؤں گی۔ لیکن تم اندھیری رات ویگن لیے یہاں کیا کر رہے ہو۔ کیا تمہیں بھی میری طرح رات کو سیر و تفریح کرنے کا شوق ہے۔'' میں نے ڈرتے ہوئے جواب دیا۔

''نہیں تو میں ایک مزدور ہوں اور مزدوری کر کے اپنا پیٹ پالتا ہوں۔ میں چکوال سے سواریاں چھوڑ کر واپس جا رہا تھا کہ راستہ بھول کر

WWW.PAKSOCIETY.COM
www.pakistanipoint.com

یہاں آ گیا ہوں۔'' نازو نے مسکرانے والے انداز میں بتایا۔

''اس وجہ سے ہماری اور تمہاری ملاقات ہونی تھی جو ہم ایک دوسرے کے آمنے سامنے ہیں۔ دوسری بات یہ کہ تم ایک خوبصورت نوجوان ہو تم سے دوبارہ ملنے کو دل کرتا ہے لیکن مجھ سے ڈرو مت کیونکہ مجھے تم مخلص ہمدرد اور دل سے پیار کرنے والے لگتے ہو۔

جو دل سے پیار کرتے ہیں ہم ان کے لیے اپنی جان بھی قربان کر دیتے ہیں۔ کبھی آزمالینا یہ راستہ تمہیں تمہاری منزل (نور پور) کی طرف لے جائے گا۔''

میں ویگن میں بیٹھنے لگا تو اس مہ جبیں نے دوڑ کر میری سائیڈ کے پاس آ کر مسکراتے ہوئے بتایا۔

''تم سے دل لگایا ہے گاؤں جا کر ہمیں بھول نہ جانا۔'' میں نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔

''ہم وفادار لوگ ہیں بے وفا نہیں۔'' پھر میں اپنی منزل کی طرف روانہ ہو گیا۔ گاؤں پہنچ کر ہم عمر دوستوں کو بتایا۔ میرے دوست فیاض خان نے بتایا۔

''اندھیری راتوں میں پہاڑوں میں لڑکی نہیں ہو سکتی وہ یقیناً چڑیل ہو گی' یار اپنا خیال رکھنا ورنہ..... یہ تجھے نقصان پہنچائے گی..... چڑیلیں کئی کئی روپ دھار لیتی ہیں۔ آدمی انہیں پہچان بھی نہیں سکتا کیونکہ نوجوان لڑکے خوبصورت لڑکی کو دیکھ کر محبت کرنے کا اقرار کر لیتے ہیں۔'' میں نے کچھ دیر سوچ کر بتایا۔

''فیاض خان..... ویگن چلا چلا کر کچھ تجربہ ضرور ہوا ہے وہ میرا کچھ نہیں بگاڑ سکتی۔'' فیاض

QAR AZEEM
www.pakistanipoint.com

خان نے ہنستے ہوئے جواب دیا۔

''وہ تیرا کچھ نہیں بگاڑ سکتی وہ کیسے..... کیا تم بھی جن ہو۔'' میں نے ماتھے پر اپنا ہاتھ مارتے ہوئے بتایا۔

''میں جن تو نہیں انسان ہوں..... لیکن اللہ تعالیٰ نے مجھے عقل بھی دی ہے میں پڑھا لکھا نوجوان ہوں۔ سورۃ یٰسین کا تعویذ ہر وقت میرے گلے میں موجود رہتا ہے دوسرا مجھ پر میرے پیرومرشد کا سایہ ہے۔ جہاں مصیبت میں پھنس جاتا ہوں مرشد کو یاد کرنے سے میری ہر مشکل حل ہو جاتی ہے۔ ہم باتیں کر رہے تھے کہ میرا دوست پروانہ آ گیا۔'' میں نے بتایا۔

''یار پروانے اچھا ہوا تم آ گئے ہو تم سے ایک ضروری مشورہ کرنا ہے۔'' پروانہ نے فیاض خان کو دیکھ کر بولا۔

''ہاں ہاں کیوں نہیں ہم حاضر ہیں۔'' پھر میں نے ساری بات اس کے گوش گزار کر دی۔ تو وہ سوچوں کے سمندر میں ڈوب گیا۔ میں نے بتایا۔

''واہ پروانہ ابھی سے تم نیند کی وادیوں میں کھو گئے ہو۔ جاگو جاگو اور مجھے کوئی صحیح مشورہ دو تاکہ میں اس چڑیل سے چھٹکارا حاصل کر سکوں۔'' پروانہ نے پہاڑوں کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔

''فیاض خان..... اکرام شیر جوان ہے اور بزدل نہیں کہ ڈر کر بھاگے گا موت کا ایک دن متعین ہے وہ ضرور آنی ہے۔'' میں نے ویگن کی طرف دیکھتے ہوئے بتایا۔

''مہربانی ہے اس کی کبھی کہیں ویران جگہ پر خراب یا پنکچر نہیں ہوئی اس نے ہمیشہ وقت پر پہنچایا۔ سواریاں اس پہاڑوں کی شیرنی کا انتظار کرتی ہیں کہ شیرنی آئے اور ہم اس پر جائیں گے۔'' کچھ دیر خاموش رہنے کے بعد میں نے کہا۔

''یار میں اس پہاڑ پر ضرور جاؤں گا ورنہ وہ کہے گی کہ مرد لوگ بے وفا ہوتے ہیں۔'' پروانہ کھانستے ہوئے بولا۔

''اکرام ڈرو مت میں بھی تمہارے ساتھ چلوں گا۔'' فیاض خان بولا۔

''پروانہ ٹھیک کہہ رہا ہے ایک سے دو بھلے.....'' میں نے جواب دیا۔

''ٹھیک ہے جب پہاڑوں کی طرف جاؤں گا تو بھائی پروانہ تجھے ضرور ساتھ میں لے کر جاؤں گا۔ ابھی تو مجھے اڈے کی طرف جانا ہے۔ روزی بھی کرنی ہے اور ویگن مالک کو بھی کما کر دینا ہے۔''

''ٹھیک ہے آپ جا کر اپنا دھندا کرو اور ہم بھی اپنے کام کی طرف جاتے ہیں۔'' یہ دونوں اپنے کام کی طرف چلے گئے اور میں ویگن اڈے پہنچ گیا۔ مجھے دیکھتے ہی ڈرائیوروں نے گھیر لیا۔ میں نے ہنستے ہوئے کہا۔

''خیر تو ہے آج تم لوگوں نے مجھے گھیر لیا ہے۔'' ڈرائیور ایک زبان ہو کر بولے۔

''تمہاری شیرنی کی تعریف سنی ہے اس لیے دوڑے چلے آئے۔'' میں نے ہکلاتے ہوئے جواب دیا۔

''کیا تعریف سنی ہے شیرنی کی ذرا مجھے بھی بتاؤ۔'' ہر ڈرائیور نے اپنی اپنی بات کہی۔ میں ہنس کر سب کو باری باری جواب دیتا رہا۔ موڈ کسی سے خراب نہیں کیا۔ ایک ڈرائیور جس کا نام حنیف تھا۔ اس نے دوسرے ڈرائیوروں کو دھکا دیتے ہوئے کہا۔

WAQAR AZEEM www.pakistanipoint.com

''یار تمہیں شوق ہے تو اکرام تجھے لے جاتا ہے اور پہاڑوں میں رہنے والی لڑکی سے ملا کر خود واپس آ جائے گا۔ اگر تیری قسمت نے ساتھ دیا تو ٹھیک ہے ورنہ تجھے تیرے گھر والے ساری عمر تلاش کرتے رہیں گے۔ خیر کوئی بات نہیں آپ بھی اپنا شوق پورا کر لیں۔''

ایک جوشیلا ڈرائیور جھنڈ میں سے نکلتا ہوا آگے آیا اور اپنی سانس درست کرتے ہوئے بولا۔

''آپ سب لوگوں سے مجھے زیادہ جلدی ہے جن بھوت چڑیل اور پریاں دیکھنے کی۔ میں بچپن سے ان کے بارے میں سنتا آ رہا ہوں۔''

ایک ادھیڑ عمر ڈرائیور بولا۔

''مجھے لگتا ہے اس اڈے پر نئے آئے ہو اور تمہارا نام کیا ہے۔'' ڈرائیور نے اپنا نام بتاتے ہوئے کہا۔

''دسوت..... مجھے پیار سے پیارا کہتے ہیں۔'' ادھیڑ عمر ڈرائیور بولا۔

''ٹھیک ہے چڑیلوں کو بھی پیارے کی ضرورت ہوتی ہے جو انہیں پیارا لگتا ہے جلدی سے اسے اپنے قابو میں کر لیتی ہیں۔'' ادھیڑ عمر ڈرائیور کا نام راجہ تھا۔ دوسرے دن شام کو جب میں واپس آیا تو راجہ اور پیارا میرا انتظار کر رہے تھے۔

میں نے دونوں کو غور سے دیکھ کر بتایا۔

''خیر تو ہے آج میرا راستہ روک کر کھڑے ہو۔'' راجہ ہنستے ہوئے بولا۔

''پیارا نازو سے ملنے کے لیے بے تاب ہے۔'' میں نے پہلے پیارے کی طرف دیکھا پھر راجہ کی طرف دیکھا تو راجہ نے اشارے سے مجھے کہا۔

غزل

مسکرائے ہوئے رخصت دے دو
مجھ کو جانے کی اجازت دے دو

مجھ کو کافی ہے اگر خوابوں میں
تم اگر اپنی رفاقت دے دو

اپنی ساتھی کو میرے حصے کی
صرف تھوڑی سی محبت دے دو

پیار کی سرزمیں پہ مٹنے کی
آنے والوں کو حکایت دے دو

اپنی پہچان چاہتے ہو اگر
اپنے لفظوں کی صداقت دے دو

کچھ نئے زخم لگا کر دل پر
پھر سے تھوڑی سی سجاوٹ دے دو

دل کے قرطاس پہ جو بکھری ہے
اس کہانی کو حقیقت دے دو

میری میت کو اٹھانا نہ ابھی
اس کے دیدار کی مہلت دے دو

سبین

WAQAR AZEEM
www.pakistanipoint.com

''تم وہ جگہ اسے بتا دو جگہ تمہیں رات کو نازو ملی تھی۔'' میں نے اسے پتہ بتاتے ہوئے کہا۔

''وہ تجھے رات کو ملے گی۔''

''ٹھیک ہے۔'' کہہ کر وہ چل پڑا اور میں راجہ کو اپنی ویگن پر بٹھا کر اڈے پر آ گیا۔ کچھ دنوں بعد پیارا ملا تو میں نے اس سے پوچھا۔

''نازو کے پاس نہیں گئے؟'' پیارے نے شرمندہ ہوتے ہوئے بتایا۔

''یار واقعی وہ لڑکی نہیں تھی بلکہ مکار چڑیل تھی۔ میں نے اس کی خوبصورت شکل ایک نہایت ہی خوفناک بھیانک چہرے میں تبدیل ہوتے ہوئے دیکھی تو ڈر کر گھر کی طرف دوڑ لگا دی۔ میں نے کچھ فاصلے طے کیا تھا کہ وہ میرے آگے آ کر رک گئی۔

میں ڈر کر نیچے گر پڑا۔ یہ میری ماں کی مہربانی تھی کہ انہوں نے میرے گلے میں اللہ تعالیٰ کے نام کا لاکٹ ڈالا ہوا تھا۔ جس کی وجہ سے وہ میرے قریب نہیں آئی لیکن مجھے کہا۔ جا میں نے تجھے معاف کر دیا میں نے لرزتے اور کپکپاتے ہونٹوں سے پوچھا۔ تم نے مجھے کس وجہ سے معاف کیا۔ نازو نے زور دار قہقہہ لگاتے ہوئے کہا۔ اس پاک نام کے صدقے جو تمہارے گلے میں لٹک رہا ہے ورنہ آج واپس نہ جاتا۔ نہ جانے کتنے لوگ میرے حسن پر قربان ہو کر میرا شکار بن گئے۔

میں جیسے ہی گھر پہنچا تو مجھے سخت بخار ہو گیا۔ کئی ڈاکٹروں سے میرے گھر والے دوا لائے مگر کچھ بھی اثر نہیں ہوا۔ آخر کار مولوی صاحب کے دم کرنے سے میں ٹھیک ہوا ہوں۔'' میں بولا۔

''تمہارے دل میں اب بھی ڈر و خوف ہے تو جاؤ مولوی صاحب سے کہو کہ وہ تمہیں سورۃ یٰسین کا پانی دم کر کے دیں وہ پانی تم پیو۔''

دوسرے دن سواریاں ملیں تو انہیں لے کر اسلام آباد آ گیا۔ میں واپسی پر ویگن تیز چلا رہا تھا۔ مجھے خبر اس وقت ہوئی جب ویگن پیر کھارا شریف کے نمک کے پہاڑ پر چڑھ گئی۔ سواریوں نے شور مچانا شروع کر دیا۔ ایک بوڑھی نے مجھے کوستے ہوئے کہا۔

''اپنا نہیں تو ہمارا تو خیال کیا ہوتا۔ اب نمک کے پہاڑ سے گاڑی نیچے کیسے اتارو گے۔'' میں نے پہاڑ سے نیچے دیکھ کر کہا۔

''میں خود پریشان ہوں میری ویگن پہاڑ پر کیسے آ گئی کوئی اللہ پاک کا نیک بندہ ہی اسے نیچے اتار سکتا ہے ورنہ ساری رات نمک کے پہاڑ پر ہم کلمہ طیبہ کا ورد کرتے کرتے ویگن میں ہی سو گئے۔

صبح کو جب میری آنکھ کھلی تو گاڑی پہاڑ کے دامن میں کھڑی تھی۔

میں نے سواریوں کو جگاتے ہوئے کہا۔

''جاگو اللہ پاک نے ہماری دعا قبول کر لی اور ویگن پہاڑ سے نیچے آ گئی ہے۔'' ایک بڑھیا نے پہاڑ کی طرف دیکھ کر کہا۔

''شکر ہے اللہ تعالیٰ کا جس نے ہم سب کو نئی زندگی دی۔ میں بھی نہ دیکھ سکا کہ ویگن نیچے کس طرح اتری ہے۔ سب لوگ ویگن سے نیچے اتر کر پہاڑ کی اونچائی دیکھتے رہے اور یہ بھی سوچتے رہے ویگن اوپر کس طرح چڑھ گئی۔ میں نے کہا۔

''یہ سب دربار والے باباجی کی کرامات ہے ہم سب زندہ سلامت اپنے اپنے گھروں کی طرف جا رہے ہیں یہ کہہ کر میں نور پور کے لیے روانہ ہو گیا۔

WWW.PAKSOCIETY.COM
www.Pakistanipoint.com

عشق نمبر

کون ہے ایسا جس نے عشق نہ کیا ہو؟

راتوں کو جاگ کر محبوب سے ملنے کی آرزو نہ کی ہو.....

بے وفائی پر جان بھی دینے والے کم نہیں

اپنے اردگرد نظر ڈالیے اور صفحہ قرطاس پر بکھیر دیجیے، عشق کی وہ داستان جس کو لکھنے والا قلم بھی سیاہی نہیں لہو بکھیرتا ہے.....

ہر لفظ چیختا، بلکتا محسوس ہوتا ہے

لکھنے والے ہاتھ کپکپاتے ہیں اور آنکھیں خون بہاتی ہیں

ایسی عشق کی داستان قلم کریں جس کو پڑھ کر مجنوں بھی لیلہ لیلہ کرتا ماضی کے اوراق سے نکل آئے

رانجھا بھی گم صم رہ جائے..... مہیوال کی آنکھوں سے محبوبہ کے دریا برد ہونے کا منظر محو ہو جائے، بھمبھور کی وادیاں سسی پنوں کو پھر سے یاد کریں اور جام تماچی نوری کی تلاش میں سرگرداں نظر آئے۔

WAQAR AZEEM
www.pakistanipoint.com

تصانیف بھیجنے کی آخری تاریخ 10 ستمبر ہے

کراچی سے ارسال کردہ پُراسرار تحریر

دوست کی خاطر

لڑکیاں یہ بات سمجھتی ہی نہیں کہ دوستی میں برائی کا ساتھ دینا بہت معیوب بات ہے اور ایسی دوستیاں دشمنوں سے بدتر ہوتی ہیں.....

فوزیہ فرید احمد

WAQAR AZEEM
www.pakistanipoint.com

''ہائے صبا کیسی ہو؟'' میں اسائنمنٹ مکمل کررہی تھی کہ اسماء نے اچانک دھاوا بول دیا۔ مجھے اس کی بے وقت آمد بے حد ناگوار گزری تھی۔

''بس ٹھیک ہوں۔'' میں نے بدستور مصروف انداز میں جواب دیا خود تو پڑھائی سے دور بھاگتی تھی اور میرے پڑھنے کے اوقات میں ایسے ہی نازل ہوجایا کرتی تھی۔ میں نے اس پر کوئی توجہ نہ دی تو کہنے لگی۔

''ناراض ہو مجھ سے؟''

''نہیں تو۔'' میں نے کہا۔

''تو پھر تم مجھ سے بات کیوں نہیں کررہی ہو؟''

''کرتو رہی ہوں بولو کیا کام ہے؟'' کیونکہ میں اچھی طرح سے جانتی تھی جس خوشامدی انداز میں وہ مجھ سے بات کررہی تھی تو اسے یقیناً

مجھ سے کوئی کام ہی تھا۔

"میں تمہارے پاس ایک کام سے آئی تھی۔" وہ اصل مقصد پر آتے ہوئے بولی' میں خاموشی سے اپنے کام میں مگن رہی۔

"تم پوچھو گی نہیں وہ کام کیا ہے؟"

"مجھے پتا ہے تمہیں مجھ سے کیا کام ہوسکتا ہے؟" میں نے اس کی طرف دیکھے بغیر کہا۔

"اللہ تم کتنی ذہین ہو میری ہر بات کا پہلے سے پتا ہوتا ہے۔" اسماء نے خوش ہوتے ہوئے کہا۔ پھر اپنی بات جاری رکھتے ہوئے بولی۔

"تمہیں پتا ہے بابر کل شام ملنے کو کہہ رہا ہے۔"

"تو پھر میں کیا کروں؟" میں نے روکھے انداز میں کہا۔

"کیوں کچھ نہیں کرو گی تم میری سب سے اچھی دوست ہو ہر بار میں تمہارے ساتھ ہی تو جاتی ہوں اس بار بھی تمہارے ساتھ جاؤں گی۔" اسماء نے ڈھٹائی کی حد کر دی۔

"میں نے ایسی کوئی قسم نہیں کھائی ہے کہ زندگی بھر تمہارے اس ملنے ملانے کے پروگرام میں تمہارا ساتھ دوں گی؟" میں نے صاف صاف بات کی لیکن یہ بات میں اچھی طرح جانتی تھی کہ وہ مجھے منا کر ہی دم لے گی کسی کی مجبوری کو سمجھنا اس نے سیکھا ہی نہ تھا مجھے اس کی یہ عادت بہت بری لگتی تھی۔

اس نے سارا پروگرام پہلے ہی سے طے کر رکھا تھا مجھے تو صرف اطلاع دینے آئی تھی اور کل شام ٹھیک ٹائم پر تیار رہنے کا کہہ کر وہ چلی گئی تھی۔

اس سے دوستی رکھنا بھی میری مجبوری تھی ہم ایک ہی محلے میں رہتے تھے اور ہمارا کالج بھی ایک ہی تھا پھر وہ میری کلاس فیلو بھی تھی میرے ساتھ کالج جانے والا کوئی نہ تھا اسی لیے مجھے اس کے ساتھ آنا جانا پڑتا تھا۔

کالج کے راستے میں ہی اسماء کی دوستی بابر نامی لڑکے سے ہوگئی جو گزرتے وقت کے ساتھ ساتھ محبت میں بدل گئی اور پھر ملنے ملانے کا سلسلہ چل نکلا وہ اکثر مجھے اپنے ساتھ لے جاتی کبھی میں انکار کر دیتی کبھی بہانہ بنا دیتی مگر کبھی وہ مجھے ساتھ لے جانے پر راضی کر لیتی کبھی زبردستی کر کے کبھی جذباتی بلیک میلنگ کر کے وہ مجھ سے اپنا کام نکلوا لیتی مجھے اپنے ابو اور بھائی کا ڈر رہتا تھا اگر انہوں نے دیکھ لیا تو خیر نہیں میری پڑھائی چھوٹ جاتی میرے کالج آنے جانے اور کہیں بھی جانے پر پابندی لگ جاتی جب ان باتوں کا اظہار میں اسماء سے کرتی تو وہ کہتی۔

"میں ہوں نا سب سنبھال لوں گی تم فکر مت کرو۔" کالج جاتے ہوئے راستے میں باتوں کے دوران اسماء نے مجھے بتایا۔

"بابر نے کہا ہے کہ اس کا ایک دوست ہے وہ تم سے دوستی کرنا چاہتا ہے کہو تو میں اس سے بات کروں؟"

"تمہارا دماغ تو نہیں خراب ہو گیا ہے تم نے اپنے دوست کو فوراً منع کیوں نہیں کیا۔ میں ایسی ویسی لڑکی نہیں ہوں اور نہ ہی میرے گھر میں ان باتوں کو پسند کیا جاتا ہے اگر میں تمہارے ساتھ تمہاری دوستی میں آجاتی ہوں تو اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ میں خود بھی اس لائن پر چل پڑوں آج تو تم نے مجھ سے یہ بات کر لی ہے آئندہ مت کرنا ورنہ اپنی اور میری دوستی ختم سمجھو۔" میں نے سختی سے کہا۔

"اچھا بابا ناراض کیوں ہوتی ہو میں منع

WAQAR AZEEM
www.pakistanipoint.com

کردوں گی.....خوش۔'' میں نے کوئی جواب نہیں دیا میرا موڈ سخت آف ہو چکا تھا۔ راستے بھر میں نے اس سے کوئی بات نہ کی اور نہ ہی اس کی کسی بات کا جواب دیا میں گھر میں داخل ہو رہی تھی تو پیچھے سے آئی۔

''شام کو تیار رہنا میرے گھر آجانا میں انتظار کروں گی۔''

اسماء کہتے ہوئے چلی گئی۔ میں دوپہر کے برتن دھو کر کچھ دیر اسٹڈی کے ارادے سے کمرے میں آئی تھی کہ اسماء آگئی شاید اسے میرے خراب موڈ کی وجہ سے خدشہ تھا کہ میں اس کے ساتھ نہیں جاؤں گی۔

''ناراض ہو مجھ سے؟''

''نہیں.....'' میں نے مختصر سا جواب دیا۔

''تو پھر موڈ ٹھیک کرو اپنا۔''

''میں تم سے ایک بات بالکل کلیئر کر لینا چاہتی ہوں میں آج کے بعد سے آئندہ تمہارے ساتھ کہیں نہیں جاؤں گی' تمہارے چکر میں' میں اپنا امیج کیوں برباد کروں' اگر میری امی اور ابو کو پتا چل گیا تو میرے ساتھ بہت برا ہو جائے گا' اس لیے میں تمہیں پہلے ہی انکار کر رہی ہوں' آئندہ مجھ سے کوئی امید مت رکھنا۔''

''تم میری واحد دوست ہو اگر تم بھی پیچھے ہٹ جاؤ گی تو میرا کیا ہوگا بابر اور میں ایک دوسرے کو بہت چاہتے ہیں ہم ایک دوسرے کے بغیر نہیں رہ سکتے۔''

''اچھا ایک دوسرے کے بغیر نہیں رہ سکتے' تو وہ اپنے گھر والوں کو بھیج کر تمہارا رشتہ مانگ لے اس طرح روز روز کے ملنے سے جان چھوٹ جائے گی۔''

میں نے اسے سمجھاتے ہوئے کہا۔

''میں نے بابر سے یہی کہا تھا مگر اس کی امی نہیں مان رہی اس نے ہر طرح سے اپنی امی کو منانے کی کوشش کر ڈالی ہے مگر اس کی امی بالکل راضی نہیں ہیں۔''

''تو پھر ایسے ملنے سے کیا ہوگا وہ لڑکا تمہیں بے وقوف بنا رہا ہے اگر وہ چاہے تو اپنی امی کو راضی کر سکتا ہے وہ تم سے ٹائم پاس کر رہا ہے تم اس لڑکے سے دوستی چھوڑ دو اسی میں تمہاری بہتری ہے۔''

''کیسے چھوڑ دوں' میں اس سے سچی محبت کرنے لگی ہوں۔'' اسماء نے کھوئے کھوئے انداز میں کہا۔

''کاش وہ بھی تم سے ایسی ہی سچی محبت کرتا پر اس نے تو تمہیں ہری جھنڈی دکھا دی ہے امی نہیں مان رہیں۔'' میں نے منہ بنا کر کہا۔

''اچھا تم اس سے بات کر کے دیکھو ہو سکتا ہے وہ تمہارے کہنے پر اپنی امی سے بات کر لے۔''

''ٹھیک ہے تمہاری خاطر میں یہ بھی کر کے دیکھ لیتی ہوں مگر یہ بات اپنے ذہن میں رکھنا میں یہ آخری بار کر رہی ہوں اس کے بعد میں تمہارے کسی بھی معاملے میں تمہارا ساتھ نہیں دوں گی۔''

''ٹھیک ہے آج تم اس سے ضرور بات کرنا۔'' اسماء خوشی سے نہال تھی۔ شام کو کام کاج سے فارغ ہو کر میں نے امی سے اسماء کے گھر جانے کی اجازت مانگی تو وہ کہنے لگیں۔

''بیٹا روز تو اس سے ملاقات ہوتی ہے پھر اس کے گھر جانا کیا ضروری ہے؟''

''امی اصل میں اسے مارکیٹ جانا تھا۔ میری مدد سے وہ ہر چیز خریدتی ہے۔'' میں جھوٹ پر جھوٹ بول رہی تھی۔

WAQAR AZEEM www.pakistanipoint.com

مصنفین سے گزارش

☆ مسودہ صاف خوش خط لکھیں۔ ہاشیہ لگائیں صفحہ کی ایک جانب اور ایک سطر چھوڑ کر لکھیں اور صفحہ نمبر ضرور لکھیں اور اس کی فوٹو کاپی کرا کر اپنے پاس رکھیں۔

☆ قسط وار ناول لکھنے کے لیے ادارہ سے اجازت حاصل کرنا لازمی ہے۔

☆ نئی لکھاری بہنیں کوشش کریں پہلے افسانہ لکھیں پھر ناول یا ناولٹ پر طبع آزمائی کریں۔

☆ فوٹو اسٹیٹ کہانی قابل قبول نہیں ہوگی۔ ادارہ نے ناقابل اشاعت تحریروں کی واپسی کا سلسلہ بند کر دیا ہے۔

☆ کوئی بھی تحریر نیلی یا سیاہ روشنائی سے تحریر کریں۔

☆ مسودے کے شروع میں کہانی اور اپنا نام لکھیں اور آخری صفحہ پر اپنا مکمل نام، پتا اور رابطہ نمبر خوشخط تحریر کریں۔

☆ کہانی ای میل کرنے کے لیے ان پیج کی فائل ہو ایم ایس ورڈ کی فائل میں اردو میں لکھیں تحریر ہونی چاہیے یا یونی کوڈ پر ہو۔ کہانی کے نام سے فائل کا نام رکھنا ہوگا۔ کہانی کے شروع میں کہانی اور اپنا نام لکھیں اور آخر میں اپنا پورا نام مکمل پتا اور رابطہ نمبر بھی لکھنا ہوگا۔

☆ ای میل چاہے کہانی کی کرنی ہو یا مستقل سلسلوں میں ہمیشہ نیو ای میل کا انتخاب کریں اور سبجیکٹ میں کہانی اور سلسلے کا نام لکھیں۔ جوابی میل پر کچھ بھی ای میل نا کریں اگر جوابی میل پر کچھ بھی ای میل کیا جائے گا وہ قابل قبول نہیں ہوگا۔

☆ ای میل پر کہانی پر مستقل سلسلے میں شرکت کے لیے اسکین، امیجز، رومن یا پی ڈی ایف قابل قبول نہیں ہوتی۔

☆ دیگر سوشل ایپ پر بھی کہانی یا سلسلوں کی کوئی بھی چیز قابل قبول نہیں ہوگی۔

☆ اپنی کہانیاں دفتر کے پتا پر رجسٹرڈ ڈاک یا کوریئر کے ذریعے ارسال کیجیے۔

پتا: 88-C II۔ فرسٹ فلور۔ خیابانِ جامی کمرشل۔ ڈیفنس ہاؤسنگ اتھارٹی۔ فیز-7، کراچی

فون نمبر: 021-35893121-35893122

WAQAR AZEEM www.pakistanipoint.com

''بیٹا اس کی امی ہیں بہنیں ہیں اسے ان کی پسند پر اعتبار نہیں ہے؟''

''امی یہ بات نہیں ہے۔''

''تو پھر کیا بات ہے؟''

''امی مجھے دیر ہو رہی ہے پلیز جانے دیں۔'' میں نے چادر اوڑھتے ہوئے کہا۔

''جلدی آجانا تمہارے ابو کو لڑکیوں کا بے وقت باہر رہنا پسند نہیں ہے۔''

''جی امی..... میں جلدی آنے کی کوشش کروں گی۔''

اور میں اسماء کے گھر آ گئی اسماء کی امی کو سلام کی تو انہوں نے روکھے انداز میں جواب دیا آج ان کی نظروں میں مجھے اپنے لیے کاٹ محسوس ہو رہی تھی جس سے مجھے اُلجھن سی محسوس ہو رہی تھی۔ میں نے اسماء سے کہا۔

''اسماء جلدی کرو مجھے دیر ہو جائے گی۔'' اس سے پہلے اسماء کوئی جواب دیتی اس کی امی بولیں۔

''صبا تم اپنی امی یا اپنی بہنوں کے ساتھ شاپنگ کیوں نہیں کرتی ہو اسماء کو گھر میں اور بھی کام ہوتے ہیں تم ہر بار اسے ہی لے جاتی ہو یہ ٹھیک نہیں ہے۔''

اسماء کی امی نے مجھے آڑے ہاتھوں لیا میں نے ناراضگی سے اسماء کی طرف دیکھا تو اس نے دونوں ہاتھ جوڑ کر مجھے خاموش رہنے کو کہا۔ میں غصے میں کھڑی ہو گئی اور واپس گھر آنے لگی تو اسماء میرے پیچھے بھاگی۔

''یار رکو تو سہی۔'' اس نے میرا ہاتھ پکڑا جسے میں نے ایک جھٹکے سے چھڑایا اور پھٹ پڑی۔

''یہ کیا حرکت ہے ملنے تم جاتی ہو اور اپنی امی سے کہتی ہو میں تمہیں لے کر جاتی ہوں کل کلاں کو کوئی بات ہو گئی تو تم مجھے پھنسوا دو گی میں ایسی دوستی سے باز آئی۔''

''یار تم اب میرے ساتھ ایسا کرو گی اور کوئی بھی بات ہو گی تو میں خود دیکھ لوں گی اور چھوڑو ان باتوں کو۔''

''کیوں چھوڑوں ان باتوں کو تم نے میرا نام کیوں لیا؟''

''یار امی نہیں جانے دیتیں تمہارا نام لو تو امی اجازت دے دیتی ہیں کیونکہ تمہارے گھر والوں کی شرافت کی ہر کوئی گواہی دیتا ہے اس لیے اب جلدی چلو دیر ہو رہی ہے بابر انتظار کر رہا ہو گا اور دیکھو سب لوگ ہمیں دیکھ رہے ہیں۔''

میں نے دیکھا تو واقعی کچھ لوگ حیرت سے ہماری طرف دیکھ رہے تھے مجبوراً مجھے آگے بڑھنا پڑا۔

''میں آخری بار جا رہی ہوں اس کے بعد مجھ سے اس سلسلے میں کوئی امید مت رکھنا۔''

''اچھا بابا مت جانا پر ابھی تو چلو۔'' اس نے میرے آگے ہاتھ جوڑے طے شدہ جگہ پر ہم پہنچے تو بابر کو پہلے سے کھڑا پایا ہمیں دیکھ کر وہ تیزی سے لپکا۔

''یار اتنی دیر لگا دی میں کب سے انتظار کر رہا ہوں؟''

''شکر کرو آ گئی ہوں۔'' وہ دونوں اپنی باتوں میں مصروف ہو چکے تھے میں ان سے فاصلے پر رک گئی وہ دونوں باتیں کرتے ہوئے آگے بڑھ چکے تھے اور میں ان سے قدرے فاصلے پر ان کے پیچھے پیچھے چل رہی تھی لوگ عجیب نظروں سے دیکھ رہے تھے مجھے یہ سب بہت آکورڈ لگ رہا تھا میں اس وقت کو کوس رہی تھی جب میں نے ہامی بھری تھی میں سر جھکائے چلی جا رہی تھی جب میں نے سر اٹھا کر دیکھا تو ہم ایک قبرستان کے پاس

NADEEM AZEEM
www.pakistanipoint.com

سے گزر رہے تھے قبرستان ہمارے علاقے سے کافی فاصلے پر تھا اس کے ساتھ ہی ایک پارک تھا جو پہلوان پارک کے نام سے مشہور تھا اس پارک میں ایک ایک پہلوان کی قبر تھی جو اپنے وقت کا مشہور پہلوان رہا تھا یہ بہت بڑا پارک تھا اس کے ساتھ ہی قبرستان کی دیوار تھی۔

بابر اور اسماء ایک درخت کے ساتھ بیٹھ گئے میں بھی ایک بینچ پر بیٹھ گئی اور پارک میں کھیلتے ہوئے بچوں کو دیکھنے لگی اسی اثناء میں مغرب کی اذان کی صدا بلند ہوئی تو میں نے اپنے سر پر دوپٹہ درست کرنے کے دوران سر اٹھا کر اوپر دیکھا تو مجھے کچھ ڈر سا محسوس ہوا اور میں بیری کے درخت کے نیچے بیٹھی ہوئی تھی میری نانی نے بیری کے درخت کے متعلق ایسے ایسے قصے سنائے تھے کہ اب تو بیر کھاتے ہوئے بھی ڈر لگتا تھا ایک تو بیری کا درخت اوپر سے مغرب کا وقت مجھے سخت گھبراہٹ ہو رہی تھی۔ میں نے اسماء کی طرف دیکھا جو وہ دنیا و مافیہا سے بے خبر اپنی باتوں میں مگن تھے۔ میں نے وہیں سے آواز لگا کر اسماء سے کہا۔

''آپ دونوں باتیں کریں میں جا رہی ہوں۔'' میں نے واپسی کے لیے قدم بڑھائے تو وہ دونوں بھی اٹھ کھڑے ہوئے بابر کہنے لگا۔

''یار تمہاری یہ دوست کسی ولن سے کم نہیں ہے کچھ دیر اور رک جاتی تو کیا ہو جاتا۔''

''میں گھر سے ایک گھنٹہ کا کہہ کر نکلی تھی اور ایک گھنٹے سے زیادہ ہو گیا ہے مجھے گھر میں ڈانٹ پڑے گی۔''

''اپنی دوست کی خاطر ذرا سی ڈانٹ نہیں کھا سکتیں۔'' بابر نے خود غرضی سے کہا۔

''دوست کی خاطر ملنے آ تو گئی ہوں میرے گھر میں ان باتوں کو اچھا نہیں سمجھا جاتا۔''

''کس دور میں جی رہے ہیں آپ لوگ یہ سب پرانی باتیں ہیں اب کون مانتا ہے ان باتوں کو زمانے کے ساتھ چلو۔''

میں نے کوئی جواب نہ دیا مجھے گھر جانے کی جلدی تھی۔ ہم پارک سے نکلے تو ہمیں دوبارہ قبرستان کے پاس سے گزرنا پڑا گھبراہٹ میں' میں قرآنی دعائیں پڑھنا بھول گئی تھی قبرستان کی دیوار زیادہ اونچی نہ تھی اندر سے خاردار جھاڑیاں دیوار پر سے باہر لٹک رہی تھیں مجھے اس کے پاس سے گزرتے ہوئے بہت ڈر لگ رہا تھا حسبِ معمول وہ دونوں آگے جا چکے تھے میں اکیلے وہاں سے گزر رہی تھی مجھے اپنی طبیعت کچھ خراب ہوتی محسوس ہو رہی تھی مجھ سے چلنا محال ہو رہا تھا میرے پاؤں من بھر کے ہو رہے تھے میں جیسے تیسے گھر پہنچی تو دیر سے آنے پر امی کی ڈانٹ کا سلسلہ شروع ہو گیا میں نے امی سے کہا۔

''امی میری طبیعت خراب ہو رہی ہے۔'' پھر کچھ ہوش نہ رہا۔

''میرا نام حبا ہے میں صبا آپی کی چھوٹی بہن ہوں آگے کی کہانی مجھ سے سنیے۔''

صبا آپی جب گھر پہنچی تو اپنے آپ میں نہ تھیں امی سے طبیعت کی خرابی کا کہہ کر وہ اپنے کمرے میں چلی گئیں جو ہم تینوں بہنوں کا مشترکہ کمرہ تھا۔

امی بڑبڑاتے ہوئے دوبارہ کام میں لگ گئیں آخر ماں تھیں کچھ دیر بعد خود ہی صبا کی خیریت معلوم کرنے جب کمرے میں گئیں تو صبا بخار میں تپ رہی تھی یہ دیکھ کر امی پریشان ہو گئیں اور ابو کے ساتھ مل کر صبا کو ڈاکٹر کے پاس لے گئیں ڈاکٹر نے دوائیں اور انجکشن دے کر انہیں

WWW.PAKSOCIETY.COM
www.pakistanipoint.com

فارغ کر دیا۔

دو ایک روز میں صبا آپی ٹھیک ہو گئیں مگر اب ان میں پہلے جیسی بات نہ رہی تھی وہ اب چپ چپ سی رہنے لگیں تھیں کھانے پینے سے بھی غافل ہوتی جا رہی تھیں جس کی وجہ سے دن بہ دن کمزور ہوتی جا رہی تھیں جیسے تیسے پڑھائی مکمل کی تو امی کو ان کی شادی کی فکر ستانے لگی مگر اصل فکر کی بات تو یہ تھی جب ان پر دورے پڑتے اور شکل وصورت سے وہ صدا کی بیمار لگتیں تو کون ان سے شادی کرتا؟

اکثر رات کو وہ چیخ مار کر اٹھ بیٹھیں چلتے چلتے چکرا کر گرنے لگتیں یا گر ہی جاتیں کئی ڈاکٹر بدل لیے تھے مگر ان کی حالت میں کوئی فرق نہ آیا ان کی آنکھیں کے گرد حلقے پڑ چکے تھے گال پچک گئے تھے اور جسم سوکھ کر کانٹا ہو گیا تھا۔

پہلی نظر میں انہیں دیکھنے سے وہ ہڈیوں کا ڈھانچہ دکھائی دیتی تھیں امی انہیں دیکھ دیکھ کر اندر ہی اندر گھلتی جا رہی تھیں اور ایک دن امی کو دل کا دورہ پڑا جو جان لیوا ثابت ہوا اور امی ہمیں روتا بلکتا چھوڑ کر چلی گئیں ہماری تو دنیا ہی اندھیر ہو گئی صحیح معنوں میں ہمیں اب ماں کی قدر معلوم ہوئی تھی۔

آہستہ آہستہ یہ زخم بھی مندمل ہوتا گیا۔ مگر صبا آپی کی حالت میں کوئی فرق نہیں آیا تھا وہ ویسی ہی کمزور اور لاغر تھیں ابو نے انہیں کئی عاملوں کو دکھایا تھا جس سے انہیں دورے پڑنے اور راتوں میں ڈرنے کی عادت ختم ہو گئی تھی مگر یہ سب کچھ عارضی طور پر ہوا تھا کچھ دنوں بعد صبا آپی کی پھر وہی حالت ہو گئی تھی۔

بھائی کے ایک دوست نے ایک عامل کا پتا بتایا جو پیسہ پائی کچھ نہ لیتے تھے اللہ واسطے کام کرتے تھے۔ بھائی نے ابو کو بتایا۔ ابو بولے۔

''بیٹا سب کچھ تمہارے سامنے ہے میں نے اسے کس کس کو نہیں دکھایا کہیں بھی فائدہ نہیں ہوا۔''

''ابو ہم ایک کوشش اور کر کے دیکھ لیتے ہیں۔''

''چلو دیکھتے ہیں۔'' ابو نے رضامندی دیتے ہوئے کہا۔ جمعرات کے روز ہم صبا کو لے کر اس عامل کے پاس پہنچے وہاں کافی رش تھا اپنی باری پر ہم عامل کے پاس پہنچے تو بابا نے کہا۔

''بیٹا بہت دیر بعد پہنچے ہو مگر صحیح جگہ پہنچے ہو آ جاؤ۔'' ہم حیران تھے کہ انہیں کیسے پتہ چلا مگر یہ سچ ہے اللہ والوں کو سب خبر ہوتی ہے۔ انہوں نے صبا کو اپنے سامنے بٹھایا اور زیر لب کچھ پڑھنے لگے پھر بولے۔

''کیوں اس لڑکی کے پیچھے پڑا ہے؟'' صبا نے مردانہ آواز میں کہا۔

''یہ مجھے اچھی لگی ہے اس لیے میں اس سے محبت کرتا ہوں۔''

''جس سے محبت کی جاتی ہے اس کی خوشیوں کا خیال رکھا جاتا ہے اس کی عزت کی جاتی ہے یوں تباہ و برباد نہیں کیا جاتا جیسے تم نے اسے کر دیا ہے۔''

''یہ تباہی بربادی ان کی اپنی لائی ہوئی ہے۔ میں تو اس کے ساتھ خاموشی سے رہ رہا ہوں۔''

''کیوں رہ رہے ہو کس حیثیت سے رہ رہے ہو اس کا پیچھا چھوڑ دو اور اپنی دنیا میں واپس چلے جاؤ۔''

''میں کسی صورت اس کو نہیں چھوڑ سکتا۔'' اس آواز نے ہٹ دھرمی سے کہا۔

''جانتے ہو اس کا انجام کیا ہوگا؟'' دھمکی

WAQAR AZEEM www.pakistanipoint.com

پیتے ہوئے کہا۔
''میں کسی انجام سے نہیں ڈرتا۔''
''تو تم اس طرح باز نہیں آؤ گے۔'' یہ کہہ کر عامل نے پڑھائی تیز کر دی اور اپنا ہاتھ صبا کے سر پر رکھا پھر بوتل سے دم کیا ہوا پانی اس پر چھڑکا جس سے وہ بری طرح تڑپنے لگی۔
''عامل یہ تم اچھا نہیں کر رہے ہو۔'' مگر عامل نے اپنا کام جاری رکھا کچھ دیر بعد صبا کے اندر موجود اس وجود نے منت سماجت شروع کر دی۔
''چھوڑ دو مجھے معاف کر دو مجھے اچھا میں جاتا ہوں۔''
''مگر میری ایک شرط ہے یہ لڑکی کسی اور سے شادی نہیں کرے گی اور نہ ہی میں کبھی ایسا ہونے دوں گا۔''
''ٹھیک ہے مگر تم اس کا پیچھا چھوڑ دو۔'' صبا کی خالہ نے درمیان میں حصہ لیا۔ عامل بابا نے ناگواری سے صبا کی خالہ کی طرف دیکھا پھر وہ اس جن کی طرف متوجہ ہوئے جو صبا پر عاشق ہو گیا تھا۔
''تم بلاوجہ اس لڑکی کو برباد کرنے کے در پے ہو۔ یہ لڑکی محض تمہاری شرط کے آگے اپنی زندگی تباہ کر لے یہ کہاں کا انصاف ہے۔ میں ایسا ہرگز نہیں ہونے دوں گا۔ تمہیں مکمل طور پر اس کو چھوڑ کر جانا ہو گا ورنہ مجھے انتہائی قدم اٹھانا پڑے گا۔''
''تم جو بھی کر لو میں نے جو کہنا تھا کہہ دیا۔'' جن نے ضدی لہجے میں کہا۔ اس کی بات سن کر عامل بابا جلال میں آ گئے اور انہوں نے سخت وظیفہ شروع کر دیا کچھ ہی دیر بعد وہاں عجیب قسم کی چیخ و پکار اور آہ و بکا مچی رہی پھر خاموشی چھا گئی۔ عامل بابا نے کہا۔
''یہ بچی اب آزاد ہے ہم نے اس کا خاتمہ کر دیا ہے ہم ایسا کرنا نہیں چاہتے مگر اس ملعون نے سرکشی کی انتہا کر دی تھی اس لیے اسے سبق سکھانا پڑا۔ آپ لوگ اسے لے کر گھر جائیں اور یہ کچھ تعویذ ہیں جو اسے ہر وقت پیتے رہنا ہوں گے۔''
اس کے بعد زندگی معمول کے مطابق گزرنے لگی صبا کے ابو اس کی جلد از جلد شادی کر دینا چاہتے تھے مگر اس کی کہیں بھی بات نہیں بن رہی تھی وقت تیزی سے گزرتا چلا گیا اس دوران میں صبا کے ابو بھی انتقال کر گئے بھائی کی شادی ہو گئی تھی اور وہ اپنی زندگی میں مگن تھے اس بات کا شکر ہے کہ وہ ساتھ رہتے ہیں ورنہ ہم تینوں بہنیں اکیلے کیسے رہتی، میں نے اور طوبیٰ نے پارلر جوائن کر لیا ہے صبا آپی گھر میں بچوں کو ٹیوشن پڑھاتی ہیں کچھ پیسے بھائی دے دیتے ہیں اس طرح ہماری گزر بسر ہو رہی ہے۔
اس جن کی بددعا تھی یا آہ کہ نا صرف صبا آپی کی بلکہ ہم دونوں بہنوں کی بھی شادیاں نہ ہو سکیں۔
'کاش صبا آپی اپنی دوست اسماء کا ساتھ نہ دیتیں کاش وہ اس دن ان کے ساتھ نہ گئی ہوتیں دوستی کا حق ادا کرنے کی جتنی بڑی قیمت صبا آپی نے ادا کی ہے شاید ہی کسی دوست نے کی ہو گی۔ جس دوست کی خاطر صبا آپی نے اپنے ساتھ ساتھ دوسروں کی بھی زندگی جہنم بنادی ہے وہ دوست شادی کے بعد خوشگوار زندگی گزار رہی ہے انہیں اندازہ بھی نہیں ہے کہ ان کی دوست نے ان کی خاطر کتنی بڑی قربانی دی ہے کاش صبا آپی امی کا کہا مان لیتیں تو آج ہمیں یہ دن دیکھنا نہ پڑتا۔

WAQAR AZEEM www.pakistanipoint.com

کراچی سے ارسال کردہ ہیبت ناک کہانی

جنم کی اکیلی

وہ بے گوروکفن پڑی تھی اور کھلی آنکھوں میں شکوہ تھا اس معاشرے اور معاشرے میں بسنے والی انسانی شکل کے بھیڑیوں سے.....

تبسم زہرا رضوی

اس روز ہمارے کلاس فیلو کی ماں کا انتقال ہوگیا تھا۔ ہم لوگ بھی جنازے میں شریک تھے۔ جب قبرستان میں تدفین کے مراحل جاری تھے۔ میں اِدھر اُدھر پھرنے لگا کتبے پڑھنا میری ہابی تھا۔ قبروں پر لکھے نام بتاتے تھے کہ بندہ کس معیار کا تھا۔ سید فلاں مرزا فلاں؟ شیخ فلاں یوں تو سید بھی ہو مرزا بھی ہو افغان بھی ہو۔ کچھ یہ بھی بتاؤ کہ مسلمان بھی ہو؟ علامہ اقبال کا شعر میری سماعت میں چنگاری چھوڑ گیا۔ اپنی زندگی میں زمانے کو ٹھوکر میں رکھنے والے لوگ متکبر لوگ دوسروں کو حقیر کیڑے مکوڑے سمجھنے والے لوگ دوسروں کے گھروں میں آگ لگا دینے والے لوگ..... برائی کی کوئی قسم بچے نہیں ایسے ایسے لوگ..... شہر خموشاں کا سکون بنے قبروں میں بے خبر پڑے تھے۔

سب ایسے نہیں ہوں گے میرے دل نے کہا۔ اچھے لوگ بھی ہوں گے پیارے پیارے اچھی سوچ رکھنے والے..... غریبوں یتیموں کی فکر بیواؤں کی اعانت بغیر کسی غرض، کسی غریب بچے کی تعلیم کا خرچ اٹھانے والے سوچ کے غریب نہیں۔ سوچوں کے امیر اگر ان کے پاس بہت مال و زر نہیں ہوگا بھی تو اللہ سوچ کے بدلے میں دے دے گا۔ اچانک میری نظر ایک کتبے پر پڑی۔

"ہیبت جان..... یہ سچ مچ کا ہیبت جان تھا۔ میں اس شخص کو جانتا تھا۔ یہ اپنے علاقے کا کونسلر تھا بہت ہی خراب انسان تھا۔ دنیائے روزگار میں شاید ہی کوئی غم ایسا نہیں تھا جو اس نے لوگوں کو نہیں دیا ہو یا شاید کوئی عیب ایسا نہیں تھا جو اس شخص میں نہ ہو۔ ظالم اتنا کہ اللہ کی پناہ..... پیسے اور خاندان کے افراد کی وجہ سے ان کے کاندھوں پر سوار ہوکر سیاست میں آ تو گیا تھا پر جب ظلم حد سے بڑھ گیا تو اللہ نے اس کو مٹانے کا فیصلہ کرلیا۔

اس کا قد عام آدمی سے تقریباً ایک فٹ زیادہ ہوگا لیکن اسی قبرستان میں لوگ اس کو بھگائے پھر رہے تھے۔ پھر گولیاں مار کر چلے گئے۔ آج انہی فکروں سمیت قبر میں سو رہا تھا اور اس کے قائم

WAQAR AZEEM
www.pakistanipoint.com

کئے ہوئے برائی کے اڈے چل رہے تھے توبہ توبہ چلنا چاہیے۔ میں نے اپنے ساتھیوں کی طرف دیکھا تدفین مکمل ہوگئی تھی اور لوگ واپسی کا ارادہ کر رہے تھے۔ میرا دوست اپنی ماں کی قبر سے لپٹ کر رو رہا تھا اور کسی طرح الگ ہونے پر تیار نہیں تھا۔

پتہ نہیں مائیں کیسی ہوتی ہوں گی اپنے بچوں سے کتنی محبت کرتی ہوں گی تب ہی تو راحیل اتنا رو رہا تھا۔ لوگوں نے اسے سہارا دے کر واپسی کے لیے آمادہ کرلیا تھا۔ میں نے سوچا کہ میری ماں ہوتی تو مجھے پتہ چلتا۔ میرا یہ خانہ خالی تھا۔ میرا تو ہر خانہ ہی خالی تھا۔ کوئی بات نہیں پھر بھی ہزاروں سے اچھا ہوں۔ لوگ واپس جا رہے تھے میں سب سے پیچھے تھا۔

اچانک جھاڑیوں کے پیچھے سے آواز آئی۔

''میرے لیے فاتحہ نہیں پڑھو گے۔'' میں اچھل پڑا۔ نسوانی آواز بڑی سریلی و خوبصورت پر حزن و ملال میں ڈوبی ہوئی تھی۔ میں رک گیا۔ جنازہ دفنا کر جانیوالے آگے تھے میں آخری آدمی تھا۔ کہانیوں کا متلاشی...... یوں بھی شام رات میں ڈھل رہی تھی۔ میں بھی تاریکی کا حصہ بن کر وہیں ایک پختہ قبر پر بیٹھ گیا۔ جیب سے موبائل نکال کر لائٹ جلائی اور آواز کی طرف نظریں دوڑائیں۔ کچھ فاصلے پر جھاڑیاں تھیں۔ وہاں سے آواز آئی۔

''یہاں آؤ۔'' میں گیا تو میری بھی چیخ نکلتے نکلتے رہ گئی۔ میں تو سمجھا تھا کہ کوئی قبر میں سے پکار رہا ہے۔ یہ تو کسی مظلوم کی لاش تھی۔ بنا کفن...... لگتا تھا چیل کوؤں نے نوچا ہے۔ لیکن جب اس نے بات شروع کی تو پتہ چلا کہ جانوروں سے

پہلے انسان اسے بھنبھوڑ چکے تھے۔

اسے ڈھانچہ کہنا مناسب نہ ہوگا یہ ادھڑی ہوئی لاش تھی۔

''میرا نام نیلما ہے ماں تھی میری بہت اچھی مرگئی پھر باپ بھی مرگیا میں پنجاب کے شہر ملتان کی رہنے والی ہوں۔ پھر وہی ہوا جو بن ماں باپ کے بچوں کے ساتھ ہوتا ہے۔ نانی کہتی دادی رکھے دادی کہتی نانی رکھے۔ چھوٹی سی عمر میں کام کرنے لگی تھی۔ چھوٹے چھوٹے ہاتھوں سے' مامیاں اتنا کام لیتیں جو میری طاقت سے زیادہ ہوتا۔ پھر بھی منہ سیدھا نہیں ہوتا۔ ایک مرتبہ انہوں نے مجھ سے چولہے کی آگ تیز کرنے کے لیے کہا۔''

''ہماری کچی آبادی میں گیس نہیں تھی میں نے لکڑی آگے بڑھائی وہ نیچے سے سلگ رہی تھی میرا ہاتھ جل گیا میں تڑپ کر رہ گئی۔ پڑوسن آئی ہوئی تھی میرے تڑپنے پر اس نے ہمدردی سے مجھے دیکھا۔''

''ارے بنتی ہے بہت بڑی ایکٹر ہے۔'' میری انگلی بری طرح جل گئی تھی۔ وہ تو سہم کر اپنے گھر چلی گئی۔ مجھے ابھی برتنوں کی بارات سے بھی جنگ کرنا تھی۔ بارات.....؟ ہاں وہ ڈھیر سارے برتن بارات کی طرح کھرے پر جمع تھے۔ دوا تو کیا ملتی راکھ مٹی سوڈا زخم اچھا ہی نہیں ہونا تھا۔''

''تمہاری نانی کچھ نہیں کہتی تھیں۔'' ان کے پاس ویسلین تھی ایک دن چپکے سے لگا رہی تھیں کہہ رہی تھیں مامی کو نہ بتانا اور مامی نے سن لیا اور وہ ہنگامہ کھڑا کیا کہ اللہ کی پناہ..... مامی کو وہم کی بیماری تھی کہتی تھیں ہاتھ روم جاتی ہے چکنا ہاتھ ہو تو نجاست دور نہیں ہوتی پھر زخم بڑھ بھی گیا میں نانی کے پاس چھپی سہمی ہوئی بیٹھی تھی کہ جیسے میں دنیا میں اکیلی ہوں جو باتھ روم جاتی ہوں پھر انہوں نے صابن سے ہاتھ دھونے کا حکم دیا۔''

''بہت درد ہوا ہوگا؟''

''بہت ہوا لیکن اس سے زیادہ درد میرے دل میں ہوا۔ ماں ہوتی تو یہ نہ ہوتا' پھر انگلی تو اچھی ہوگئی پر دل کا درد ساتھ رہا وہ زخم کسی کو دکھانے والا نہیں تھا۔ مامی کے آٹھ بچے تھے سارا دن مجھ پر حکم چلاتے۔ کسی کے چائے ناشتے میں دیر ہو جاتی تو مار مار کر بھرکس نکال دیتے۔ نانی پہلے تو تھوڑا بہت بول لیتی تھیں۔ اب جوں جوں بوڑھی ہوتی جارہی تھیں خاموش ہوگئی تھیں۔ تینوں مامیاں آپس میں سگی بہنیں تھیں۔ میری معمولی خطا پر میرا کھانا بند کر دیا جاتا۔''

''کوئی نہیں تھا جو ظلم کے خلاف آواز اٹھائے ان کے بچے پڑھتے تھے میں کام میں پوری تھی۔ پھر بھی ماسٹر جی نے مجھے پڑھانا شروع کر دیا اور میں نے اردو لکھنا پڑھنا سیکھ لی۔ انہوں نے میری فیس معاف رکھی تھی کہتے تھے کہ یہ میری قبر کے واسطے ہے۔''

''پھر.....؟''

''جب بچے کھیلتے میرا بھی بہت دل چاہتا تھا کہ میں بھی ان میں شامل ہوں نہ تو اجازت تھی نہ ہی وہ مجھے اپنے ساتھ کھلاتے کہتے تم گندی ہو دن بھر کام کاج میں میرے کپڑے گندے ہو جاتے ہفتے میں ایک بار نہانے کپڑے بدلنے کی اجازت تھی۔ وہ اس لیے کہ بدبو آتی تو پھر پیر کیسے دباتی۔ گھر میں میری حیثیت نوکر سے بھی بدتر تھی۔ سامنے والے گھر میں ایک بچی تھی تنویر میری اس سے دوستی تھی۔ اس کی ماں بھی مجھ پر رحم کھاتی تھی۔ ان کے گھر جب سب بچے کھیل رہے ہوتے تو..... وہ نانی سے کہہ کر مجھے لے جاتی

WWW.PAKSOCIETY.COM
www.pakistanipoint.com

کھیل کا مزہ آ جاتا۔ اس کی ماں میری کنگھی بھی کر دیتی بال بھی تو جتائیں تھیں۔ سلجھا دیتی لیکن کہتی تو میری تنو کی طرح ہے روز میرے بھانڈے دھو دے تنو تو مدد کر...... تنو کو برتن دھونے کیا آتے۔ میں خوشی خوشی نہ صرف برتن دھو دیتی بلکہ اور چھوٹے موٹے کام نمٹا دیتی۔''

''اس وقت تم کتنی بڑی تھیں؟''

''نو دس سال کی تو ہوں گی۔ آہ...... پھر جب میرے جسم کے زخم رخساروں کے طمانچے نظر آنے لگتے تو کوئی چاچا آ کر لے جاتا ہاں وہاں بھی وہ ہی تھا ہاں وہ لوگ کچھ پڑھے لکھے تھے دادا دادی آپس میں بہت محبت کرتے تھے۔ وہ لوگ عاشقی میں پورے تھے۔ دادا دادی کے لیے شام کو روز گجرے اور مٹھائی لاتے اپنے کمرے میں جا کر دیتے۔ گجرے ہاتھوں میں خود پہناتے سونے کی چوڑیاں ہار بندے پہنے دادی کسی مہارانی کی طرح گھر پر حکومت کرتیں۔ میں وہاں بھی نوکر تھی ایسے میں کون مجھ پر توجہ دیتا۔ چار چاچا چاچیاں سب کے کاموں کے لیے ملازم تھے لیکن کسی اپنے پر حکم چلانے کا مزہ ہی کچھ اور ہے۔''

''پھر کیا ہوا؟''

''اب مجھ پر جوانی آنے لگی تھی اور گھر میں چاچی کے بھانجے بھتیجے چکر لگانے لگے تھے۔ مامی کے گھر ہوتی تو ان کے میکے سے ایک سے ایک مسٹنڈا آیا ہوا ہوتا سب کی نظریں گھوم پھر کر میرا گھیراؤ کر رہی ہوتیں گھر والے اب بھی خاموش تھے؟ کیوں نہ ہوتے انہیں تو اسی وقت کا انتظار تھا کہ مجھے برا ثابت کریں اور مجھ سے پیچھا چھوٹے۔ ایسے میں میں اپنے آپ کو بالکل اکیلا پاتی شام کو جو بھی پڑوس میں جانا ملتا تھا۔ ماموں نے اس پر بھی پابندی لگا دی تھی۔''

شام کو سب صحن میں جمع ہوتے آپس میں ہنستے بولتے۔ میں بھی منہ ہاتھ دھو کر اپنا حلیہ ٹھیک کرتی۔ چپکے سے کسی کی کریم پوڈر بھی لگا لیتی اور نظر بچا کر ایک چھوٹا آئینہ اپنے کپڑوں میں چھپا کر چھت پر چلی آتی۔ آئینے میں اپنے آپ کو دیکھتی حسن کی مورت اور پھر وہ ساری باتیں جو میں کسی سے کہہ نہیں سکتی تھی سب کہہ لیتی اپنے آپ سے کہتے ہوئے میرے آنسو آ جاتے وہ بھی آئینے کو دکھائی۔ آئینے میں اپنی صورت کا نام میں نے دوست رکھا تھا۔ دیکھ دوست یہ کیسا زخم ہے یہاں مامی نے نوچ لیا تھا کلائی زخمی تھی۔''

''اپنے دکھ بیان کرتے ہوئے میرے آنسو نکل آتے آئینے میں دوست بھی روتی تو مجھے سکون مل جاتا میں تسلی کے وہ جملے جو میں دوسروں سے سننا چاہتی تھی۔ دوست کی زبان سن لیتی اتنے میں نیچے سے آوازیں لگتیں اور ملاقات کا وقت ختم ہو جاتا۔ آج کل چاچا والے گھر میں بہار آئی ہوئی تھی۔ میرے سب سے چھوٹے چاچا کی شادی تھی۔ میرا باپ چارپائی پر تھے۔ ابا جی سب سے بڑے تھے۔ چھوٹا چاچا شارجہ میں جاب کرتا تھا آج کل اپنی شادی کے لیے آیا ہوا تھا۔ مایوں مہندی شادی ولیمے کے کپڑے دادی نے میرے بھی بنوا دیے۔ ورنہ تو اترن پہننے کو ملتی تھی۔''

''ہاں افسوس......''

''افسوس ابھی کدھر؟ افسوس کا لفظ تو اس کے مقابلے میں بہت چھوٹا ہے۔''

''اچھا......''

''بڑے چاچا کا بڑا بیٹا ثمیر مجھ سے دو سال بڑا تھا۔ اب اٹھارہ سال کا ہو رہا تھا۔ اس کا دل مجھ پر آ گیا تھا شادی میں تیار ہوئی تو مر مٹا قربان ہو رہا تھا۔ میں بھی سولہ کی تھی نئی نئی جوانی کا خمار

WAQAR AZEEM
www.pakistanipoint.com

میری آنکھوں سے چھلکنے لگا تھا۔ شادی چاچا کی تھی لڈو میرے من میں پھوٹ رہے تھے۔ میں نے تو آنکھ کھول کر نفرتیں دیکھی تھیں۔ اب جو ثمیر کا پیار ملا تو من میں کلیاں کھل گئیں۔

''خبردار کسی کو ہوا نہ لگے۔ یہ ثمیر کی ہدایت تھی۔ خود بھی بہت احتیاط رکھتا تھا نئی چاچی بہت خوبصورت حسین و جمیل ہونے کے ساتھ اپنا بہت خیال رکھنے والی تھی چاچا تو دیوانہ تھا اسی کے آگے پیچھے پھرتا۔ اس کے گورے گورے نازک ہاتھوں کی تعریف تیکھے نین نقوش کی مدح سرائی' دیوانہ وار چاہتا وہ بھی مسکرا مسکرا کر داد وصول کرتی دادی کا منہ بنتا تو دادا کہتے۔''

''آخر بیٹا کس کا ہے میں بھی تو تیرا دیوانہ ہوں۔ چاچا نے میرے سب کام بند کروا کر گھر کے لیے ماسی اور باہر کے کام کے لیے لڑکا رکھ کر مجھے صرف چاچی کے کام کے لیے رکھ لیا تھا۔ ثمیر کے میری زندگی میں آجانے سے میری زندگی میں چراغ جل اٹھے تھے۔ چاچی کے کمرے سے جڑا بڑا اسٹور خالی تو نہیں تھا ہاں سامان کنارے کر کے میری چارپائی بچھا دی گئی۔ یوں بھی اب بڑی تھی پہلے تو جہاں جگہ ملتی پڑ کر سو جاتی تھی۔''

''مگر اب تو عیش ہو گئے بس چاچو چلے گئے اور میرا کام چاچی کو دودھ گرم کر کے دینا۔ ان کے کپڑے ہینگر پر ٹانگ دینا ان کے میک اپ کے سامان کو سنبھال رکھنا اس میں تو مجھے بہت مزہ آتا ان کا میک اپ کرنا سیکھ گئی۔ اپنا بھی کرتی رات کو..... جب ثمیر کھڑکی میں آتا۔ بس زندگی میں وہی لمحے تھے جب میں خوش تھی۔ بنا ماں باپ کے پلنے سے میرے اندر عقل بھی عام لڑکیوں سے کم تھی۔ لیکن سب جگہ ایسا نہیں تھا۔ کچھ جگہ مجھے ان سے پہلے خطرے کی بو آجاتی۔ چاچا کے جانے کے بعد سناٹا چھا گیا۔ بڑی چاچی نے ثمیر کی نگرانی شروع کر دی تھی۔ اب وہ ہر رات کھڑکی میں نہیں آپاتا تھا۔''

''تم کراچی کیسے آئیں؟'' میں نے کمر سیدھی کرتے ہوئے کہا۔

''یہی تو بتانے جا رہی ہوں تم قبر پر بیٹھے بیٹھے تھک گئے ہو لیٹ جاؤ۔''

''یہاں.....؟''

''ہاں یہاں اور بھی تو ہزاروں لوگ سو رہے ہیں۔ میں بھی تو یہی رہتی ہوں آج تیسرا دن ہے مجھے تو غسل و کفن بھی نہیں ملا۔ تم بھی یہیں آؤ گے۔'' میں دھیرے سے ہنسا۔ اب میں ایسے کیا بتاتا۔ میں پختہ قبر پر نیم دراز ہو گیا۔ رات کا پُرہول سناٹا قبرستان کا فسوں خیز ماحول..... سب مل کر فضا کو پُراسرار بنا رہے تھے۔ پھر یہ ڈر تھا کہ کہیں گورکن نہ آجائے۔

''اچھا میں یہ چاہتی ہوں کہ صبح ہونے سے پہلے تمہیں سب بتا دوں پھر تم اسے اپنے دوستوں کو سنانا یا کسی اخبار رسالے میں دینا لوگ بڑے شوق سے پڑھیں گے۔'' اس کا لہجہ بھرا گیا۔

''سرخ قلم سے لکھنا میری دکھ بھری کہانی.....''

''ہوں.....''

''پھر کیا ہوا؟''

''چاچی بڑی چاچی بڑی ظالم عورت تھی۔ اسے تو میرا آرام کھٹک رہا تھا جب شک ہوا کہ اس کا بیٹا مجھ سے عشق کرنے لگا ہے تو وہ تو ناگن بن گئی۔''

''تمہیں ٹھکانے بھجوا دیا ہوگا۔''

''نہیں وہاں جب سے میری چھوٹی مامی کے بھائی نے میرا ہاتھ پکڑ کر مجھ پر نیت خراب کی تھی۔

WAQAR AZEEM
www.pakistanipoint.com

چاچی نے صاف کہہ دیا تھا کہ نیلما اب وہاں نہیں رہے گی۔''

''تم بڑی چاچی کا بتا رہی تھیں کہ بڑی ظالم تھیں کیا ظلم کیا اُس نے؟''

''ہائے ہائے کاش وہ میرے منہ پر تھپڑوں کی بارش کر دیتی میری ہڈیاں توڑ دیتی میرا گلا گھونٹ دیتی' مگر یہ نہ کرتی اس نے تو چہرے سے بھی ظاہر نہ ہونے دیا کہ اس نے مجھے کھڑکی میں کھڑے ہو کر ثمیر سے باتیں کرتے ہوئے دیکھ لیا ہے۔ اس نے چاچا سے کہہ کر ثمیر کا داخلہ کراچی میں این ای ڈی یونیورسٹی میں کروا دیا تھا اور میں جوگن بن گئی' ہجر و فراق کی تصویر......''

''تم اردو بڑی اچھی بولتی ہو۔''

''ہماری قومی زبان جو ہوئی...... میں تکیے میں منہ دیے روتی رہتی چھوٹی چاچی فون پر باتیں کرتی رہتیں۔ میں سمجھتی تھی کہ چاچو سے بات کر رہی ہے لیکن ایک دن میں دروازے تک آئی دل بہت گھبرا رہا تھا سوچا پیاس لگ رہی ہے چاچی کے فریج سے پانی بھی پی لوں گی اور کچھ دیر ان کے پاس بیٹھ بھی جاؤں گی مگر جو سنا میری تو جان نکل گئی۔ پیروں کے نیچے سے زمین نکل گئی۔''

''چاچی تو کسی اور بندے سے بات کر رہی تھیں۔''

''وے یاور میں تواڈے بنا نہیں رہ سکتی ماں باپ نے پتہ نہیں کس جرم کی سزا دی ہے پھر وہ لوگ پیار محبت کی باتیں کرتے رہے اور میں اپنے بستر پر نیم بے ہوش پڑی رہی۔''

''پھر......؟''

''صبح میں نے کسی پر ظاہر نہیں کیا۔ بڑی چاچی سے یہ سیکھا تھا۔ دو تین دن کے بعد میں سو رہی تھی ہلکے سے گانے کی آواز آئی میں نے چپکے سے جھانک کر دیکھا چاچی ٹیپ لگا کر ناچ رہی تھی ایسا غضب کا کہ کیا کوئی رقاصہ ناچے...... پھر موبائل پر باتیں کرنے لگیں۔ موبائل تو میرے پاس بھی تھا اسی نے دیا اپنا پرانا...... اسی پر ایک مرتبہ صرف ایک مرتبہ ثمیر کا فون آیا تھا شہد میں ڈوبا ہوا میں رو دی میں نے کوئی سو فون کیے ہوں گے۔ تب ایک فون آیا۔''

''میری نگرانی ہو رہی ہے میرے دو ماموں زاد بھی میرے ساتھ پڑھتے ہیں۔ اب تو مجھے فون نہ کرنا میں خود رات کو کسی وقت کر لوں گا۔ چاچی سن لے گی فون کو سائلینٹ پر لگا دینا اپنے دل سے لگا کر سونا حرکت ہو گی تو جاگ جانا۔''

''چاچی مجھے چاچی کہنے سے منع کرتی تھی۔ کہتی باجی بولا کر میں کوئی تجھ سے بہت بڑی تو نہیں ہوں دو چار سال میں کوئی چاچی بنتی ہے۔ ایک رات مجھے اپنے کمرے میں کھڑکا ہوا۔ مجھے لگا کوئی کھڑکی میں ہے میں نے ڈر کے مارے باجی کے کمرے میں پناہ لی کمرہ خالی تھا۔ باتھ روم بھی خالی؟ میں جلدی سے کھڑکی میں آئی وہاں سے نیچے ایک رسی لٹک رہی تھی میرے اللہ چاچی نکل گئی۔ میں نے سوچا جا کر دادی کو بولوں۔ میرا دل بری طرح دھڑک رہا تھا۔ ابھی ٹھہر جاتی ہوں گھر میں کچھ بھی ہو بڑی چاچی پتہ نہیں کیا کرتی کہ کہانی میرے گلے آ جاتی۔ کہیں یہ کہانی بھی میرے گلے نہ آ جائے میں اپنی چارپائی پر لیٹ گئی۔ صبح خود ہی سب کو پتہ چل جائے گا۔ پھر پتہ نہیں کب آنکھ لگی۔''

''صبح میں یہ دیکھ کر حیران رہ گئی کہ چاچی اپنے بیڈ پر بے خبر سو رہی تھی شکر ہے میں نے کسی کو خبر نہیں دی پھر اس کے فون سننے سے پتہ چلا کہ اس کا دوست

WAQAR AZEEM www.pakistanipoint.com

.....قارئین.....

کچھ عرصے سے پاکستان کے طول و عرض سے ماہنامہ دوشیزہ، ماہنامہ سچی کہانیاں کی دستیابی میں رکاوٹ کی شکایت موصول ہو رہی ہے ہم آپ کی سہولت کے لیے آپ کو تجویز کریں گے کہ اسٹالوں کے چکر لگانے میں وقت اور پیسہ برباد کرنے کے بجائے اپنے پیارے ڈائجسٹ کے ادارے کو 1500 یا پھر 750 روپے ادا کر کے سالانہ خریدار یا 6 ماہی خریدار بن جائیں اور گھر بیٹھے پرچہ حاصل کریں۔ یوں آپ محفل دوستاں میں بھی بروقت شرکت کر کے مدیرہ سے بات چیت بھی کر سکتے ہیں۔

تو پھر سوچیے مت کسی قریبی دکان پر جائیے اور بذریعہ ایزی پیسہ رقم منتقل کریں یا پھر ڈاک خانے جا کر منی آرڈر بنام ماہنامہ دوشیزہ یا ماہنامہ سچی کہانیاں ارسال کر دیں۔

WAQAR AZEEM
www.pakistanipoint.com

غریب ہے اور اس کا رابطہ بازارِ حسن سے بھی ہے۔ وہ اسے وہاں رقص کے لیے لے کر گیا تھا آدھا چہرہ ڈھانپ کر لمبی میکسی پہن کر اس نے ایسا ڈانس کیا کہ لوگ عش عش کر اٹھے پھر وہاں سے برقعے میں واپس لے آیا۔ یہی طے ہوا تھا ورنہ تو وہاں سے لڑکیاں واپس کب آتی ہیں۔''

''اب زمانہ بدل گیا ہے' اب لوگ اپنی مرضی سے آوارگی قبول کرتے ہیں۔''

''اچھا پھر.....''

''پھر میں نے بھی بالکل ظاہر نہیں ہونے دیا کہ سب جان گئی ہوں پھر قیامت جب آئی کہ جب میں نے خود سنا وہ لوگ پیسوں کے لیے پریشان تھے وہ گھر سے بھاگ جانا چاہتے تھے اور مجھے بیچنا چاہتے تھے بیس لاکھ کے عوض.....''

میں سوتی بن گئی نیلما اٹھ ابھی ثمیر کا فون آیا ہے وہ تیرا انتظار کر رہا ہے گلی کے نکڑ پر وہ تجھے کراچی لے جائے گا یہ لے دس ہزار روپے یہ سونے کا سیٹ یہ میرا برقعہ یہ اوڑھ اور رسی سے نیچے اتر جا اتر سکتی ہے؟ اتنی دیر میں میں اپنا زیور جو دادی نے میری شادی کے لیے رکھا تھا اپنے کپڑوں میں چھپا چکی تھی باجی نے دو جوڑے بیگ میں رکھ کر مجھے رسی کی مدد سے نیچے اتار دیا۔ میں نے بھی دل میں پروگرام بنالیا تھا گلی بہت لمبی تھی یاور جس نکڑ پر کھڑا تھا میں گھپ اندھیرے میں دوسرے نکڑ کی طرف چلی گئی اور ایک پتھر گھر کی طرف اچھال دیا۔ نیچے لوگ جاگ پڑے ۔کون ہے؟ کون ہے؟ میں تیز قدموں سے اسٹیشن کی طرف جا رہی تھی یاور گھر میں شور ہوتے دیکھ کر بھاگ گیا تھا۔ میں اسٹیشن پر تھی ریل گاڑی تیار تھی سیٹی ہوگئی تھی میں ایک ڈبے میں چڑھ گئی میرا دل بری طرح دھڑک رہا تھا۔ میرے پاس ٹکٹ بھی نہیں تھا۔ روہڑی آنے پر ٹکٹ چیکر آیا۔''

''میں نے کراچی کا ٹکٹ بنوالیا۔ کہا رحیم یار خان سے بیٹھی ہوں رات کو مسافر سو رہے تھے صبح ہوئی تو میں نے منہ کھڑکی کی طرف رکھا نقاب کے ساتھ کہ کسی سے بات نہیں کرنی۔ میرا دل دماغ سب گھر کی طرف تھا۔ اب کیا کروں گی کہاں جاؤں گی ثمیر کے پاس اور کراچی آ گیا این ای ڈی کہہ کر میں نے رکشہ کرلیا۔ چوکیدار سے کہا۔''

''ثمیر کو بلا دیں مجھے کلاس نمبر پتہ تھا اس نے ثمیر کو بلا دیا مگر اس کے ساتھ اس کے کزنز بھی تھے۔ ثمیر نے مجھے پہچاننے سے انکار کر دیا۔ میرے دل پر گھونسہ لگا میں ایک طرف چل پڑی۔ میں چلی جا رہی تھی میرے آنسو میرے نقاب میں جذب ہو رہے تھے۔''

''سنو.....! مجھے پیچھے سے ثمیر کی آواز آئی۔ یہ لو اس پتے پر چلی جاؤ انہیں کام والی کی ضرورت ہے۔ میں بڑی مشکل سے آیا ہوں آئندہ مجھ سے ملنے یہاں کبھی نہیں آنا اس نے لہجہ بدل کر نفرت سے کہا۔ میں یہاں پڑھنے آیا ہوں خبردار کوئی رابطہ نہیں رکھنا پیسے چاہیے یہ کہہ کر جیب کی طرف ہاتھ بڑھایا نہیں چاہیے۔ اس نے رکشہ روک لیا تھا اور اسے پتہ سمجھا رہا تھا۔''

''حالات اچھے ہوتے تو میں اس کی یہ مدد بھی قبول نہیں کرتی۔ مگر اپنا مارے چھاؤں میں ڈالے میں رکشے میں بیٹھ گئی۔ منزل تو پتہ نہیں کہاں تھی قیام آ گیا تھا۔ اچھے لوگ تھے دو بزرگ میاں بیوی' بس بچپن سے غلامی دیکھی تھی۔ یہ زنجیر تو بہت اچھی تھی۔ پھر یہ کراچی شہر تھا۔ لیکن رہ رہ کر ثمیر کی یاد چٹکیاں لیتی دل تڑپ جاتا کتنا بدل گیا؟ کہتا تھا تم میری ہو زندگی بھر چاہوں گا۔ پہلے موڑ پر ہی آنکھیں بدل لیں۔ ہو سکتا ہے مصلحت ہو کوئی؟ سرد آہ بھر کر میں نے ایک آس لے کر اس کا نمبر ملایا اس نے فون نہیں اٹھایا۔''

WWW.PAKSOCIETY.COM

''میرے مالک خوش تھے اور میں بھی پُرسکون ثمیر نے تو ایسی آنکھیں بدل لیں تھیں کہ دل کو یقین ہی نہیں آتا تھا۔ اس کا ایس ایم ایس آیا ہوا تھا' خبردار اِدھر کا رخ نہ کرنا ذلیل لڑکی ورنہ جان سے ماردوں گا پھر میرے دل میں بھی اس کے لیے کوئی جگہ نہیں رہی۔ میں نے امی ابو کے کام میں دل لگالیا۔''

''پھر تو تمہارے دن پھر گئے ہوں گے۔''

''آہ...... دن ہم جیسے بن ماں باپ کے بچوں کے کب پھرتے ہیں۔''

''اچھا پھر کیا ہوا؟''

''اُف...... کاش نہ ہوتا امی عشا کی نماز کے بعد بڑے بڑے وظیفے پڑھتی تھیں اور ابو سو جاتے تھے۔ جاؤ اپنے ابو کو دودھ دے آؤ۔ میں لے کر گئی تو ان کی آنکھیں کھلی تھیں لگتا چھت کو گھور رہے ہیں ہاتھ پاؤں عجیب طرح پڑے تھے ابو ابو...... میں نے خوفزدہ ہو کر آوازیں دیں امی بھی جائے نماز سے اٹھ کر آ گئیں۔''

''ابو نہیں' مجھے چھوڑ کر وہاں چلے گئے تھے۔ قیامت ہو گئی پڑوسی آ گئے۔ اس آس پر اسپتال لے گئے کہ شاید بچ جائیں پھر میت ہی نہیں دے رہے تھے بہت سے پیسے لے کر ملی تدفین کے لیے ان کے بھانجے بھتیجے آ گئے۔ بے شک کہ موت کا گھر تھا پریشانی اپنے عروج پر تھی لیکن کیا پڑوس کیا رشتہ...... میرے حسین سراپے پر نظر ڈالنا نہیں بھولے...... اگر ایک طرف خراب نظر پاتی تو دوسری طرف چلی جاتی وہاں اس سے بھی زیادہ خراب ماحول ملتا۔ گھر گھر نہیں رہا تھا تماش گاہ بن گیا تھا۔ امی کے چہرے پر بھی ہوائیاں اڑ رہی تھیں۔''

''چچی جان آپ یہ گھر چھوڑیں اور ہمارے ساتھ چلیں۔''

''نہیں بیٹا...... میں یہاں سے کہیں نہیں جاؤں گی۔''

''چچا جان کی طرح آپ کا بھی وہی حال ہوگا۔''

''ہوتا رہے......''

''ان کے وقت میں آپ تھیں یہ لڑکی تھی اب کون ہوگا۔''

''اللہ ہے اور یہ بچی یہیں ہے۔''

''اس کا گھر کہاں ہے؟'' میرا دل سینے میں دھڑکنے لگا۔

''بس آپ سامان پیک کر لیں۔''

''میں کہہ رہی ہوں میں کہیں نہیں جاؤں گی۔''

''چچی جان ہمارا گھر ڈیفنس میں ہے آپ گلشن اقبال میں ہم نہیں آسکتے۔''

''نہ آؤ میں رہ لوں گی۔''

''خرچ کا کیا ہوگا۔''

''ان کی پنشن میرے نام ہے۔''

''پنشن سے یہ گھر کیسے چل سکتا ہے۔'' پھر لاکھ امی کے منع کرنے کے باوجود وہ لوگ انہیں اپنے گھر لے گئے۔ میں بھی ساتھ تھی زمین کا بوجھ۔''

''پھر......؟''

''پھر ان کے گھر رہنے لگے شروع میں آؤ بھگت ہوئی پھر ہم بوجھ بن گئے گھر کے مردوں کی ہولناک نظریں مجھ سے ہٹتی نہیں تھیں وہ تین بھائی تھے۔ ایک ان کی بیوی کے بھائی بھی ساتھ رہتے تھے اور سب کے سب میرے عاشق تھے۔ عاشق کیا مال مفت دل بے رحم...... لوٹ کا مال جو لے اڑے ...... مجھے امی اپنے کمرے میں سلاتی

WAQAR AZEEM
www.pakistanpoint.com

تھیں۔ ان بدبختوں نے ان کا گھر بیچ دیا تھا سب قیمتی سامان یا تو خود اٹھا لائے یا کباڑی کو دے دیا اور غضب کی قیامت جب ہوگئی جب رات میری آنکھ کھلی میں چیخنا چاہتی تھی پر خوف سے میری آواز گھٹ گئی۔''

''وہ لوگ امی کے منہ پر تکیہ رکھ رہے تھے تکیہ بھی بڑا والا...... امی ہاتھ پاؤں پٹخ رہی تھیں پھر ساکت ہوگئیں۔ وہ لوگ چپ چاپ چلے گئے بقیہ رات میں میت کے ساتھ قالین پر تھی امی بیڈ پر مردہ حالت میں خدا ایسا نصیب کسی کا نہ بنائے۔ پھر اگلی صبح شور مچا دیا چچا سے جا ملیں۔ میں سر جھکائے روتی رہی بالکل ہوا نہ لگنے دی کہ قتل کی عینی شاہد ہوں۔''

''پھر سوئم بھی نہیں ہوا کہ ایک بھائی مجھے گھسیٹ کر اپنے کمرے میں لے گیا اور میں بے آبرو ہوگئی پھر باری باری گھر کے تمام مردوں کی ہوس کا نشانہ بنی اور ایک رات میں نے گھر سے بھاگنے کا ارادہ کرلیا سوچا تھا یا تو ایدھی سینٹر جاؤں گی یا پھر دادی کے' اگر ان لوگوں نے بھی قبول نہیں کیا تو زہر کھاؤں گی۔''

''میں گھر سے نکل رہی تھی کہ پکڑی گئی اور ان لوگوں نے عرب کے شیخ کے ہاتھوں فروخت کر دیا دبئی میں روز نیا شیخ ہوتا میں روتی ہاتھ جوڑتی پر کچھ نہ ہوتا ایک دن دیکھا میرا چاچو نشے میں دھت چلا آرہا ہے میں نے چیخ چیخ کر بتایا میں نیلما ہوں دوسرے شیخ کو دانتوں سے کاٹنے کی عادت تھی۔ ملعون نے میرا سارا وجود نوچ ڈالا چاچا نے کہا عورتیں ایسی ہی ہوتی ہیں جو دل چاہے کرو۔ میری حالت مرنے والی ہورہی تھی۔''

''ان لوگوں نے پانی کے جہاز میں بٹھا دیا۔ کراچی آکر میرا دم نکل گیا وہ لوگ رات کو مجھے

تم یاد آتے ہو

جب کھیت پہ سرسوں پھوٹتی ہے
اور میری کلائیوں میں
چوڑیاں کھنکتی ہیں
ساجن تم یاد آتے ہو
جب گلی سے ڈاکیا گزرتا ہے
میری آنکھوں میں کاجل پھیلنے لگتا ہے
ساجن تم یاد آتے ہو
جب ہوا میرے آنچل کو چھوتی ہے
مجھے تمہاری خوشبو گدگداتی ہے
ساجن تم یاد آتے ہو
اور بہت یاد آتے ہو!!

الماس روحی

یہاں قبرستان میں پھینک گئے۔ گورکن کو پتہ ہے پر وہ کیوں میری قبر کھودے اسے کون سے پیسے ملنے ہیں۔''

''بس کرو......'' میں رو دیا تھا۔ صبح ہورہی تھی میں نے گورکن سے بات کی اور اس نے قبر تیار کی اس کی بیوی نے نیلما کو غسل دیا کفن پہنایا اور میں نے اور گورکن کے بھائیوں نے مل کر نیلما کو قبر میں اتار دیا اور سورۃ فاتحہ کے لیے وہ مولوی جو جنازہ پڑھانے آئے تھے نے مل کر سورۃ فاتحہ کے لیے ہاتھ اٹھا دیے۔''

'' اس طرح جنموں کی اکیلی کے لیے نا باقاعدہ تابوت بنا نہ لوگ آئے نہ سوئم نہ کچھ اور میرے پاس جتنے پیسے جیب میں تھے تدفین پر خرچ ہوگئے۔ لیکن میں نے سوچا ہے ہر جمعرات کو میں ضرور قبرستان جایا کروں گا۔

WAQAR AZEEM
www.pakistanipoint.com

ملتان سے بھیجی گئی تحریر

داستانِ عشق

پُراسرار مگر تاریخی عشق کی روداد.....

مجید احمد جائی

دربار سج چکا تھا اور دربار میں راجاؤں اور راجکماروں کا ہجوم سا لگا تھا۔ سب کی نظریں، اُس کی منتظر تھیں، جس کے لیے آج یہ دربار سجایا گیا تھا۔ اُس نے اس دربار میں آئے ہوئے راجکماروں میں سے کسی ایک راج کمار کا انتخاب کرنا تھا۔

جی ہاں انتخاب..... وہ راجہ دریودھن کی لڑکی تھی۔ باپ نے اُسے بڑے ناز و نعم سے پالا تھا۔ اب وہ جوان ہو چکی تھی۔ جب اولاد جوان ہو جائے تو والدین کو، ان کے فرض سے سبکدوش ہونے کی فکر ستانے لگتی ہے۔

راجہ دریودھن نے بھی اپنی بیٹی کی شادی کرنی تھی۔ یہ شادی آج کی شادیوں سے بالکل مختلف تھی۔ راجہ دریودھن نے فیصلہ کیا کہ میری بیٹی اپنے خاوند کا انتخاب خود کرے گی۔ اس لیے اُس نے یعنی راجہ دریودھن نے اپنی بیٹی کی شادی کرنے کے لیے، شوہر کا انتخاب کرنے کے لیے دربار میں سوئمبر قائم کیا تھا۔

سوئمبر میں شرکت کے لیے دُور دُور کے راجاؤں اور راجکماروں کو دعوت دی گئی۔ اب دربار میں رونق تھی، سوئمبر قائم ہو چکا تھا اور نظریں راجکماری کی متلاشی تھیں۔ دریودھن کا دربار راجاؤں اور راج کماروں سے جگمگا اُٹھا تھا۔ سب کے دِل مچل رہے تھے۔ آنکھیں، اُس کا دیدار کرنے کو بے تاب تھیں۔ ہر راجکمار کے دِل میں حسرت تھی..... کہ راجکماری میرا انتخاب کرے لب خاموش تھے۔ نظریں اُس مہ جبیں کی منتظر تھیں اور دل میں بے شمار خواہشات، آنکھوں میں سہانے خواب سجے تھے۔ چند لمحوں بعد اُس نے آکر، اپنے لیے شوہر کا انتخاب کرنا تھا۔ وہ جس کا انتخاب کرتی، اُس کے گلے میں پھولوں کا ہار ڈال دیتی اور یوں وہ اس کا خاوند قرار دیا جاتا۔

☆.....☆.....☆

پورے دربار میں اُس کا انتظار کیا جا رہا تھا۔ وہ ابھی نہیں آئی تھی۔ کہنے والے تو کہتے ہیں انتظار بہت بُرا ہوتا ہے' انتظار..... چاہے کسی محبوب کا ہو یا کسی کے آنے کا۔ انتظار اگر محبوب کا

WWW.PAKSOCIETY.COM

ہو اور حسرت ہو کہ محبوب میرے گلے میں ہار ڈال کر، مجھے اپنا لے..... مجھے اپنا محبوب بنا لے۔ کیا کیفیت ہوں گی۔ دل کیسے مچلتا ہوگا؟ آنکھیں کیسے خواب سجاتی ہوں گی؟

ایک امتحان تھا اور سب کے دل مچل رہے تھے۔ سبھی خود کو قسمت کا شہنشاہ تصور کر رہے تھے۔ کچھ ہی دیر میں فیصلہ ہو جانا تھا اور یہی کچھ لمحے، بڑے مشکل سے گزر رہے تھے۔ یہ اذیت بھرے لمحے سب پہ بھاری تھے۔ محبوب ایک تھا اور چاہنے والوں کا ہجوم لگا تھا۔ اُس نے تو صرف کسی ایک کا ہونا تھا۔ جس کی وہ ہو جاتی وہ خوش قسمت ہوتا۔ اُس کا دل آسمان کو چھوئے گا اور باقی کی آنکھیں سمندر بن جائیں گی۔ ایسا ہی کچھ اُس وقت ہو نے والا تھا۔

☆.....☆.....☆

وہ بھی اس سوئمبر میں شریک تھا۔ اُس کا نام شامب تھا۔ وہ کرشن کا بیٹا تھا اور دُور سے چل کر آیا تھا۔ اُس کے دل میں خواہش تھی کہ راجکماری میری ہی ہو۔ قد کاٹھ کا اچھا تھا اور بڑا بہادر نوجوان تھا۔ اُس کی بہادری کے چرچے تھے۔

وہ خیالوں کی وادی میں گم تھا کہ راجکماری سوئمبر میں جلوہ گر ہوئی۔ سب کے چہرے دمکنے لگے۔

راجکماری بڑی خوبصورت تھی۔ وہ مسکراتی ہوئی آ رہی تھی اور اُس کے ہاتھوں میں پھولوں کا ہار تھا۔ سب کی نظریں اُس کی طرف اُٹھ گئیں تھیں

۔سبھی نے اپنے اپنے دل تھام لیے تھے۔دربار میں سبھی دیدے پھاڑے کھڑے تھے۔وہ تھی بھی اتنی خوبصورت، حسین وجمیل۔دیکھنے والے دیکھتے ہی رہیں۔وہ چلی آرہی تھی اور چند لمحوں بعد، اپنی قسمت کا فیصلہ کرنے والی تھی۔وہ اپنا ہم سفر چُننے والی تھی۔کیسا منظر تھا۔؟ کیسا انتظار تھا۔؟

شامب بھی لائن میں لگا تھا اور پہلی ہی نظر میں اُس کا دیوانہ ہوا جا رہا تھا۔وہ اُسے کھونا نہیں چاہتا تھا۔اُسے ہر حال میں حاصل کرنا چاہتا تھا۔وہ نہیں چاہتا تھا کہ یہ راج کماری کسی اور کی ہو۔اُس کے ذہن میں جنگ جاری تھی۔پہلی نظر کیا پڑی، اس کے بعد وہ اپنا دِل ہار گیا

شامب خیالوں میں غوطہ زن تھا کہ اگر راجکماری نے مجھے پسند نہ کیا اور پھولوں کا ہار کسی اور کے گلے میں ڈال دیا تو مجھے بڑی خفت کا سامنا کرنا ہوگا۔اِس طرح میں اتنی حسین وجمیل راجکماری سے محروم ہو جاؤں گا۔میں وہ لمحے کیسے برداشت کروں گا۔میری آنکھیں ایسے لمحے کیسے دیکھ سکتی ہیں۔

☆.....☆.....☆

راج کماری چلتے چلتے راجکماروں کی لگی لائن کے قریب آ گئی تھی۔اُس کی نظریں اِدھر اُدھر کا جائزہ لے رہی تھیں۔قریب تھا کہ وہ پھولوں کا ہار کسی راجکمار کے گلے میں ڈال کر تجسس ختم کر دیتی اور اپنا فیصلہ سنا دیتی۔شامب بڑی پھرتی اور تیزی سے آگے بڑھا۔پل بھر میں اُس نے راجکماری کو بھرے دربار میں سے اُٹھا لیا اور سب دیکھتے ہی رہ گئے۔شامب، راجکماری کو اُٹھاتے ہی چار گھوڑوں کی رتھ میں ڈال کر دربار سے بھاگ نکلا۔

دریودھن کی بڑی بدنامی تھی کہ اُس کے دربار سے، اُس کی ہی بیٹی کو ایک شخص اُٹھا کر بھاگ گیا تھا۔دربار میں سبھی راجے اور راجکمار حیران اور ششدر کھڑے تھے۔

راجکماری کوروؤں کے خاندان سے تھی۔بھرے دربار میں سے اس طرح راجکماری کا اُٹھ جانا بڑی ندامت تھی۔کوروؤں کو غیرت آئی اور وہ اپنی اپنی رتھوں پر سوار ہو کر شامب کو گرفتار کرنے کے لیے نکل کھڑے ہوئے۔شامب آگے آگے تھا اور کوروؤں کا قافلہ اُس کے پیچھے پیچھے تھا۔بڑی تگ ودو کے بعد آخر کوروؤں نے شامب کو راستے ہی میں جا گھیرا۔وہ بھی کہاں ہار ماننے والا تھا۔

کوروؤں کے اس قافلہ میں کرن نامی نوجوان بڑا بہادر تھا۔اُس نے شامب کو للکارا۔شامب بھی دلیر تھا اور دلیری کا مظاہرہ کر کے ہی تو آیا تھا۔اُس نے بھی مقابلہ کے لیے کرن کو آواز دی۔پھر کیا، مقابلہ شروع ہوا اور کرن نے چار تیر چلائے۔شامب تیر اندازی میں کمال رکھتا تھا اور مقابلے کرنے کے تمام گر جانتا تھا۔شامب نے بہادری سے کرن کے چاروں تیروں کو، اپنے تیروں سے کاٹ ڈالا۔اب تیر چلانے کی باری شامب کی تھی۔شامب نے تیر چلائے اور کرن کی رتھ کے چاروں گھوڑے زخمی کر دیئے اور وہ زمین پر تڑپنے لگے۔

کرن بھی کہاں ہار ماننے والا تھا۔اُس نے بھی بھرپور مقابلہ کرتے ہوئے ہمت نہ ہاری اور برابر تیر چلاتا رہا۔اُس نے بھی اپنے تیروں سے شامب کے چاروں گھوڑوں کو زخمی کر دیا۔مقابلہ جاری تھا کہ کوروؤں کے باقی لوگوں نے گھیرا مزید تنگ کر دیا اور یوں بالآخر شامب کو گرفتار کر لیا گیا۔

☆.....☆.....☆

شامب کا باپ کرشن قبیلہ جادو بنسی خاندان

WAQAR AZEEM www.pakistanipoint.com

سے تھا اور کورو سورج بنسی خاندان سے تھے۔ ان دونوں خاندانوں میں اکثر عداوت رہتی تھی۔ کوروؤ اکثر غالب رہتے تھے اور غرور و تکبّر میں بھرے رہتے تھے۔

دریودھن نے بھرے دربار میں متکبرانہ انداز میں کہا کہ ہم نے ہمیشہ جادو بنسی خاندان کی لڑکیاں لی ہیں۔ اُن کی اتنی جرات کہ ہماری لڑکی لے جائیں۔ ان میں اتنی طاقت آگئی کہ ہمارے مقابلے میں آئیں۔ دریودھن کا غصہ آسمان کو چھو رہا تھا۔ اُدھر اُس کے خاندان والوں نے شامب کو رسیوں میں جکڑ کر اپنے ساتھ ہستناپور (دلی) لے آئے اور قلعہ میں قید کر دیا۔

☆.....☆.....☆

نارومنی! جو ہر طرف کی خبریں ایک دوسروں کو پہنچایا کرتا تھا، کرشن کے شہر دوارکا پہنچا۔ اُس نے شامب کے باپ کرشن کو، شامب کی گرفتاری کی ساری کہانی ایف سے لے کری تک سنائی۔ یہ سب سنتے ہی کرشن غصے سے بُلبلا اُٹھا۔ دل میں بجھتی آگ پھر سے بھبر کی صورت اختیار کر گئی۔ کرشن بھی اپنے علاقے کا راجا تھا، اُس نے فوراً بہت بڑا اجتماع جمع کیا اور جادو بنسیوں کو غیرت دلائی۔ وہ سورج بنسیوں سے بدلہ لینا چاہتا تھا۔ اُسے ایک لمحہ بھی قرار نہیں آرہا تھا۔ کرشن نے دریودھن کی اِس حرکت پر سزا دینے کے لیے حملہ کرنے کی تجویز پیش کی۔

شری بلدیو جی جو بہت بڑے رشی تھے۔ وہ بھی اس اجتماع میں آگئے۔ پورا اجتماع غصے اور جلال میں تھا۔ شری بلدیو جی نے جب سارا ماجرا سنا تو جنگ نہ کرنے کا مشورہ دیا۔ اُس نے بڑے معتبرانہ انداز میں اجتماع کو سمجھایا۔ شری بلدیو جی نے کہا ہمارے کوروؤں سے تعلقات اچھے رہے

غزل

محبت سے رہا ہونا ضروری ہو گیا ہے
مرا تجھ سے جدا ہونا ضروری ہو گیا ہے

وفا کے تجربے کرتے ہوئے تو عمر گزری
ذرا سا بے وفا ہونا ضروری ہو گیا ہے

مری آواز تنہائی میں مرتی جا رہی ہے
کسی کا ہمنوا ہونا ضروری ہو گیا ہے

عذابِ ظلمتِ شب ہے کہ اَب دل کے لبوں پر
کوئی حرفِ دُعا ہونا ضروری ہو گیا ہے

کہاں تک ہم تذبذب کی فضاؤں میں رہیں گے
کوئی اِک فیصلہ ہونا ضروری ہو گیا ہے

بھنور میں ہے کئی برسوں سے اپنی کشتی جاں
کسی کا ناخدا ہونا ضروری ہو گیا ہے

کہ اَب چاروں طرف ہی طنز بڑھتا جا رہا ہے
سخن ناآشنا ہونا ضروری ہو گیا ہے

نوشی گیلانی

WAQAR AZEEM
www.pakistanipoint.com

ہیں۔ ہمیں ذرا سنبھل کر قدم اُٹھانا چاہیے۔

آخر اُس نے مجمع کا غصہ ٹھنڈا کر دیا اور سمجھا کر اِس بات پر آمادہ کر لیا کہ میں خود جاتا ہوں اور صلح کی بات چیت کر کے شامب کو چھڑا لاتا ہوں۔ اگر بفرض اُنہوں نے نہ مانا اور انکار کر دیا تو مجھ میں اتنی طاقت ہے کہ میں اکیلا ہی کافی ہوں۔

☆.....☆.....☆

سارے اجتماع میں سے شری بلد یو جی نے جادو بنسیوں کی ایک جماعت اپنے ساتھ لی اور سیدھا ہستناپورا (دہلی) کا رُخ کیا۔

کرروں کو جب معلوم ہوا کہ شری بلد یو جی بھاری جمعیت کے ساتھ آرہے ہیں تو کورو بھی جمع ہوئے اور آپس میں مشورہ کر کے بلد یو جی کے استقبال کے لیے آگے بڑھے۔

اُدھر وہ آرہے تھے اور اِدھر کورو جا رہے تھے۔ دونوں سیت نگر میں جہاں بہت بڑا مندر تھا وہاں ملے۔ کوروں نے جادو بنسیوں کے ساتھ ساتھ شری بلد یو جی کا خیر مقدم کیا اور ان کے قیام کا انتظام کیا۔

شری بلد یو جی چونکہ بہت بڑا رشی تھا۔ لوگوں کو جب معلوم ہوا کہ شری بلد یو جی آئے ہیں تو لوگ جوق در جوق اُن سے ملنے کے لیے آنے لگے۔

مجمع جمع تھا بلد یو جی نے ان سے کہا۔ کرشن کو معلوم ہوا کہ ان کے بیٹے کو شامب کو، کوروں نے گرفتار کر لیا۔ وہ جادو بنسیوں کی بہت بڑی تعداد لے کر ہستناپور (دہلی) کا رُخ کرنے لگا تھا۔ میں نے کرشن کو روک دیا۔ میں نے کرشن اور اجتماع کو کہا کہ کوروں سے ہمارے تعلقات نہایت اچھے ہیں۔ ایک عرصہ سے دوستی چلی آرہی ہے۔ پچھلی دُشمنی ختم ہو چکی ہے اور پھر رشتہ داری بھی ہے۔ اس لیے پھر سے دُشمنی بڑھانی اچھی نہیں ہے۔ کرشن بھی کوئی معمولی راجہ نہیں اور شامب اُس کا لڑکا ہے اور جامونتی کے بطن سے ہے۔

☆.....☆.....☆

شری بلد یو جی اُن کو سمجھا رہا تھا اور دریودھن کو ناگوار گزر رہا تھا اور اُس نے منہ پھیر لیا، جیسے وہ کچھ سن ہی نہیں رہا۔ جب شری بلد یو جی نے اپنی تقریر ختم کی تو دریودھن نے کہا۔ مجھے سمجھ نہیں آتی کہ بلد یو جی کیسی باتیں کر رہے ہیں۔ اگر کرشن سلطنت کے مالک ہو گئے ہیں تو اس کا مطلب یہ نہیں کہ بھرے سوئمبر میں سے ہماری لڑکی اٹھا کر لے جائیں۔ ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ وہ اپنی غلطی تسلیم کرتے ہوئے ہم سے معافی مانگتے..... اچھی شرافت ہے کہ جس کو جتنا زیادہ منہ لگائیں، وہی سر چڑھنے لگ جاتا ہے۔

یہ تمہارا قصور نہیں ہے بلکہ ہمارے بڑوں کا قصور ہے جنہوں نے جادو بنسیوں کو زیادہ منہ لگایا تھا جو آج یہ نوبت آئی ہے۔ دریودھن غصے میں لال پیلا ہو کر یہ کہتے ہوئے وہاں سے چلا گیا۔

شری بلد یو جی پہلے تو دم سادھے بیٹھا رہا اور دل ہی دل میں کہنے لگا کہ بات بڑھ چکی ہے، اگر اس وقت ہمت سے کام نہ لیا گیا تو نتیجہ توقع کے خلاف برآمد ہوگا۔

کچھ لمحے خاموش گزر گئے پھر شری بلد یو جی نے بھیکم اور دھرت راشٹر سے کہا دریودھن غصے میں تھا لیکن یہاں سے اُٹھ کر کیوں چلا گیا۔ اُس نے جو کچھ کیا ہے اُس کا جواب بھی کم از کم سن لیتا۔ میرا خیال ہے اُسے بُلایا جائے۔ بھیکم اور دھرت راشٹر، دریودھن کو بلا لائے۔ بات پھر سے شروع ہوئی۔ سب دم سادھے بیٹھے تھے۔ شری بلد یو جی نے دریودھن کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔

WAQAR AZEEM
pakistanipoint.com

دریودھن عقل مند انسان ہمیشہ معقول طریقہ سے بات کرتے ہیں۔تم تو نہایت سمجھدار تھے پھر کیا ہوا؟ ذرا تحمل اور سوچ و بچار سے کام لیتے لیکن تم نے تو بڑے غصے کا اظہار کیا لیکن میں نے تمہارے غصے کے باوجود، بڑی نرمی سے بات کی تھی۔

تمہارا غرور اور تکبرانہ لہجہ مجھے اچھا نہیں لگا۔میں نے تو جادو بنسیوں کو ٹھنڈا کر کے خود اس جھگڑے کو مٹانے کی کوشش کی ورنہ کرشن تو جنگ کرنے کے لیے تمام جادو بنسیوں کو اکٹھا کر چکا تھا۔میں نے کرشن کو بڑی مشکل سے سمجھایا کہ کوروا ایسے نہیں ہیں لیکن تم نے ہماری کوئی عزت نہیں کی۔

تمہیں معلوم ہے کہ کرشن مہاراج کون ہیں؟ ان کی ذات ایسی پاک ہے کہ چار وید اُس کی تعریف کرتے ہیں، برما، وشنو، شیوان کے قدموں کی طرف نظر رکھتے ہیں، لکشمی ان کے چرن چھوتی ہے.....تم بتاؤ، تمہارے کوروں میں کون ایسی شخصیت کا مالک ہے جو تمہیں شامب کے اس فعل نے عقیدت پر اُبھارا ہے۔

دریودھن، شری بلد یوجی کی باتیں غور سے سن رہا تھا۔سارا مجمع خاموش بیٹھا تھا اچانک شری بلد یوجی غصے میں آگئے اور نیزے کی نوک پر سارے ہستنا پور (دہلی) کو اُٹھالیا۔عنقریب تھا کہ اُسے گنگا میں غرق کر دیتے۔ہر طرف شور برپا ہوا 'پناہ......پناہ' ہائے، ہائے کا شور برپا ہونے لگا۔بھیکم اور دھرت راشٹر اور پانڈو وغیرہ شری بلد یوجی کے آگے ہاتھ باندھ کر کھڑے ہوگئے اور معافی مانگنے لگے۔ہم معافی چاہتے ہیں۔دریودھن کی سزا سارے ہستنا پور کو نہ دیجئے۔لوگوں کی آہ بکار پر شری بلد یوجی کا غصہ ٹھنڈا ہوا اور آخر اُس نے معاف کر دیا۔

دریودھن اور پانڈوں نے مل کر شامب کو بمعہ لکشمی کے شری بلد یوجی کی خدمت میں حاضر کیا۔یوں دریودھن نے اپنی لڑکی کی شادی، وہیں پر شامب کے ساتھ کر دی اور بڑے اہتمام کے ساتھ رُخصت کیا۔شامب بڑی شان وشوکت کے ساتھ دوارکا میں، اپنے باپ کرشن کے پاس پہنچا۔یوں یہ معاملہ ختم ہوگیا لیکن کہانی ابھی ختم نہیں ہوئی بلکہ اصل کہانی تو یہاں سے شروع ہوتی ہے۔یہاں سے جانے کے بعد شامب ہنسی خوشی زندگی بسر کرنے لگا۔ایک عرصہ بعد کسی رشی کی بددعا سے کوڑھ کی بیماری میں مبتلا ہوگیا۔کئی علاج کرائے مگر آرام نہ آیا۔شامب بے چینی اور بے قراری میں اپنا علاقہ چھوڑ کر مترون (ملتان) کے درختوں کے سائے میں آکر ایک زمانہ لیٹا رہا۔

یہاں سے شامب کو صحت حاصل ہوئی۔یہ علاقہ ایک عرصہ سے غیر آباد چلا آرہا تھا۔شامب نے صحت یاب ہونے کے بعد مترون موجودہ ملتان کو آباد کرنا شروع کیا۔اُس کے آباد کرنے کی وجہ سے اِس علاقہ کا نام بھی اُس کی نسبت سے ہی شامب پور مشہور ہو گیا۔

شامب پور ملتان کے قدیم ناموں میں سے ایک نام ہے......اس ساری کہانی کے پیچھے یہی ایک کہانی تھی۔شامب کی محبت دلیرانہ تھی، یا یہ کہانی جھوٹ پر مبنی ہے۔کچھ بھی ہو لیکن ہندوؤں کی قدیم اور مشہور کتاب وریدک میں یہ کہانی موجود ہے۔ملتان کی تاریخ پر نظر رکھنے والے خوب جانتے ہیں کہ ہر تاریخی کتب میں اس کا ذکر موجود ہے۔

حوالہ جات:

نقش ملتان جلد اوّل۔علامہ عتیق فکری
تاریخ ملتان: اکرام الحق
دیکھ لیا ملتان۔ڈاکٹر زاہد علی واسطی

WAQAR AZEEM
www.pakistanipoint.com

رباظ

(قسط نمبر 6)

وہ انسانوں کی دنیا میں چلا آیا تھا پھر اس کے ساتھ کیا ہوا......

لمحہ لمحہ پُراسراریت بڑھاتی تحریر

کاوش صدیقی

''اور مجھے بھی یقین ہے کہ ایسا ہی ہوا ہو گا......!'' اذہان بولا۔

''کیونکہ مجھے سعدیہ سے دور رہنے کی ہدایت کی گئی تھی......!''

''کس نے کہا تم سے......؟''

''مجھے نہیں معلوم......!''

''کیا مطلب......؟''

''مجھے صرف آواز سنائی دی تھی......!'' اذہان نے کہا۔

''غیر انسانی سی آواز تھی وہ......اور بڑے غصے کے عالم میں مجھ سے کہا گیا تھا کہ میں سعدیہ سے دور رہوں......ورنہ اپنے نقصان کا خود ہی ذمہ دار ہوؤں گا......!!''

''یہ......یہ تم کیا کہہ رہے ہو......؟''

''میں تم سے جھوٹ بول کر کیا فائدہ حاصل کر سکوں گا......؟ میں تو خود اس دن ان سب چیزوں کا مذاق اڑا رہا تھا......لیکن جب واسطہ پڑا تو اس وقت مجھے احساس ہوا......!''

''مجھے سب سے زیادہ فکر اس بات کی ہے کہ اگر سعدیہ کے ساتھ کوئی گڑبڑ ہوگئی، تو میں انکل اور آنٹی کو کیا جواب دوں گی...... اف...... کیا ہو گا پھر......؟''

''میں تمہیں ایک مشورہ دوں......؟'' اذہان بولا تھا۔

''کیا......؟؟''

سعدیہ کو صبح اس کے گھر پر چھوڑ آؤ......اس سے پہلے کہ معاملہ کوئی اور رنگ اختیار کرے......تم یہ کام کرلو...... کیونکہ اگر بات زیادہ بڑھ گئی تو کہیں لینے کے دینے نہ پڑ جائیں......!!''

''تم......ٹھیک کہتے ہو......!'' دردانہ بولی۔

''میرا خیال ہے کہ سعدیہ کا خون بہت ہلکا ہے......کنول خالہ کا بھی یہی حال ہے......تم جانتے

WAQAR AZEEM www.pakistanipoint.com

ہونا ان کو......؟ انہیں بھی ایسی چیزوں سے بہت ڈر لگتا ہے......اور میرا خیال ہے کہ سعدیہ نے بھی ان چیزوں کا خوف اپنے ذہن میں بٹھا لیا ہے......!!''

''ہاں......یہی بات ہے......! بس تم صبح اسے گھر پر بھجوا دو......!!''

''لیکن شادی اور ولیمے میں یہ کس طرح شرکت کرے گی......؟''

''بھئی...... ہم اسے گھر سے ساتھ لے لیں گے......!!''

''چلو......اب یہی کرنا پڑے گا......!'' دردانہ نے سر ہلا کر کہا۔

پھر وہ دونوں سعدیہ کی طرف دیکھنے لگے......جو بے سدھ پڑی ہوئی تھی......

☆......☆......☆

دوسرے دن صبح سعدیہ کو اس کے گھر بھجوا دیا گیا...... وہ اب قطعی اپنی اصل حالت میں دکھائی دے رہی تھی......لیکن یہ تو میں ہی جانتا تھا کہ قراطبل پوری طرح اس پر قابض ہو چکا تھا......

بہرحال اس کی ماں نے اسے دیکھ کر کافی حیرت کا اظہار کیا تھا اور بولی۔

''تم کیسے آ گئیں...... ارے آج تو ولیمہ ہے......!!''

''ہاں امی......بس میرا وہاں دل نہیں لگ رہا تھا......!'' سعدیہ بولی۔

''آپ نے ٹھیک ہی کہا تھا...... وہ گھر واقعی عجیب سا ہے......وہاں وحشت ہوتی ہے......!! بے سکونی ہے وہاں!!''

یہ سن کر میں چکرا گیا...... میں اچھی طرح اس بات کو محسوس کر رہا تھا کہ اب سعدیہ بہت سی باتوں پر خود سے اختیار نہیں رکھتی......وہ اب قراطبل کی تابع ہے......اور اب ایسا ہوگا کہ جو کچھ قراطبل کو اس سے کہلوانا ہوگا......سعدیہ وہی الفاظ منہ سے نکالے گی۔ ماں نے یہ سن کر سر ہلایا۔

''ارے شاہ صاحب کے پاس بیٹھ کر اور ان کے فیض سے مجھے بھی کافی تجربہ حاصل ہو چکا ہے......'' وہ فخریہ انداز میں بولیں۔

''اس دن میں جب تمہیں وہاں چھوڑنے گئی تھی، تو اسی وقت مجھے محسوس ہو گیا تھا کہ اس گھر کی دیواروں سے ٹپکنے والی ویرانی میں ضرور کوئی راز ہے......دردانہ کے ابا کو بھی پورے شہر میں وہی گھر ملا تھا...... یہ مرد لوگ ہوتے ہی ایسے بے عقل ہیں...... اب تم اپنے ہی ابا کو دیکھ لو......دھڑلے سے یہ گھر لیا اور بیعانہ دے کر مجھے بتایا تھا کہ انہوں نے گھر خرید لیا ہے......بس میں نے فوراً ہی ان سے پتا لیا اور شاہ صاحب کے پاس پہنچ گئی۔ ان سے جب اس گھر کے بارے میں معلومات لیں تو پھر میرے دل کو سکون ہوا اور میں نے یہاں قدم رکھا......بھئی جس کے ساتھ جوان لڑکی کا ساتھ ہو اسے بہت کچھ سوچنا پڑتا ہے......پھونک پھونک کر قدم رکھنا پڑتا ہے...... تم یونہی تو جوان نہیں ہو گئیں......!'' وہ کہتی چلی گئی......

اور میرا خیال ہے کہ سعدیہ کسی طور بھی اپنی ماں کی طرف متوجہ نہیں تھی...... جیسے ہی اس کے ہونٹ ساکت ہوئے، سعدیہ فوراً ہی اٹھ کھڑی ہوئی اور بولی۔

''اچھا امی...... میں تھکن سی محسوس کر رہی ہوں......میں اب سوؤں گی......!!''

نرگس بیگم نے اس کی طرف دیکھا، بولی کچھ نہیں۔ پھر سعدیہ اپنے کمرے کی طرف بڑھ گئی۔

کاش......! کوئی اس وقت اس بات پر غور کرنے والا ہوتا کہ جو میں دیکھ رہا تھا......

ماں پھر ماں ہوتی ہے......لیکن وہ بے چاری تو خواب و خیال میں بھی یہ بات نہیں سوچ سکتی تھی کہ

WAQAR AZEEM
www.pakistanipoint.com

اس وقت اس کی بیٹی کے ساتھ کوئی اور بھی موجود ہے.....!!

ورنہ وہ سعدیہ کے پیروں پر ضرور غور کرتی، جو فرش سے قدرے اٹھ کر آگے بڑھ رہے تھے..... ہاں..... اس کے قدم فرش پر لگے بغیر ہی اٹھ رہے تھے.....!!

☆.....☆.....☆

اپنے کمرے میں آنے کے بعد اس نے دروازہ بند کیا..... کنڈی چڑھائی اور اس کے بعد اس کی آنکھیں ایک کونے پر جم گئیں، جہاں میں اس وقت موجود تھا..... پھر اس کے ہونٹوں پر ایک عجیب سی مسکراہٹ نمودار ہوئی تھی..... گویا یہ طنزیہ سی مسکراہٹ مجھے عطا کی گئی تھی.....!

پھر جیسے اس پر مدہوشی سی طاری ہونے لگی..... وہ کمرے میں ادھر ادھر ڈولنے لگی..... عجیب سی وارفتگی کا عالم تھا..... پھر اس کے ہاتھ اپنے لباس کی طرف بڑھ گئے..... تھوڑی دیر بعد ہی وہ کپڑوں کی قید سے قطعی آزاد تھی..... اس کا چہرہ جذبات کی شدت سے سرخ ہو رہا تھا اور آنکھوں سے گویا خون ٹپکنے لگا تھا.....

نیم وا آنکھوں سے اس نے خود کو بستر پر ڈھیر کر دیا..... پھر وہ یوں مچلنے لگی جیسے بستر پر اسے کانٹے چبھ رہے ہوں..... اس کے دونوں ہاتھ تیزی سے جسم پر گردش کر رہے تھے.....

اسے اس حال میں دیکھ کر میں خود اپنے ہواس کھونے لگا تھا..... چنانچہ اب کمرے سے نکلنے میں ہی عافیت تھی..... میں نے دیکھا کہ اس کی ماں بھی اپنے کمرے میں لیٹی ہوئی تھی..... اور اس وقت گھر میں کوئی اور موجود نہیں تھا.....

کمرے میں شیطانی کھیل کھیلا جا رہا تھا..... اور کوئی اسے دیکھنے والا نہ تھا..... میرے دل میں آئی کہ ایسی بڑی بی کو اٹھاؤں اور ہاتھ پکڑ کر سعدیہ کے کمرے میں لے جاؤں..... لیکن مجھے خدشہ تھا کہ کہیں بات بگڑ نہ جائے اور قراطبل انتقاماً سعدیہ کو کوئی نقصان پہنچا بیٹھے.....

بہرحال اب معاملے کی نوعیت ذرا مختلف تھی..... قراطبل دردانہ والے گھر میں کافی عرصے سے مقیم تھا..... شاید ان لوگوں کے وہاں آباد ہونے سے بھی پہلے وہ وہاں کا ''مکین'' تھا..... اور ان لوگوں کے وہاں رہائش اختیار کرنے کے بعد ہی اس نے سعدیہ کو دیکھا ہوگا اور پھر اس پر فریفتہ ہو گیا..... حالانکہ اس گھر میں خود دردانہ موجود تھی، لیکن یہ تو دل کی بازی ہے.....!! پسند کا معاملہ ہے..... اب دل جس کو بھی پسند کر لے.....!!! اور جب عاشق کا تعلق بھی بدمعاش اور شیطانی گروہ سے ہو تو پھر اس معصوم کا کیا حال ہوگا.....؟ یہ کوئی سوچ بھی نہیں سکتا تھا.....

اب میں کیا کروں.....؟ کہاں جاؤں.....؟ یہ معاملہ کیسے سلجھے گا.....؟ بہرحال میں باہر نکل آیا..... اس وقت مجھے خاشاب اور قالان کی بہت یاد ستائی.....! نہ جانے وہ دونوں اس وقت کہاں ہوں گے.....!!

باہر گلی میں کافی رونق تھی..... لوگوں کی آمد و رفت تھی اور میں ایک طرف کھڑا ہو کر انہیں آتے جاتے دیکھ رہا تھا..... سب ہی جلدی میں تھے، اور تیز تیز قدموں سے کوئی آ رہا تھا، اور کوئی جا رہا تھا..... کسی کو کوئی مسئلہ درپیش تھا، کسی کو کوئی کام تھا..... اور کوئی چہرے پر الجھنیں لیے ہوئے چلا جا رہا تھا.....!!

انسانی زندگی بھی کیا شے ہے.....؟ نہ جانے کیوں میں اس کے متعلق سوچنے لگا..... لیکن یہ حقیقت تھی کہ ہماری زندگیوں کے مقابلے میں

WAQAR AZEEM
www.pakistanipoint.com

انسانی زندگی بے حد مختصر تھی..... لیکن اس کے باوجود اس چھوٹی سی زندگی میں کیا کچھ نہیں تھا.....؟ یقیناً وہ سب کچھ..... کہ جو ہمارے وہم و گمان میں بھی نہ ہو گا.....!! واقعی انسان کو جب اشرف المخلوقات کے عہدے پر فائز کیا گیا ہے..... تو یقیناً اس میں حکمت ہے..... دانائی ہے..... اور یوں بھی یہ فیصلہ اس ذات باری تعالیٰ کا ہے کہ جس کے قبضۂ قدرت میں ہر ایک کی جان ہے..... ساری مخلوقات اسی کی تابع ہیں..... اور اسی کے آگے سرنگوں کرتی ہیں..... لیکن اگر اب خود کو ہی سب پر فوقیت دے دی جائے تو یہ اپنے رب کے حکم کے منافی ہے..... اور پھر اگر اسے خود غرض اور انا پرستی کہا جائے تو یہ بے جا نہ ہو گا.....

میں ان ہی خیالات میں کھویا ہوا تھا کہ اچانک ایک آواز میرے کانوں سے ٹکرائی۔

''دے جاؤ..... مہربانوں، قدر دانوں..... کچھ کمی نہیں ہو گی..... ادھر دو گے، ادھر مل جائے گا..... دے جاؤ..... اللہ کے نام پر..... اللہ بھلا کرے گا..... سب کا بھلا ہو، سب کی خیر.....!!''

وہ بولے جا رہا تھا..... میں اس سے تھوڑے ہی فاصلے پر موجود تھا..... آتے جاتے کچھ لوگ رک کر اس کے ہاتھ میں پیسے رکھ کر آگے بڑھ رہے تھے..... بہت سے ایسے بھی تھے جو بے اعتنائی کا مظاہرہ کرتے ہوئے اسے نظر انداز کر رہے تھے.....

وہ ایک کمزور سے جسم کا مالک بوڑھا آدمی تھا..... اس کے جسم پر سادہ لیکن صاف ستھرا لباس تھا..... اسے دیکھے ہی میں نے چند لمحے کچھ سوچا اور پھر اس پر عملدرآمد کرنے کا فیصلہ کر لیا..... میرے ذہن میں سعدیہ کی ماں کا تصور تھا، جو میرے اندازے کے مطابق ان سب چیزوں پر بہت زیادہ عقیدہ رکھتی تھی.....

یہی وجہ تھی کہ میں نے اس کے ذہن تک اپنا پیغام پہنچانے کا فیصلہ کر لیا..... میں پھر آگے بڑھا اور اس بوڑھے کے جسم میں داخل ہو گیا..... یہ ایک خطرناک قدم تھا..... کیونکہ بوڑھا عمر کے اس حصے میں تھا کہ میرا یہ قدم اس کی جان بھی لے سکتا تھا..... چنانچہ میں نے کافی احتیاط برتی اور آہستہ آہستہ اس کے وجود میں حلول کر گیا..... اس کے باوجود اس کے جسم کو ایک زوردار جھٹکا لگا تھا..... بہر حال وہ گرنے سے بچ گیا اور میں نے شکر ادا کیا..... شاید میرا ہی کوئی نیک کام آڑے آ گیا تھا.....!!

بوڑھے فقیر کے قدم خود بہ خود سعدیہ کے دروازے کی طرف اٹھنے لگے..... پھر اس نے ہاتھ بڑھا کر دروازہ کھٹکھٹا دیا..... تھوڑی دیر بعد ہی قدموں کی چاپ ابھری اور پوچھا گیا۔

''کون ہے.....؟''

''ایک سوالی ہوں..... کیا آدھا گلاس پانی ملے گا.....؟'' بوڑھے نے پوچھا تھا.....

''ابھی لائی.....!'' سعدیہ کی ماں نے جواب دیا تھا.....

پھر دروازہ کھلا تھا اور ایک پانی سے بھرا ہوا گلاس بوڑھے کی طرف بڑھا دیا گیا..... بوڑھے نے پانی پیا اور ڈھیروں دعائیں دیں اور بولا۔

''میں جو کچھ دیکھ رہا ہوں..... اس نے مجھے پریشانی میں ڈال دیا ہے بیٹی.....!!''

''کیا مطلب ہے بابا.....! میں سمجھی نہیں.....!'' نرگس بیگم نے چونک کر کہا۔

''کیا تم ایسی چیزوں پر یقین رکھتی ہو، جو نظر نہیں آتیں.....؟'' بوڑھے نے پوچھا۔

''جی بابا بالکل..... بالکل.....!!'' وہ فوراً بولی۔

''بس تو پھر میری بات غور سے سنو.....!'' بوڑھا بولا۔

''میں تمہارے گھر میں کچھ ایسا ہی معاملہ دیکھ رہا

MAQAR AZEEM www.pakistanipoint.com

.....اہم اعلان.....

ادارہ سچی کہانیاں اور دوشیزہ اپنے قابل احترام لکھنے والے مرد مصنفین سے درخواست کرتا ہے کہ براہ مہربانی اپنے اصل نام کے ساتھ اپنی نگارشات ارسال کیا کریں۔ یہ دیکھنے میں آیا ہے کہ بہت اچھا لکھنے والے مرد حضرات خواتین کے ناموں سے لکھ رہے ہیں۔

WAQAR AZEEM
www.pakistanipoint.com

ادارہ دوشیزہ اور سچی کہانیاں نے کبھی بھی مرد مصنفین کو مجبور نہیں کیا کہ وہ خواتین کے ناموں سے لکھیں۔

ہم شناخت سلب کرنے کا نہ تو حق رکھتے ہیں نا یہ گناہ کرنے کی ہمت' کرپشن کے خلاف لکھنے والے ہی اگر کرپٹ ہوں گے تو پھر تو اس ملک کا اللہ حافظ ہے۔

لہٰذا بے فکر ہو کر اپنے اصل نام سے لکھیں کیونکہ ہم جھوٹ کے قائل نہیں۔

ہوں..... تمہاری بیٹی ایک ایسے ہی شکنجے میں جکڑی ہوئی ہے..... وہ اس وقت خطرے میں ہے..... اور سخت حصار میں ہے..... ایسا حصار کہ جو کسی کو نظر نہیں آئے گا.....''

''یہ..... یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں بابا جی.....!''

''وہی..... جو میں نے یہاں دیکھا ہے..... اب تم پہلی فرصت میں غیاث شاہ کے پاس جاؤ..... اور ان سے رابطہ کرو..... مجھے یقین ہے کہ ان کے پاس اس کا کوئی نہ کوئی حل ضرور نکلے گا.....!!''

''لیکن بابا جی..... اسے کیا ہوا ہے؟'' انہوں نے پریشان ہو کر پوچھا۔

وہاں جا کر تمہیں خود ہی معلوم ہو جائے گا..... پھر بھی اگر تم دیکھنا چاہتی ہو، تو رات کے پچھلے پہر اس کے کمرے کا رخ ضرور کرنا..... سب کچھ تمہارے سامنے آجائے گا.....!!''

یہ کہہ کر بوڑھا فقیر چبوترے سے اٹھا اور حق اللہ کا نعرہ لگاتا ہوا آگے بڑھ گیا..... میں محسوس کر رہا تھا کہ نرگس بیگم بے اختیار ہو کر باہر ہی نکل آئی تھیں.....

لیکن بوڑھا فقیر اب اپنی ہی مستی میں آگے قدم بڑھا رہا تھا.....

☆.....☆.....☆

میں اب بوڑھے فقیر کے جسم سے باہر آچکا تھا..... یہی حل تھا میرے پاس..... اتفاق سے مجھے خاشاب کی کہی ہوئی باتیں یاد آگئی تھیں..... چنانچہ میں نے سعدیہ کی ماں کے سامنے اسی آدم زاد کا نام لیا تھا۔ جس کے بارے میں مجھے خاشاب نے بتایا تھا.....!!

میں فوری طور پر واپس گھر میں نہیں گیا تھا..... عجیب وحشت سی ہو رہی تھی..... بار بار سعدیہ کی حالت میری آنکھوں کے سامنے لہرا رہی تھی اور میں اپنی مٹھیاں بھینچنے کے علاوہ کچھ اور کرنے سے قاصر تھا..... میں جانتا تھا کہ قرا طبل اب جان بوجھ کر مجھے اکسا رہا تھا اور میری بے بسی سے محظوظ ہو رہا تھا..... کافی دیر تک ادھر ادھر بھٹکنے کے بعد میں نے واپسی کا ارادہ کیا.....

میں دراصل اس آدم زادے سے واقف نہیں تھا اور نہ ہی اس کے بارے میں مجھے معلومات حاصل تھیں..... بابا خاشاب نے عجیب طریقے سے غائبانہ تعارف کروایا تھا..... اور یہ بھی کہا تھا کہ جب میں غیاث شاہ سے ملنے کی خواہش کروں گا، میری ملاقات ہو جائے گی..... لیکن ابھی تک تو ایسا ممکن نہیں ہوا تھا..... اور یاد کرنے کے باوجود نہ تو قالان اور خاشاب کا کہیں پتا تھا اور نہ ہی غیاث شاہ کی کوئی خبر تھی..... میں نے سعدیہ کی ماں سے بھی اسی لیے تذکرہ کیا تھا کہ شاید اس کا کوئی پتا مل جائے..... تاکہ میں خود بھی اس شخص سے ملاقات کر سکوں.....

گھر پہنچا تو شکیل صاحب یعنی سعدیہ کا باپ وہاں موجود تھا..... اور نرگس بیگم کافی خفا سی دکھائی دے رہی تھیں..... شکیل صاحب کہہ رہے تھے۔

''اچھا..... اب تم ہی بتاؤ..... کہ میں کیا کروں.....؟ سارے کام چھوڑ چھاڑ کر غیاث نامی اس آدمی کا پتا ڈھونڈتا پھروں.....!''

''آپ اپنا قیمتی وقت ضائع مت کریں.....!'' وہ زہر قند لہجے میں بولیں۔

''یہ کام میں خود ہی انجام دے لوں گی.....!''

''بھئی..... میں ساری دنیا میں گھومتا پھرتا ہوں..... مجھے جو کچھ معلوم ہے، وہ تم نہیں جانتی ہو..... ارے بھئی یہ ایسے لوگوں کے چیلے ہوتے ہیں، جوان کا اشتہار بن کر پھرتے ہیں..... اور لوگوں پر وہم کا بھوت سوار کر کے انہیں پھانستے ہیں..... تم گھر میں رہنے والی ایک سادہ سی عورت ہو، اس

NAQAR AZEEM www.pakistanipoint.com

الٹ پھیر کو تم کیا جانو.....!!''

نرگس بیگم شاید انہیں فقیر بابا کے بارے میں بتا چکی تھیں..... اور اب اسی موضوع پر بحث ہو رہی تھی۔

''میں کہہ تو رہی ہوں کہ میں خود ہی انہیں تلاش کرلوں گی..... میں نے بے وجہ آپ کو آگاہ کیا..... لیکن میں بھی تو انسان ہوں، غلطی ہو ہی جاتی ہے.....!''

''خیر.....! میں دیکھوں گا.....!'' وہ لاپروائی سے بولے۔

''اچھی بھلی لڑکی کو تم تماشہ بنا کر ہی چھوڑو گی..... ایک شاہ صاحب ہی کیا کم تھے کہ اب ان غیاث صاحب کا بھی سامنا کرنا پڑے گا.....!''

''حد ہو گئی ہے آپ سے.....'' وہ بھنا کر بولیں۔

''شاہ صاحب بھی آپ سے کھانے کو تو نہیں مانگتے جو آپ اس طرح کہہ رہے ہو.....''

''ہاں..... لیکن میں ایک بات اور بتانا چاہتا ہوں.....!''

''وہ کیا.....؟''

''جو شخص ان چکروں میں پڑتا ہے، وہ پھر ان ہی میں گھرا رہتا ہے..... لہٰذا میں یہ کہتا ہوں کہ ان جادو، ٹونوں اور اثرات کو ذہن میں لانے کی ضرورت ہی نہیں ہے..... جتنا ان کے بارے میں سوچو گے یہ چیزیں اتنا ہی تمہیں ڈرائیں گی..... پریشان کریں گی.....!!''

''ٹھیک ہے.....!'' نرگس بیگم نے کچھ سوچ کر سر ہلایا۔

''مجھے یقین ہے کہ فقیر بابا نے سچ کہا تھا..... اس لیے آج رات آپ ڈرنے اور پریشان ہونے کے لیے تیار رہیں.....!!''

☆.....☆.....☆

شام کے وقت سعدیہ اپنے کمرے سے باہر نکلی تو اس کا چہرہ کسی پتھر کی طرح دکھائی دے رہا تھا..... قطعی بے جان اور جذبات سے عاری..... وہ اپنے گھر والوں کے ساتھ تھوڑی دیر بیٹھی اور پھر دوبارہ اپنے کمرے میں جا کر ''قید'' ہو گئی۔

رات گئے دردانہ بھی آ گئی، اس کے ساتھ اذہان بھی تھا..... وہ سعدیہ کو اپنے ساتھ لے جانے کے لیے آئی تھی..... لیکن اس نے صاف انکار کر دیا..... خود شکیل صاحب بھی اس کی شکل ہی دیکھتے رہ گئے۔ اس وقت دردانہ نے بھی زیادہ اصرار نہیں کیا تھا..... اور بعد میں اذہان کو لے کر وہاں سے رخصت ہو گئی۔

یہ دیکھ کر نرگس بیگم کا ماتھا ٹھنکا..... انہوں نے سعدیہ سے تو اس وقت کچھ نہ کہا..... البتہ اس کے کمرے میں جانے کے بعد انہوں نے شکیل صاحب سے کہا۔

''ضرور دال میں کچھ کالا ہے.....!!''

''کیا مطلب.....؟'' شکیل صاحب بولے۔

''دردانہ اتنے آرام سے اسے چھوڑ کر چلی بھی گئی..... جبکہ خود سعدیہ نے بھی جانے سے انکار کر دیا..... یہ دونوں باتیں ہی میری سمجھ میں نہیں آ رہیں.....!!''

''ہوں..... سوچ تو میں بھی یہی رہا ہوں.....'' انہوں نے سر ہلایا۔

''اور میرا خیال ہے کہ ان دونوں میں ضرور کوئی بات ہوئی ہے..... یا پھر جھڑپ ہوئی ہے..... ورنہ مجھے تو حیرت ہے کہ دردانہ اس کے بغیر کیسے چلی گئی.....!''

''میں نے کبھی نہیں سنا کہ ان دونوں کی کبھی آپس میں تکرار بھی ہوئی ہو.....'' وہ بڑبڑائیں۔

''اور پھر ہم لوگوں کی بھی دعوت تھی..... اس

WAQAR AZEEM www.pakistanipoint.com

نے تو آج ہمیں بھی نہیں پوچھا.....!!''

''تم ایسا کرو کہ خود سعدیہ سے ہی معلوم کرو کہ کیا بات ہے.....'' شکیل صاحب بولے۔

''اگر وہ نہیں جا رہی تو پھر ہم کیا کریں گے وہاں جا کر.....''

''اور اگر سعدیہ نے کچھ نہ بتایا..... تو پھر.....؟'' انہوں نے شکیل صاحب کو گھورا۔

''تم کیا کرو گی.....؟''

''میں شادی میں جاؤں گی..... اور پھر دردانہ سے ہی پوچھوں گی.....! لفافہ بھی تو دینا ہے کہ نہیں.....؟'' وہ بولیں اور یہ سن کر شکیل صاحب نے سر ہلا دیا۔

پھر نرگس بیگم اٹھ کر چلی گئیں لیکن پھر جلد ہی ان کی واپسی ہوئی..... عجیب سے تاثرات تھے چہرے پر۔ شکیل صاحب نے پوچھا۔

''کیا ہوا.....؟''

''وہ..... سو رہی ہے.....!! بے خبر.....!''

☆.....☆.....☆

گھر میں ناصر اور سعدیہ موجود تھے..... لیکن پھر بعد میں ان کے والدین کی شادی سے واپسی ہو گئی تھی..... سعدیہ اب بھی بے خبر سو رہی تھی..... دونوں اپنے کمرے میں چلے آئے..... پھر نرگس بیگم نے کہا تھا۔

''دل تو چاہ رہا تھا کہ دردانہ کی چٹیا پکڑ کر کھینچ لوں..... کم بخت کسی بات کا جواب ہی نہیں دے رہی تھی.....!!''

''پہلی بات تو یہ ہے کہ میرے خیال میں اس کی چٹیا بندھی نہیں تھی۔ شکیل صاحب بولے۔

''اور دوسری بات یہ ہے کہ تم نے موقع دیکھ کر بات نہیں کی..... ظاہر ہے ایسا تو ہونا ہی تھا.....!''

''کیا مطلب ہے آپ کا.....؟''

''بھئی سامنے کی بات ہے..... اس کے بھائی کی شادی تھی..... وہ اسی میں مصروف تھی..... اب تمہارے لیے کہاں سے ٹائم نکالتی.....''

''کیا آپ طنز کر رہے ہیں.....؟''

''نہیں..... ٹھیک کہہ رہا ہوں میں..... اسے ولیمے سے فارغ ہو جانے دو، پھر بات کریں گے.....!''

''بھاڑ میں گئی وہ اور ولیمہ.....!'' وہ غصے سے بولیں۔

''میں تو اب سعدیہ کو اس کے بھوت بنگلے میں قدم بھی نہ رکھنے دوں گی.....''

''ہاں یہ الگ بات ہے.....! خیر..... ہم نے اپنا فرض تو پورا کر دیا.....!''

''میں بھی اسی وجہ سے گئی تھی..... اور اب مجھے فقیر بابا کی بات یاد آ رہی ہے.....!''

''کون سی بات.....؟''

''انہوں نے کہا تھا کہ اگر اپنی لڑکی کے بارے میں جاننا ہے تو رات کے وقت اس کے کمرے کا رخ کرنا.....''

''اچھا..... تو چلو..... رات تو ہو رہی ہے.....!

''ابھی نہیں..... آدھی رات کو.....!''

''ہائیں.....! اس وقت کیا ہو گا.....؟''

''یہی تو دیکھنا ہے.....!''

''تو پھر تم ہی دیکھنا..... میں سو رہا ہوں.....!''

''آپ واقعی اپنی اولاد سے بہت لاپروائی کا مظاہرہ کرتے ہیں.....''

''آدھی رات کو اولاد کے کمرے میں جھانکنا بھی تربیت کا حصہ ہے کیا.....؟'' شکیل صاحب نے انہیں گھورا۔

''کسی وجہ کے بغیر تو انہوں نے یہ بات نہیں کہی ہو گی.....!''

PakistaniPoint
www.pakistanipoint.com

''تم چلی جانا..... وجہ معلوم کر کے مجھے بھی بتا دینا.....!!''

یہ کہہ کر وہ بستر پر ڈھیر ہو گئے.....

☆.....☆.....☆

لیکن قراطبل میری توقع سے زیادہ چالاک ثابت ہوا..... اس نے اس رات سعدیہ کو چھیڑا ہی نہیں..... اور یوں وہ رات بھر سکون سے سوتی رہی..... ماں پھر ماں ہوتی ہے..... اس لیے نرگس بیگم نے رات میں اس کے کمرے کے وقفے وقفے سے کئی چکر لگائے..... لیکن کچھ ہاتھ نہ لگا.....

چنانچہ قربت سحر میں وہ بھی تھک کر سو گئیں تو قراطبل نے اپنے گھناؤنے کھیل کا آغاز کیا..... وہ میری جانب اپنی شیطانی مسکراہٹ بکھیرتے ہوئے ایک بار پھر سعدیہ کے جسم سے کھیلنے لگا..... اور میں دل ہی دل میں پیچ و تاب کھاتا رہا..... یہ سب کچھ صبح کی روشنی پھیلنے تک جاری رہا..... پھر اس نے خود ہی اٹھ کر خاموشی سے کپڑے پہنے تھے اور پھر سے بستر پر ڈھیر ہو گئی.....

نرگس بیگم صبح بھی کمرے میں آئی تھیں، لیکن سعدیہ بے خبر سوئی ہوئی تھی..... وہ اسے دیکھ کر واپس لوٹ گئیں..... میں نے ان کے ماتھے پر سلوٹیں پڑی ہوئی دیکھیں..... میں خود بھی کافی الجھن میں تھا..... قراطبل نے مجھے موقع نہیں دیا تھا کہ میں اس کو ان لوگوں کے سامنے پیش کر سکوں.....

پھر میں نے فیصلہ کیا کہ غیاث شاہ کا خود ہی سراغ لگاؤں گا..... لیکن پھر مجھے کسی حد تک اپنا کام بنتا ہوا دکھائی دیا..... کیونکہ دوپہر کے وقت ایک جوڑا گھر میں داخل ہوا۔ یہ دونوں میاں بیوی تھے اور شکیل صاحب کے قریبی دوست تھے..... وہ لاہور کے رہائشی تھے اور کچھ دنوں کے لیے کراچی میں آئے ہوئے تھے..... میاں کا نام سعادت تھا اور بیوی رضیہ تھی..... اس گھر سے ان کا کافی پرانا میل ملاپ تھا.....

بہر حال ان کے آنے سے گھر میں کافی رونق ہو گئی تھی..... شکیل صاحب کو اطلاع ملی تو وہ بھی شام کو جلدی گھر لوٹ آئے تھے..... یوں محفل جم گئی..... سعدیہ بھی ان لوگوں کے درمیان موجود تھی، لیکن وہ زیادہ تر چپ چاپ ہی رہتی تھی..... کسی نے کچھ پوچھا تو ہنس کر جواب دے دیا، ورنہ پھر اس کے ہونٹوں کو گویا تالا لگ گیا تھا..... میں نے موقع دیکھ کر سعادت کو گھیرا اور اس کے جسم میں داخل ہو گیا.....

رات کو جب سب ہی لوگ ایک کمرے میں جمع تھے تو اس وقت میں نے ذکر چھیڑ دیا۔

''بھئی..... یہ سعدیہ کو آج کل کیا ہوا ہے.....؟''

''کیا ہوا.....؟'' شکیل صاحب چونکے.....

''گم صم سی ہے..... کوئی پریشانی ہے بیٹی.....؟'' سعادت اس طرف گھوم گیا۔

''نہیں انکل.....! ایسی کوئی بات نہیں ہے..... بس کچھ طبیعت ٹھیک نہیں ہے.....!'' سعدیہ پھیکے سے انداز میں مسکرا کر بولی اور پھر اٹھ کر اپنے کمرے کی طرف چلی گئی.....

سعادت نے اس کی طرف غور سے دیکھا..... پھر وہ شکیل صاحب کی طرف متوجہ ہوا۔

''اسے کیا بیماری لاحق ہو گئی ہے.....؟''

''کچھ نہیں بھئی.....!'' وہ ہنسے۔

''یونہی بس ایک شادی کی تقریب میں حصہ لیا تھا، اس کی تھکن سوار ہو گئی ہے.....!''

''یہ تھکن نہیں ہے بھائی.....! کچھ اور ہی سوار ہے.....!'' سعادت نے معنی خیز انداز میں سر ہلایا۔

ناصر بھی چونک کر اس کی طرف متوجہ ہو گیا تھا۔

WAQARAZEEM
www.pakistanipoint.com

''کیا مطلب ہے تمہارا.....؟''

''سعدیہ اس وقت کسی اوپری چیز کے زیر اثر ہے.....!'' سعادت نے انکشاف کیا۔

''میری آنکھیں اور میرا تجربہ مجھے دھوکا نہیں دے سکتا..... میں نے تو اسے دیکھتے ہی اس بات کا اندازہ لگا لیا تھا..... بس مناسب موقع کی تلاش میں تھا..... ورنہ میں تو سعدیہ کو دیکھتے ہی اس بات کا تذکرہ کرتا.....!!''

نرگس بیگم نے معنی خیز نظروں سے اپنے شوہر کی طرف دیکھا اور بولیں۔

''اب بولیں آپ.....! میں غلط ہوں، جھوٹ بول رہی ہوں..... لیکن آپ کے دوست بھی کیا آپ کو بے وقوف بنائیں گے.....؟''

شکیل صاحب نے بے چینی سے پہلو بدلا اور سعادت کی طرف دیکھ کر بولے۔

''تم کیا کہنا چاہتے ہو.....؟''

''صرف یہ کہ سعدیہ کی طرف توجہ دو..... اسے کسی عالم کو دکھاؤ..... اور اس کا علاج کرواؤ..... مجھے بھی ان معاملات میں تھوڑی بہت سمجھ بوجھ ہے.....''

''اوہو.....!'' شکیل صاحب مسکرائے۔

''تم نے یہ کام کب سے شروع کر دیا..... تم تو ہمیشہ ہی ان چیزوں سے دور بھاگتے تھے.....''

سعادت سنبھل کر بیٹھ گیا..... کیونکہ ظاہر ہے کہ اس وقت جو کچھ وہ بول رہا تھا، اس کے پیچھے میرے الفاظ تھے..... چنانچہ اس سے پہلے کہ وہ کچھ کہتا، نرگس بیگم نے مشکل آسان کر دی۔

''آپ کی یہ بے اعتمادی کسی دن آپ کو ضرور زک پہنچائے گی..... آپ کسی پر بھروسہ ہی نہیں کرتے..... لیکن اب کم از کم اپنے دوست کی بات پر تو توجہ دیں..... دیکھ لیں کتنے سمجھدار ہیں..... سعدیہ کو دیکھتے ہی انہوں نے اندازہ لگا لیا کہ ضرور کوئی گڑبڑ ہے.....!!''

یہ سن کر شکیل صاحب کے چہرے پر سنجیدگی طاری ہوگئی۔

میں نے لوہا گرم دیکھ کر اس پر چوٹ لگائی۔

''بلکہ میں تو یہ بھی بتا سکتا ہوں کہ سعدیہ کے ساتھ ایسا کیوں ہوا اور کہاں ہوا.....!''

''اوہ..... تو پھر..... جلدی بتائیں.....'' نرگس بیگم بے تاب ہوگئیں۔

''سعدیہ نے دراصل.....''

الفاظ درمیان میں ہی رہ گئے۔ عین اسی وقت دروازہ زوردار آواز سے کھلا اور سعدیہ کا چہرہ دکھائی دیا..... جس پر شدید غصے کے آثار نمایاں تھے اور وہ شعلہ بار نگاہوں سے میری طرف دیکھ رہی تھی..... پھر وہ پاؤں پٹختی ہوئی کمرے میں داخل ہوئی اور اپنی ماں سے بولی۔

''امی..... انکل سعادت فضول باتیں کر رہے ہیں..... ان سے بولیں کہ رات ہوگئی ہے..... یہ اب اپنے گھر کا راستہ لیں.....!! ہاں.....!!''

اس کی یہ بات سن کر سب ہی بھونچکے رہ گئے..... پھر نرگس بیگم نے حیرت سے اس کی طرف دیکھا تھا اور بولیں۔

''یہ تم کیا کہہ رہی ہو سعدیہ.....!''

''میں بالکل ٹھیک کہہ رہی ہوں.....'' وہ گرجی ''یہ بے وجہ فالتو باتیں کر رہے ہیں..... انہیں ہمارے گھریلو معاملات میں بولنے کا کوئی حق نہیں ہے..... انہوں نے کھا پی لیا، اب ان سے کہیں کہ یہ چلتے نظر آئیں.....!''

یہ کہہ کر اس نے خون خوار انداز میں سعادت کی طرف دیکھا اور پھر طیش کے عالم میں باہر نکل گئی..... میں دل ہی دل میں کافی خوش ہوا..... میرا یہ وار کافی

WAQAR AZEEM
www.pakistanipoint.com

حد تک کامیاب رہا تھا.....

ان انسانوں کو یہ معلوم نہیں تھا کہ اس وقت یہ سادہ سا دکھائی دینے والا معاملہ کس قدر گھمبیر تھا..... یہ لڑائی انسانوں کی نہیں بلکہ دو ماورائی طاقتوں کی تھی.....وہ باہر نکلی تو کمرے میں سناٹا طاری تھا..... ہر کوئی ایک دوسرے کی شکل دیکھ رہا تھا، پھر سعادت نے یعنی میں نے کہا۔

''دیکھ لیا تم لوگوں نے.....؟ اب خود سوچو کہ اپنے کمرے میں اسے یہ بات کس طرح معلوم ہوگئی کہ میں اس کے بارے میں یہاں بیٹھ کر باتیں کر رہا ہوں.....''

شکیل احمد نے یہ سن کر سر ہلایا اور بولے۔

''ہاں.....اب تو مجھے بھی کچھ کچھ شک ہونے لگا ہے.....!''

''اب اس شک کو یقین میں بدل لو.....جو چیز سعدیہ پر قابض ہے، وہ بہت خطرناک ہے.....اگر تم مزید اس کے بارے میں معلوم کرنا چاہتے ہو تو اس کے کمرے میں جا کر قرآنی آیات کا ورد کرو..... تمہیں خود ہی احساس ہو جائے گا کہ سعدیہ اپنے بس میں نہیں ہے.....!! اور یہ بھی بتا دوں کہ جو کچھ ہوا ہے، اس کا تعلق سعدیہ کی سہیلی کے گھر سے ہے.....!!''

☆.....☆.....☆

میری کہی ہوئی بات بالکل ٹھیک نکلی، جب نرگس بیگم نے سعدیہ کے کمرے میں پڑھائی کی تو اس کی طبیعت بگڑنے لگی.....اس کے منہ سے عجیب عجیب سی آوازیں نکل رہی تھیں اور وہ دیوار سے اپنا سر پٹک رہی تھی.....

پھر میں نے ہی نرگس بیگم کو روکا تھا اور پھر سب کو باہر نکلنے کا اشارہ کیا.....پھر میں نے سعادت کے روپ میں ان لوگوں سے کہا۔

''ابھی معاملہ بگڑ سکتا ہے.....اس لیے زیادہ چھیڑ چھاڑ اچھی نہیں ہے.....فوری طور پر کسی عالم کا انتظام کرنا ضروری ہے.....''

''کل ہمارے گھر پر ایک فقیر بابا آئے تھے.....!'' نرگس بیگم بولیں۔

''انہوں نے کسی غیاث شاہ کے بارے میں بتایا تھا..... میرا خیال ہے کہ ان ہی کے پاس جانا چاہئے.....!''

''اچھی بات ہے.....!'' میں نے فوراً کہا۔

''تو پھر کل صبح انہیں تلاش کیا جائے.....یہ کام بہت اہم ہے.....ابھی تازہ تازہ معاملہ ہے.....اگر ہم نے دیر کر دی تو پھر ذرا مشکل ہو جائے گی.....!''

اور یہ حقیقت تھی.....میں جانتا تھا کہ اگر قراطبل نے اپنے قدم جما لیے، تو پھر اسے باہر نکالنا کافی مشکل ثابت ہو سکتا تھا.....!! مدت زیادہ گزر جانے پر سعدیہ کے خون میں شامل ہو جاتا.....!!

رات میں ان لوگوں نے سعادت اور اس کی بیوی کو یہیں روک لیا تھا.....چنانچہ ایک کمرے میں ہم دونوں بھی لیٹ گئے.....

سعادت کی بیوی کا نام کومل تھا..... وہ کافی خوبصورت بھی تھی.....ایک موقع پر اس نے کہا۔

''مجھے ایک بات تو بتائیں.....!''

''کیا.....؟؟''

''آپ نجومی کب سے ہو گئے.....؟ میں نے تو کبھی زندگی میں آپ کے منہ سے ایسی باتیں نہیں سنیں.....!'' اس نے غور سے میری طرف دیکھا تھا۔

یہ سن کر میں چوکنا ہو گیا.....پھر ہنس کر بولا۔

''ارے بیگم.....! کبھی ایسی باتوں کا موقع ہی نہیں آیا تھا، جو میں تم سے تذکرہ کرتا.....آج سعدیہ کو دیکھا تو بتا دیا.....اور دیکھ لو، میرا اندازہ درست

WAQAR AZEEM www.pakistanipoint.com

نکلا۔''

''اسی بات پر تو مجھے حیرت ہے......!'' وہ ہنسی۔

''بلکہ مجھے تو لگ رہا ہے کہ اس وقت آپ پر بھی کوئی بھوت سوار ہے......''

میں نے بے اختیار اپنے سر پر ہاتھ پھیرا...... اور جلدی سے بولا۔

''تم نے واقعی ٹھیک کہا...... مجھ پر بھوت سوار ہے......!''

''کیا مطلب......؟'' وہ چونکی۔ تو میں بھی ہنس پڑا اور بولا۔

''بھئی تمہاری محبت کا بھوت...... اور کون سا بھوت سوار ہوگا مجھ پر......!''

یہ سن کر وہ مسکرا دی...... اب ظاہر ہے کہ موقع بھی تھا اور محل بھی...... چنانچہ ذرا ہی دیر میں میرے جذبات اس حد تک بھڑک اٹھے کہ وہ بے چاری خود حیران و پریشان ہوگئی...... شاید اتنی شدت سے اسے پہلے کبھی نہیں چاہا گیا تھا...... چنانچہ سعادت پر سوار ہونے والے ''بھوت'' نے اپنا رنگ دکھایا...... اور پھر ہم دونوں ہی اس سمندر میں ڈوبتے چلے گئے...... جس کی گہرائی کا اندازہ کرنا مشکل تھا......!!

رات آہستہ آہستہ اپنا سفر طے کر رہی تھی۔

☆......☆......☆

شکیل صاحب کو اس بارے میں کسی حد تک معلومات حاصل تھیں...... چنانچہ دوپہر تک انہوں نے اپنے ایک دوست کے ذریعے غیاث شاہ کا پتا لگا لیا......

چنانچہ شام کو وہاں جانے کا قصد ٹھہرا...... لیکن سعدیہ تو بُری طرح بگڑ گئی۔ اسے ساتھ لے کر جانا جوئے شیر لانے کے برابر تھا...... فیصلہ ہوا کہ سعدیہ اور ناصر کو گھر میں ہی چھوڑ دیا گیا...... اور باقی لوگ ایک گاڑی میں بیٹھ کر غیاث شاہ کی طرف روانہ ہو گئے...... میں اب بھی سعادت کے جسم میں موجود تھا......

اور پھر ہم لوگ بابا غیاث شاہ کے آستانے میں پہنچ گئے...... پہلی نظر میں ہی مجھے اس آدم زاد کی شخصیت میں بے پناہ کشش دکھائی دی...... اس ہال نما کمرے میں کافی لوگ موجود تھے...... صاف شفاف دیواروں پر قرآنی آیات کیطغرے لگے ہوئے تھے...... میں نے اس ماحول کو ایک عجیب سی مسحور کن خوشبو سے مہکتا ہوا محسوس کیا۔

ہم لوگ بھی اپنی باری کا انتظار کر رہے تھے...... اس دوران کئی بار غیاث شاہ کی چمک دار آنکھیں مجھ سے ٹکرائیں...... اور ان کے ہونٹوں پر ایک دلکش سی مسکراہٹ عود کر آئی......

مجھے یوں محسوس ہوا جیسے ان کی آنکھیں سعادت کے وجود کے اندر داخل ہو کر مجھے دیکھ رہی ہوں...... لیکن یہ میرا وہم بھی ہوسکتا تھا...... میرا خیال ہے کہ میں اس آدم زاد کی شخصیت سے کچھ زیادہ ہی مرعوب ہوگیا تھا...... پھر میں نے خود کو سنبھالا اور ادھر ادھر دیکھنے لگا...... میری کوشش اب یہی تھی کہ میں غیاث شاہ کی طرف دیکھنے سے احتراز ہی کروں۔

اس وقت میرے ذہن میں قالان کی کہی ہوئی باتیں گردش کرنے لگیں...... اس نے جب مجھے آدم زادوں کے متعلق بتایا تھا تو اس نے یہ بھی کہا تھا'' بعض آدم زاد کافی خطرناک ثابت ہوتے ہیں...... اور وہ جنوں کو اپنے قابو میں کر لیتے ہیں...... پھر انہیں اپنے تابع کر کے انہیں اپنا غلام بنا لیتے ہیں...... پھر وہ انہیں اپنی انگلیوں پر نچاتے ہیں اور ان سے اپنی مرضی کے مطابق کام لیتے ہیں......''

''اوہ......!'' میں نے سوچا۔

''اگر اس شخص نے میرے ساتھ بھی یہی کیا تو پھر کیا ہوگا......؟ یہ آدم زادوں کا عالم ہے...... یقیناً

WAQAR AZEEM
www.pakistanipoint.com

اس نے اپنے علم کے ذریعے میرے بارے میں معلوم کر لیا ہو گا...... یہ مجھے گھور گھور کر دیکھ رہا ہے...... یقیناً میرے بارے میں اسے معلوم ہو گیا ہے...... اس لیے اب میرے لیے بہتر یہی ہے کہ میں یہاں سے نکل جاؤں......''

یہ سوچ کر میں اٹھ کھڑا ہوا۔ عین اسی وقت ایک آواز میرے کانوں سے ٹکرائی۔

''ارے...... کہاں جا رہے ہو رباط...... بیٹھو......!!''

☆......☆......☆

میں اچھل پڑا...... یہ آواز یقیناً غیاث شاہ کی تھی...... میں نے گھوم کر دیکھا تو غیاث شاہ کو اپنی طرف متوجہ پایا...... ایک معنی خیز سی مسکراہٹ تھی، جو میرا احاطہ کیے ہوئے تھی۔

نرگس بیگم نے فوراً ہی کہا۔

''شاہ صاحب......! ان کا نام سعادت ہے...... رباط نہیں ہے......!''

''مجھے معلوم ہے......!'' انہوں نے سر ہلایا۔

''لیکن ان کے دوست احباب پیار سے انہیں رباط ہی پکارتے ہیں...... تو بھائی رباط آپ بیٹھیں...... اب آ ہی گئے ہیں تو ملاقات کر کے ہی جائیے گا......''

میرے قدم رک گئے...... حالانکہ میرا ارادہ ہرگز نہ تھا کہ میں ایک لمحہ بھی یہاں گزار سکوں...... یوں لگ رہا تھا جیسے اس آدم زاد کے کہے ہوئے الفاظ میرے پیروں کی زنجیر بن گئے ہوں...... میں گھبرا سا گیا تھا، لیکن پھر میں نے خود پر قابو پایا اور گھوم کر غیاث شاہ کی طرف دیکھا......

وہ واقعی بہت شاندار شخصیت کے مالک تھے سفید اور بے داغ لبادے میں ملبوس، سر پر عمامہ باندھے ہوئے، پرنور چہرہ اور ماتھے پر سجدوں کے نشان لیے ہوئے، غیاث شاہ ایک دوستانہ سی مسکراہٹ لے کر میری ہی طرف متوجہ تھے...... لیکن ان سب باتوں کے باوجود میرے ذہن میں طرح طرح کے وسوسے اور خوف خدشے گھوم رہے تھے...... بہرحال میں خاموشی سے ایک طرف بیٹھ گیا......

پھر انہوں نے سعدیہ کے بارے میں پوچھا...... اس کے بعد کافی دیر تک خاموشی چھائی رہی اور وہ آنکھیں بند کیے بیٹھے رہے...... عین اس وقت میں نے محسوس کیا کہ ان کے گرد ایک غبار سا چھا گیا تھا...... جس کے اندر دیکھ لینا میرے بس کی بات نہیں تھی...... غبار اس حد تک تھا کہ غیاث شاہ کا وجود ایک ہیولے میں تبدیل ہو گیا تھا...... لیکن پھر جلد ہی وہ غبار چھٹ گیا......

غیاث شاہ نے اپنی خاموشی توڑی اور پھر کہا۔

''سعدیہ بیٹی کو تین دن بعد یہاں لانا ہو گا......!!''

''لیکن شاہ صاحب......! اسے تو کمرے سے نکالنا ہی مشکل ہے...... وہ یہاں تک کیسے آئے گی......؟'' نرگس بیگم بول اٹھیں۔

یہ سن کر غیاث شاہ مسکرائے اور بولے۔

''میرے پاس آنے میں اسے کوئی عار نہ ہو گا...... میں کچھ نقش دے رہا ہوں...... یہ اسے پانی میں گھول کر پلا دینا...... تیسرے دن وہ خاموشی سے یہاں چلی آئے گی......!!''

پھر وہ مڑ کر اپنے قریب بیٹھے ہوئے مرید سے کچھ کہنے لگے...... اور میں اس وقت اس غبار میں کھویا ہوا تھا...... آخر اس دھند کا کیا راز تھا...... جو تھوڑی دیر قبل غیاث شاہ کے گرد لپٹی ہوئی تھی......!

''پھر غیاث شاہ نے نرگس بیگم کے ہاتھ میں چند تعویذ دیے...... اس کے بعد انہوں نے میری طرف

WAQAR AZEEM www.pakistanipoint.com

دیکھا۔

''رباظ.....! تم اسی دن میرے پاس آنا..... پھر میں تم سے بات کرتا ہوں.....! میں تمہارا انتظار کروں گا.....اب جاؤ تم لوگ.....!!!''

☆.....☆.....☆

میں اب سعادت کے جسم کو چھوڑ چکا تھا.....میرا خیال تھا کہ اب مجھے اس گھر میں رہنے کی ضرورت نہیں تھی..... کیونکہ میرے خیال میں عالم غیاث شاہ بے پناہ روحانی قوتوں کے مالک تھے..... اب سعدیہ کے معاملات وہ بخوبی نمٹا سکتے تھے کیونکہ جو آدم زاد میرا نام تک جانتا ہے.....وہ پھر کیا نہیں کر سکتا.....!!

حالانکہ میں سعادت کے جسم میں داخل ہو چکا تھا.....لیکن اس کے باوجود انہوں نے سعادت کا نام لینے کے بجائے مجھے میرے نام سے پکارا تھا..... مجھے غیاث شاہ کو دیکھ کر خاشاب کی یاد آ گئی.....!!

اس وقت میں نے سوچا کہ دوسروں کی فکر اور مدد کرنے کا جذبہ کس قدر قوی ہوتا ہے.....جن کے دلوں میں خدا ترسی اور ہمدردی کا جذبہ ہوتا ہے..... وہ پھر ایسے ہی منصبوں پر فائز ہوتے ہیں..... کہ پھر ایک عالم ان کے پیچھے موجود ہوتا ہے.....ان کی ہستی شمع کی مانند ہوتی ہے جس کا فیض اور روشنی حاصل کرنے کے لیے چاروں طرف پروانوں کا جمگھٹا لگا رہتا ہے.....غیاث شاہ اور خاشاب کی حیثیت بھی ایسی ہی تھی.....!!

بہرحال اب میں ایک بار پھر کھلے آسمان کے نیچے موجود تھا.....تنہا.....اکیلا.....!! دور دور تک نہ کوئی ساتھی تھا اور نہ ہی کوئی ہم سفر.....بس ایک سفر تھا، جس کی کوئی منزل نہ تھی..... چلنا تھا..... چلتے ہی رہنا تھا.....اور بس.....

اس وقت نہ جانے کیوں میں نے اپنے دوست قالان کو شدت سے یاد کیا.....

''کہاں ہو میرے دوست.....!'' میں نے ایک سرد آہ بھر کر پکارا.....لیکن جواب ندارد تھا.....

طبیعت کچھ اداس سی تھی..... تھکے تھکے انداز سے میں آگے بڑھ رہا تھا۔ یہ ایک پررونق بازار تھا..... جہاں سے میں اس وقت گزر رہا تھا.....

عین اس وقت میری آنکھوں میں بجلی سی لپک گئی..... وہ کوئی آدم زادی تھی یا پھر کوئی پری یا اپسرا.....؟ میری نگاہیں اس پر رکیں، تو پھر وہیں جم کر رہ گئیں..... واقعی بے حد حسین تھی..... وہ اپنی ماں کے ساتھ سودا سلف لینے آئی ہوئی تھی.....

شاید وہ لوگ سامان لے کر فارغ ہو چکے تھے.....پھر اس کی ماں نے آگے بڑھ کر ایک رکشہ روکا تھا.....سامان اس میں رکھا گیا اور پھر رکشہ اپنے سفر پر روانہ ہو گیا..... میں بھی بے ساختہ ان لوگوں کے ساتھ ہی ہو لیا تھا..... یہ سفر زیادہ طویل ثابت نہیں ہوا تھا.....جلد ہی ایک چھوٹے سے علاقے میں ایک پرانے سے مکان میں دونوں اندر داخل ہو گئے.....

ان لوگوں کے حالات کچھ زیادہ بہتر نہیں تھے..... باپ مزدوری کرتا تھا اور یوں گھر کا گزارا ہوتا تھا.....لڑکی کا نام شازیہ تھا.....وہ اپنی ماں کے ساتھ گھر کے کام کاج میں ہاتھ بٹاتی تھی.....!!

گو کہ میں ایک جن زاد تھا..... لیکن اس کے باوجود میری خصلت نے یہ گوارا نہیں کیا کہ میں اس شریف زادی پر کوئی بری نیت ڈال سکوں..... ویسے مجھے خود بھی احساس نہیں تھا کہ میں کس بناء پر اس کے ساتھ چلا آیا ہوں.....

لیکن پھر اس گھر کے حالات کے بارے میں مجھے علم ہوا تو مجھے کافی افسوس ہوا..... شازیہ کی

WAQAR AZEEM
www.pakistanipoint.com

SCLD

SCHOOL OF COGNITION & LANGUAGE DEVELOPMENT

(EARLY CHILDHOOD INCLUSIVE EDUCATION SCHOOL)

• Montessori • Kindergarten • Remedial education • Daycare
• Speech therapy • Inclusive education • Play group class

- Theme Based Classroom
- Speech Therapy Room
- Special Education
- Teacher Child Ratio 1:10
- Day care facilities available (for Children Above 1 year)
- Vibrant & Colorful learning environment
- Well equipped non - toxic toys
- Remedial education (afternoon)
- Individualized education plan

Plot No-22, CP & Barar Co-Operative
Housing Society, Off Amir Khusro Road,
Near Tahir Medical Center, Karachi.

03202632430, 03343117002

sçld@yahoo.com sçld@yahoo.com

طبیعت ابھی کچھ دنوں قبل ہی کچھ بہتری کی طرف آئی تھی...... وگرنہ اس کی حالت کافی دگرگوں تھی......!!

اس کے باپ نے اس کے علاج کے لیے کہیں سے رقم بھی قرض لی تھی...... جس کی ادائیگی قسطوں میں ہو رہی تھی......

مجھے یہ بھی معلوم ہوا تھا کہ کسی اچھے گھرانے سے شازیہ کے لیے رشتہ بھی آنے والا تھا...... لیکن فی الحال معاملہ التواء کا شکار تھا...... شام ہوئی تو ایک موٹی سی عورت گھر میں داخل ہوئی...... مجھے وہ کچھ اچھی نہیں لگی تھی...... اس کے چہرے پر ایسی مسکراہٹ تھی جیسے وہ بے حد خوش اخلاق اور نرم طبیعت کی مالک ہو...... اس کے ساتھ ایک شازیہ کی ہم عمر لڑکی بھی تھی...... جو زیادہ خوبصورت تو ہرگز نہیں تھی...... البتہ اس کا انداز و اطوار بتا رہا تھا کہ وہ خود کو کسی ریاست کی شہزادی سے ہرگز کم نہیں سمجھتی......!!

شازیہ اور اس کے گھر والے تو کافی خوش دلی سے ملے تھے...... البتہ صنوبر نامی وہ لڑکی کافی کھنچی کھنچی سی تھی...... اس نے شازیہ سے بھی زیادہ گھل مل کر بات نہیں کی تھی......

البتہ موٹی عورت جو کہ شازیہ کی پھوپی تھی...... وہ تو گویا شازیہ کے آگے بچھی جا رہی تھی...... لیکن یہ سب کچھ مجھے مصنوعی لگ رہا تھا...... محض دکھاوا......!!

بس اس وقت چونکا، جب سارے لوگ بیٹھے ہوئے چائے پی رہے تھے...... اور پھوپی اس وقت بھی شازیہ سے بالکل لگ کر بیٹھی ہوئی تھی...... پھر اس نے سب کی نظر بچا کر نہایت صفائی سے کوئی چیز شازیہ کے کپ میں انڈیل دی...... اس وقت پھوپی نے شازیہ کا دھیان اپنی طرف ہی لگایا ہوا تھا......

''ارے پڑھائی بھی جاری رکھو بھئی......!'' اس وقت پھوپی نے ہنس کر کہا۔

''انٹر کر لیا تو اس کا مطلب یہ ہرگز نہیں ہے کہ پڑھائی مکمل ہو گئی...... اب صنوبر کو ہی دیکھ لو...... میرا پکا ارادہ ہے کہ اسے ماسٹرز ضرور کرواؤں گی......!!''

''جی پھپھو......!'' وہ مسکرائی۔

''بس حالات ہی آڑے آ جاتے ہیں...... اور پھر آپ کو تو معلوم ہی ہے کہ میں ابھی کچھ دنوں پہلے تو بیماری سے اٹھی ہوں...... ابو بھی اسی کے قرضے میں ڈوبے ہوئے ہیں...... میں آگے ضرور پڑھوں گی...... لیکن کچھ عرصہ گیپ ہی کروں گی......!!

''ارے بھائی جان نے تو ہمیں ہمیشہ ہی غیر سمجھا ہے......!'' پھوپی نے کہا۔

''ورنہ یہ سب کچھ اتنا بڑا مسئلہ نہیں ہے...... وہ ہر مشکل اور ہر پریشانی کو بس اپنی ہی حد تک رکھتے ہیں......!! کبھی بتاتے بھی نہیں ہیں......!''

''یہ تو اچھی بات ہے نا پھپھو......!'' یہ کہہ کر شازیہ نے چائے کا کپ اٹھا لیا۔

اس وقت اس موٹی پھوپی کی آنکھوں میں ایک تیز چمک لہرائی تھی...... بس فوراً میں آگے بڑھا اور شازیہ کے ہاتھ میں پکڑے ہوئے کپ پر ہاتھ مار دیا...... کپ لڑھکا اور نیچے جا پڑا...... ساری چائے فرش پر بہہ گئی۔

پھوپی فوراً ہی اٹھ کر کھڑی ہو گئی۔ اس کا چہرہ تاریک ہو چکا تھا۔

☆......☆......☆

شازیہ بھی اٹھی تھی...... اور فرش کی طرف دیکھ کر بولی۔

''یہ...... یہ کیسے گر گئی......!''

''ارے...... تو اس میں اتنا پریشان ہونے والی کیا بات ہے......؟'' ماں نے مسکراتے ہوئے کہا۔

(اس دلچسپ اور تحیر خیز آپ بیتی کا اگلا حصہ آئندہ ماہ ملاحظہ کیجئے۔)

WAQAR AZEEM
www.pakistanipoint.com

مردے کی غذا

انسان سے زیادہ پُراسرار ہولناک، سفاک اور ہیبت ناک
تو کوئی اور مخلوق نہیں اس لیے اس بار پُراسرار نمبر میں شامل
ہے رات کی تاریکی میں ماں کو کھانے والوں کا قصہ.....

فہیم زیدی

ان دونوں کو ہر جمعرات کی شام مغرب سے پہلے کے وقت کا شدت سے انتظار رہتا تھا، کیوں کہ وہ ہی ایک دن تھا جس میں وہ اپنی شدید ترین خواہش کی تکمیل کو پورا ہونے کی اُمید لئے پوری بستی کا چکر لگاتے تھے اگر چہ ان کی وہ خواہش کوشش کے باوجود بھی نہیں پوری ہو پاتی پھر بھی وہ اپنے دل اور اس میں بسی حسرت کے ہاتھوں مجبور ہو کر بستی کا چکر لگاتے تھے کہ شاید کسی کی ان پر نظر پڑ جائے اور ان کا ہاتھ پکڑ کر انہیں اپنے گھر لے جائے۔ آج بھی دونوں بھائی جمعرات کی سہ پہر سے ہی چلچلاتی دھوپ میں بلا سبب بستی کی مختلف گلیوں میں گھوم پھر رہے تھے حالاں کہ ابھی مغرب ہونے میں چار گھنٹے باقی تھے پھر وہ بھی ایک مبہم سی آس اور ایک اُمید دل میں لئے بستی کے ادھ کھلے دروازے یا دروازوں پر لٹکے ٹاٹ کے پردوں میں سے کچے گھروں میں جھانکنے کی کوشش کر رہے تھے مگر وہ اب تک اپنے مقصد میں ناکام تھے انہیں کسی بھی گھر کے صحن میں اس طرح کی کوئی حرکات وسکنات ہوتی محسوس نہیں ہو رہی تھی کہ جس سے انہیں اس بات کا اندازہ ہو سکے کہ وہ جس مقصد کے لئے بستی کی خاک چھان رہے ہیں وہ آج پوری ہوگی بھی یا نہیں مگر یہ مقصد بھلا کیسے اتنا پہلے پورا ہو سکتا تھا کیوں کہ انہیں اپنے ہدف تک پہنچنے کے لئے مغرب کی اذان تک کا انتظار کرنا تھا اور ابھی مغرب ہونے میں کافی وقت پڑا تھا۔

رحمت پور گاؤں کی چار پانچ ہزار نفوس پر مشتمل یہ چھوٹی سی کچی بستی میں غریب محنت کش آباد تھے جو سارا دن مختلف شعبوں میں گاؤں سے چالیس پینتالیس کلومیٹر دور شہر کے قریب محنت مزدوری کرنے جاتے اور سرِ شام بس اتنا ہی کما لاتے تھے کہ صرف اپنے اور اپنے بچوں کا پیٹ بھرنے کا ہی سامان پیدا کر سکیں اپنی ضرورت سے زیادہ کمانے کی ان لوگوں میں جستجو بھی نہیں رہی کبھی، دنیاوی آسائشوں اور عیاشیوں کے متحمل ہونے کا سوچ بھی نہیں سکتے تھے۔ بستی کے بڑوں

MAZHAR AZEEM
www.pakistanipoint.com

نے کبھی اس بات پر بھی توجہ نہیں دی تھی کہ وہ اپنے بچوں کو تعلیم کے زیور سے آراستہ کریں وہ بے چارے تو اس بات کا خیال بھی ذہن میں لانا گناہ گردانتے تھے کیوں کہ ان کے نزدیک تعلیم کا حصول ان غریبوں کے بچوں کا حق نہیں وہ تو بس پیسے والوں کو چونچلے ہیں اور پیسے ہمارے پاس ہیں ہی نہیں تو ہم کیوں بلاوجہ اس بات پر اپنے آپ کو ہلکان کریں، ہاں البتہ بستی کی کچھ عمر رسیدہ خواتین نے قرآن پاک ضرور پڑھا ہوا تھا اور وہ بستی کے بچوں کو فی سبیل اللہ قرآن پاک کی تعلیم دے دیا کرتی تھیں اس میں بھی بچوں کا دل نہیں لگتا اور دل اُچاٹ ہونے کے بعد بچے اس سے بھی فارغ ہو جاتے اور نہ ہی ان کے ماں باپ زور دیتے کہ وہ سپارہ پڑھتے جائیں یا دین اور دنیا کی کوئی دوسری تعلیم حاصل کریں، بچے سارا دن ننگ دھڑنگ محلے میں پھرتے رہتے جہاں دل چاہتا کہ کھڑے ہو کر کسی کے بھی سامنے دھار لگا دیتے ان کی اس حرکت کو کوئی بُرا بھی نہیں سمجھتا اور نہ ہی انہیں ایسا کرنے سے کوئی روک ٹوک تھی کیوں کہ اس بستی کے آج کے بڑوں کی بھی پرورش انہی خطوط پر ہوئی تھی اگر یہ کہا جائے تو غلط نہ ہوگا کہ یہاں کا سارا آوا کا آوا ہی بگڑا ہوا تھا۔ غربت کا یہ عالم تھا کہ تینوں وقت کھانا پکانے کا وہ لوگ تصور بھی نہیں کر سکتے تھے بس ایک وقت کھانا بنتا جو تینوں ٹائم کھایا جاتا اور کبھی کبھی تو ایک وقت پکا کھانا دو دن بھی چل جاتا تھا یا غربت کے باعث دو دن چلایا بھی جاتا تھا، سبزیاں اور دالیں جیسی اجناس ہی ان کی غذائیں تھیں ہاں اتنا ضرور تھا کہ موسمی پھل دوسرے گاؤں کے باغوں سے نوجوان چُرا لایا کرتے تھے باز پرس کرنے کے بجائے گھر کے چھوٹے بڑے سب بڑے شوق سے ان پھلوں پر صدیوں کے بھوکوں کی مانند ٹوٹ پڑتے تھے ان کی دانست میں بس یہی ان کی کھانے پینے کے معاملے میں بڑی عیاشی تھی۔ بکرے اور گائے کے گوشت کو تو وہ کبھی خواب میں بھی نہیں دیکھ سکتے تھے ان کی پہنچ سے بہت دور

WAQAR AZEEM www.pakistanipoint.com

پر اسرار کہانی نمبر2

ایک ایسا شاہکار شمارہ جس میں دل دہلا دینے والی وہ سچ بیانیاں شامل ہیں جو آپ کو چونکنے پر مجبور کر دیں گی۔

آپ کے اُن پسندیدہ رائٹرز کے قلم سے، جو آپ کی نبض شناس ہیں۔

جن کی کہانیوں کا آپ کو انتظار رہتا ہے۔

جنوں، بھوتوں اور ارواحِ خبیثہ کی ایسی کہانیاں جو واقعی آپ کو خوف میں مبتلا کر دیں گی۔

WAQAR AZEEM
www.pakistanipoint.com

ہمارا دعویٰ ہے!

اس سے پہلے.....

ایسی نا قابلِ یقین، دہشت انگیز اور خوفناک کہانیاں شاید ہی آپ نے پڑھی ہوں۔

آج ہی اپنے ہاکر یا قریبی بک اسٹال پر اپنی کاپی مختص کرالیں۔

نوٹ: پراسرار نمبر **2** کے لیے کہانیاں جلد از جلد ارسال کریں۔

سچی کہانیاں کا ماہِ اکتوبر کا شمارہ، پراسرار نمبر ہوگا۔

تصانیف بھیجنے کی آخری تاریخ **10** اگست ہے۔

ایجنٹ حضرات نوٹ فرمالیں۔

تھا البتہ گاؤں کے چند گھر ضرور ایسے تھے کہ جن کے گھر میں ہفتے میں ایک بار ضرور بڑے کے گوشت اور آلو کا سالن پکتا تھا اور باقی گاؤں والے ان کا رشک بھرے انداز میں ذکر کرتے تھے ایسا نہیں تھا کہ ان کے پاس پیسا زیادہ تھا درحقیقت وہ لوگ مجبوراً آلو گوشت کا سالن بناتے تھے کیوں کہ اس آلو گوشت کے سالن اور دو روٹیوں پر ہر جمعرات ان کے گھر کے مُردوں کی فاتحہ دلوائی جاتی تھی اور اس کے لئے انہیں جمعرات سے ایک روز پہلے کچھ زیادہ دیر ہی کام کرنا پڑتا تھا تاکہ اتنا پیسہ ہو جائے کہ وہ جاتے وقت شہر سے بڑے کا گوشت خرید کر ہمراہ لے جائیں، جب یہ سالن پکتے وقت ان کے گھروں کے صحن سے اٹھنے والی اس کی مہک پوری بستی کو اپنی لپیٹ میں لے لیتی تو اس لمحہ دو وقت کی بمشکل روٹی کھانے والے دوسرے گھرانوں کے مکینوں کو بھی بے کل کر دیتی تھی ان کی بھوک کی شدت مزید بڑھ جاتی اور دل میں یہی ہوتا کہ کاش کوئی ان کے گھر بھی تھوڑا سا آلو گوشت کا یہ سالن پہنچا دے اور وہ بھی کھالیں اور جب ناکام ہو جاتے تو گھر کے دروازے اس مضبوطی سے بند کر لیتے کہ جیسے اس سالن کی مہک اب کے گھر میں داخل نہیں ہو سکے گی۔

پھرتے پھرتے جب رات کے نو بج گئے اور دونوں کو اس بات کا یقین ہو چلا کہ اب بستی والوں کے گھروں میں کھانے پکنے کے بعد کھا پی کر برتن بھی صاف ہو چکے ہوں گے انہوں نے اس حد تک بھی کوشش کی کہ کسی بھی گھر کے آگے کھڑے پھل سبزی کی ریڑھی والے کو روک کر بلا وجہ بھاؤ تاؤ کرنے لگے جب کہ انہیں خریدنا کچھ بھی نہیں تھا بس ان کا مقصد بستی کے گھروں کے سامنے اسی آس پر کھڑا ہونا تھا کہ کوئی پڑوسی انہیں آواز دے اور گوشت کا سالن کھلانے کی پیشکش کر دے، ان کے اس طرح کا مطلب بستی والے بھی خوب جانتے تھے دل ہی دل میں یا آپس میں دونوں بھائیوں کی اس ندیدہ خوری کو بُرا گردانتے تھے جہاں کہیں دور سے دونوں نظر آتے بستی کے لوگ ان کی اس عادت کی وجہ سے ان پر کبھی کبھی طنز بھی کر جاتے مگر دونوں اس قدر ڈھیٹ ہو چکے تھے کہ اس کا ان پر کوئی اثر نہیں ہوتا تھا اپنی عزت و بے عزتی کی فکر کئے بغیر بھکاریوں کی طرح لوگوں کے گھر میں جھانکا تاکی کا عمل جاری رکھتے، ابھی بقرعید آنے میں بھی پانچ ماہ باقی تھے جہاں کھانے کے لالے پڑے ہوں ایسے میں یہاں کے لوگ قربانی جیسا فریضہ کیسے ادا کر سکتے تھے۔

دور دراز سے بقرعید والے دن اگر کوئی بھولے بھٹکے سے کہیں اس بستی میں گوشت دے جاتا تو وہ خوب سیر حاصل ہو کر کھاتے، چار سال قبل دینو چاچا بقرعید پر کہیں سے قربانی کے لئے ایک مریل سا بکرا لے آیا تو کسی کو یقین نہیں آیا کہ بستی میں قربانی کے لئے بکرا آ گیا ہے بچے بڑے سب اسے دیکھنے کے لئے ایسے ٹوٹ پڑے جیسے آسمان سے کوئی نایاب چیز اتر آئی ہے گاؤں کا ہر شخص اس کو ہاتھ لگا کر دیکھنا اپنا فرض سمجھ رہا تھا، کوئی اس کے کان کھینچ رہا تھا تو کوئی بچہ دم کھینچ کر اسے پریشان کر رہا تھا دھان پان سے منحنی کمزور سا بکرا اس افتاد سے اس قدر گھبرایا کہ چیخ چیخ کر پوری بستی سر پر اٹھالی اور موقع ملتے ہی بکرا رسی چھڑا کر ایسا دوڑا کہ کسی کے ہاتھ نہ آیا دینو چاچا کی حالت دیدنی تھی غصے میں آگ بگولہ ہو کر اس نے پوری بستی والوں کو مغلظات بکیں ہر بندہ دوسرے بندے پر الزام دھر رہا تھا کہ اس کی وجہ سے بکرا

WAQAR AZEEM
www.pakistanipoint.com

بھاگا ہے، بکرے کا گوشت گاؤں والوں کو تو کیا خود دینو چاچا کی قسمت میں بھی نہیں آیا۔ اس کے علاوہ انہیں محرم کے دنوں میں تھوڑا بہت کچھ اچھا کھانے کو مل جاتا تھا پاس کے گاؤں میں قائم امام باڑے میں جہاں محرم میں مجلسوں میں اکثر حلیم کھانے کو مل جاتا تھا اس وقت گاؤں کے تقریباً سارے ہی نوجوان مجلس ختم ہونے سے دس پندرہ منٹ پہلے کالے کپڑے پہنے وہاں پہنچ جاتے تھے اور نقلی ماتم کا ڈرامہ رچاتے انہیں وہاں کبھی کبھی بیف بریانی بھی مل جاتی تھی اس وقت ان کی خوشی دیدنی ہوتی تھی، جاتے جاتے ساتھ لائی ہوئی نیفوں اور جیبوں میں مڑی تڑی اڑسی گندی پلاسٹک کی تھیلیاں بھر بھر کر بچے کھچے کھانے بھی ساتھ لے جاتے، جب محلے کے دوسرے فرقے کے مولوی قسم کے لوگوں کو معلوم ہوا ہے کہ یہ لوگ کھانا امام باڑے کی مجلس سے جا کر لاتے اور کھاتے ہیں تو ان پر ناراض ہوتے اور ان پر کفر کے فتوے لگاتے مگر وہ ان باتوں سے بے نیاز اپنے اس عمل کو جاری رکھتے۔

اب دونوں مکمل طور پر مایوس ہو چکے تھے اور انہیں گھومتے گھومتے تھکاوٹ کا احساس ہو چلا تھا انہوں نے سوچا کہ شاید آج بھی آلو گوشت کا سالن ان کا مقدر نہیں ہے، اب بھوک بھی انہیں ستا رہی تھی، دونوں نے سوچا آپا نے جو کچھ بھی پکایا ہوگا وہی اب زہر مار کرنا پڑے گا، چلتے چلتے اپنے باپ کرم دین پر بھی لعن طعن کر کے دل کا غبار نکالنے لگے کہ کرا چھا خاصا کما لینے کے باوجود بھی وہ کیوں شہر سے گوشت گھر نہیں لاتا کیوں ان کے گھر گوشت کا سالن نہیں پکتا، اسے اچھی طرح معلوم ہے کہ ان دونوں کو گوشت کتنا پسند ہے، جب سے پیدا ہوئے ہیں سبزیوں اور دالوں پر ہی کیوں ٹرخا رہا ہے بڑبڑاتے ہوئے وہ گھر کے قریب پہنچے بھی نہیں تھے کہ کافی دور سے ہی گھر میں سے اماں کے مسلسل کھانسنے کی آوازوں سے ان کے چہرے کے تاثرات مزید ناگوار ہو گئے ان کی ماں کافی سالوں سے ٹی بی کے مرض میں مبتلا بستر پر پڑی ہوئی تھی ان کے ابا نے اماں کے علاج کے لئے بستی میں موجود واحد کمپاؤڈر سے لے کر کسی حکیم یہاں تک کہ پیر فقیروں تک کو آزما لیا مگر اماں کو افاقہ ہونے کے بجائے ان کی کھانسی میں اضافہ ہی ہوتا چلا گیا کبھی کبھی تو اماں کو کھانسی کے دوران خون کی اُلٹی بھی ہو جاتی تھی، تھک ہار کر کرم دین نے اب اس کا علاج کروانا بھی چھوڑ دیا سارا دن ساری رات اماں اندر کمرے میں پڑی کھانس کھانس کر دہری ہو جاتی تھی مگر روز کا معمول جان کر ان کی جانب کوئی اب توجہ نہیں دیتا جب ان کو طویل کھانسی پر پھندہ لگتا تو آپا فوراً بھاگ کر جاتی اماں کو اٹھاتی اور ان کے منہ سے پانی کا گلاس لگا دیتی جو آدھے سے زیادہ گر کر ان کے کپڑے تر کر دیتا تھا، گھر میں قدم رکھتے ہی آپا نے دونوں کی جانب دیکھا اور مسکراتے ہوئے بولی۔

''میرے لاڈلے آج بھی نامراد لوٹے ہیں..... چلو..... ہاتھ منہ دھو کر بیٹھو میں کھانا دیتی ہوں۔''

آپا بھی ان دونوں کی اس عادت سے آشنا تھی وہ کبھی انہیں کافی سمجھاتی کہ تم لوگوں کا یہ طریقہ اچھا نہیں ہے اس سے محلے میں ہماری سبکی ہوتی ہے، سب لوگ تم کو بُرا بھلا بھی کہنے لگے ہیں، تم جب بستی کے چکر لگا رہے ہوتے ہو بستی کے لوگ جان بوجھ کر دروازے نہیں کھولتے بلکہ تم دونوں کے اس عمل سے تمہیں بُرا جانتے ہیں مگر وہ

WWW.PAKSOCIETY.COM

دونوں آپا کی بات کو سنی ان سنی کر کے اپنی اس عادت کو ترک نہیں کرتے اب تھک ہار کر آپا نے بھی انہیں سمجھانا چھوڑ دیا تھا کرم دین سے بھی کافی بار بُرا بھلا یہاں تک کہ گالیاں تک سُن چکے تھے مگر دونوں ڈھیٹوں پر ان پر کسی بھی بات کا اثر نہیں ہوتا۔

''آپا یہ بتا پکایا کیا ہے آج تو نے۔؟'' کاشو نے سوال کیا۔

''ماش کی دال۔'' آپا نے دال پلیٹ میں ڈالتے ہوئے جواب دیا۔

''آخ خ خ.....'' آخر یہ ماش کی دال ہمارا پیچھا کب چھوڑے گی آپا۔'' رمضو نے منہ بناتے ہوئے کہا۔

''ابا سے کہہ دیا کرو کچھ اچھا لانے کا ابا لا دے گا میں پکا دوں گی۔'' آپا نے وہ بات کی جو کسی طرح بھی ممکنات میں سے نہیں تھی۔

''یہ دیکھ آپا..... ہماری شکلوں کو غور سے دیکھ ..... ماش کی دال کھا کھا کر ہماری شکلیں بھی اب ماش کی دال کی طرح لگنے لگی ہیں۔'' کاشو اپنے چہرے کو آپا کے قریب کر کے بولا۔

''میرے پیارے ویروں..... اللہ کا شکر ادا کر کے کھا لیا کرو..... بہتوں کو یہ بھی میسر نہیں ہے۔'' آپا نے دونوں کو پیار سے سمجھاتے ہوئے کہا۔

''آپا ایک بات تو بتا ..... گاؤں کے کافی گھروں میں جمعرات کو گوشت پکتا ہے حالانکہ وہ سب بھی ہماری ہی طرح ہیں پھر ہمارے ہی گھر سالا کیوں نہیں پکتا یہ آلو گوشت کا سالن۔'' رمضو چڑ کر بولا۔

''میرے بھولے بھیا!..... دراصل ان کے گھروں میں جمعرات کے روز گوشت کے سالن اس لئے بنتا ہے کہ وہ اس پر اپنے مُردوں کی فاتحہ پڑھتے ہیں، ان کا عقیدہ ہے کہ فاتحہ ہونے والے کھانا ان کے مُردے کو پہنچتا ہے اور وہ لوگ اپنے مُردے کو اچھا کھانا دینا چاہتے ہیں بس اسی لئے ان کے گھر میں گوشت پکتا ہے۔'' آپا نے جواب دیا۔

''واہ آپا ..... واہ ..... خوب کہی تم نے بھی ..... زندہ لوگوں کو گوشت کھلانے کی سکت نہیں اور چلے ہیں مُردوں کو گوشت کھلانے ..... ان کا مُردہ کیا صرف ہفتے میں ایک بار کھاتا ہے..... بلکہ میں تو کہتا ہوں کہ ان لوگوں کو روزانہ تینوں ٹیم (ٹائم) گوشت پر فاتحہ پڑھوا کر اپنے مُردے کو کھانا بھیجنا چاہئے۔'' کاشو نے طنز کیا۔

''ارے تو آپا ہمارے گھر کیوں فاتحہ نہیں ہوتی ؟..... ہمارے گھر کوئی نہیں مرا کبھی کیا..... ہمارے ابا کا ابا یعنی دادا بھی تو مُردہ ہی ناں اس کے نام پر ہی گوشت پکوا لیا کرے ابا ..... کیوں وہ اس کا باپ نہیں نے کیا وہ اپنے باپ سے محبت نہیں کرتا کیا جو اسے گوشت کا سالن بھجوانے میں اجتناب برتتا ہے کنجوس کہیں کا!'' رمضو نے حقارت سے کہا۔

''ایک دفعہ ابا سے کہی تھی یہ بات میں نے بھی تو ابا نے جواب دیا تھا کہ دوسرے گاؤں میں تایا کے گھر ابا کی فاتحہ ہو جاتی ہے، بس ایک جگہ ہی کافی ہے۔'' آپا نے رمضو کی بات کا جواب دیا۔

''بڑا ہی کنجوس ہے ابا..... قبر میں لے کر جائے گا پیسہ۔'' کاشو کرم دین پر غصہ کرتے ہوئے بولا۔

''جلدی سے مرے ابا تا کہ ہمیں بھی ہر جمعرات اس کی فاتحہ پر گوشت کھانے کو تو ملے گا..... مجھے پتا ہے ہمارا ابا اتنی آسانی سے مرے گا بھی نہیں۔'' رمضو کی اس بددعا پر آپا نے دونوں کو غصے

WAQAR AZEEM www.pakistanipoint.com

اور حیرت سے دیکھ ہی رہی تھی کہ اندر اماں پر کھانسی کا ایک بار پھر طویل دورہ پڑا آپا فوراً پانی کا گلاس تھامے اندر کی جانب بھاگی۔

''ایک تو اس کو بھی موت نہیں آتی ..... جینا حرام کر رکھا ہے بڑی بی نے ..... نہ دن میں سکھ کا سانس لے سکتے ہیں اور نہ ہی رات کو سکون کی نیند سو سکتے ہیں ..... جلدی مرے بڑھیا، قصہ تمام ہو..... صرف اس کی بے وقت کھانسی کی وجہ سے ہم دونوں نے بوریا بستر چھت پر لگا لیا ہے کم از کم وہاں تھوڑی دیر آرام سے سو تو لیتے ہیں۔ کاشو نے بیمار اماں کو بھی نہیں بخشا۔

''قصہ تمام ہو..... گوشت کا سالن ..... فاتحہ .....؟؟'' کاشو نے رمضو کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے معنی خیز انداز میں مونچھوں کو تاؤ دیتے ہوئے کہا۔

رات گہری تھی ہر سُو سکوت چھایا ہوا تھا، سناٹے کا راج تھا، بستی کے مکین دن بھر کی تکان کے بعد گہری نیند سوئے ہوئے تھے تاہم کبھی کبھی دور کہیں سے گیدڑوں کے ہونکنے کی ہلکی آوازیں، جھینگروں کے ترّانے اور بستی میں پھرتے آوارہ کتوں کے بھونکنے کی وجہ سے ماحول کے سناٹے میں کچھ دیر کے لئے کمی واقع ہو جاتی تھی مگر کرم دین کے گھر میں کبھی سناٹا نہیں ہو پاتا بی بی کے مرض میں مبتلا اس کی بیوی کھانسی کبھی نہیں تھمتی اس وقت بھی مسلسل اس کے گھر سے کھانسنے کی آوازیں میں شور پیدا کر رہی تھیں پھر دفعتاً کچھ لمحوں کے بعد کھانسنے کی آوازیں مکمل طور پر تھم گئیں، دو ہیولے خاموشی کے ساتھ بغیر کسی آہٹ کے کرم دین کی بیوی کی کمرے سے نکل کر دیوار سے ٹکی لکڑی کی سیڑھی کی مدد سے اوپر چھت پر جاتے ہوئے نظر آئے۔

□□.....❁.....□□

غزل

میں یہ کس کے نام لکھوں جو الم گزر رہے ہیں
مرے شہر جل رہے ہیں مرے لوگ مر رہے ہیں

کوئی غنچہ ہو کہ گل ہو کوئی شاخ ہو شجر ہو
وہ ہوائے گلستاں ہے کہ سبھی بکھر رہے ہیں

کبھی رحمتیں تھیں نازل اِسی خطۂ زمیں پر
وہی خطۂ زمیں ہے کہ عذاب اُتر رہے ہیں

وہی طائروں کے جھرمٹ جو ہوا میں جھولتے تھے
وہ فضا کو دیکھتے ہیں تو اب آہ بھر رہے ہیں

بڑی آرزو تھی ہم کو نئے خواب دیکھنے کی
سو اب اپنی زندگی میں نئے خواب بھر رہے ہیں

کوئی اور تو نہیں ہے پسِ خنجر آزمائی
ہم ہی قتل ہو رہے ہیں ہم ہی قتل کر رہے ہیں

عبید اللہ علیم

WAQAR AZEEM
www.pakistanipoint.com

رحیم یار خان سے بھیجا گیا تعارف

اپنی منفرد شاعری کے سحر میں مقید کر دینے والی شاعرہ

زریں منور

ایم اے خالق بھٹی

بڑے اور معروف شہروں کی طرح مضافات میں بھی منفرد اور اچھے کلام لکھنے والے لب و لہجے کے شعراء کی کمی نہیں ہے۔ محترمہ زریں منور کا شمار بھی ان خواتین شعراء میں ہوتا ہے جو اپنے اچھوتی اور منفرد شاعری کی بدولت قاری کو اپنے سحر میں مقید کر لیتی ہیں۔

انہوں نے اپنی شاعری میں لفظوں کا چناؤ بہترین انداز سے کیا ہے اپنی شاعری کی بدولت دیگر شعراء سے انفرادیت رکھتی ہیں۔ انہوں نے اپنی شاعری کا آغاز اپنی کالج لائف میں اپنے بڑے بھائی ساحل منیر کی شاعری سے متاثر ہو کر کیا۔ ساحل منیر ایک سینئر اور معروف شاعر ہونے کے ساتھ صاحب تصنیف بھی ہیں ان کے علمی ذوق اور مختلف رسائل، جرائد اور معروف شاعروں کی تصنیفات گھر میں آتی تھیں۔

موصوفہ کا ان کا مطالعہ کرنے سے ذوق شاعری پروان چڑھا اور اپنے بڑے بھائی سے شاعری میں اصلاح ملنے کے باعث ان کی شاعری پروان چڑھتی گئی اور آج بین الاقوامی اور ملکی جرائد میں شائع ہونے لگا اور ویب سائٹس پر بھی موجود ہے خاص کر شوشل میڈیا پر پزیرائی کے علاوہ سینکڑوں ادبی، علمی شخصیات اور سامعین نے اپنی فیس بک آئی ڈی پر شیئر کرتے ہیں۔

انہوں نے اپنا پہلا کلام 2015ء میں اپنے گاؤں ہی میں معروف شاعر نذیر قیصر کی زیر صدارت ہونے والے مشاعرے میں پڑھا تھا یہ مشاعرہ ان کی زندگی کا پہلا آخری شمار ہونے والا یادگار مشاعرہ ثابت ہوا ہے اس کے بعد اپنی سروس اور گھریلو لائف کی مصروفیات کے باعث کسی اور مشاعرے میں اپنا کلام پیش کر سکی ہیں۔ ان کے اس اکلوتے مشاعرے میں پڑھے جانے والے کلام کو خاص وعام میں بہت پزیرائی ملی تھی اور سننے والوں نے انہیں چھپی رستم کے خطاب سے سرفراز کیا تھا۔

اب ان کا کلام مختلف جرائد فرمائش کر کے منگواتے ہیں۔ اب تک ان کا کلام نیا ادیب جو

WAQARAZEEM
www.pakistanipoint.com

لاہور اور ملتان سے بیک وقت شائع ہوتا ہے اس کے علاوہ تفکر لاہور، انٹرنیشنل میگزین ہم سخن کے ساتھ ویب سائٹ پر اردو سخن، گردو پیش، ریاست نامہ اور جیوار دو پر بھی موجود ہے۔

آپ معروف خواتین شاعرہ پروین شاکر، کومل جوئیہ اور یاسمین سحر کی شاعری سے متاثر ہیں۔ آپ کا تعلق امرت نگر تحصیل میاں چنوں سے ہے۔ محترمہ زریں منور کے کلام میں سے انتخاب پیش ہے۔

..........*

میں نے کچھ خواب جلائے تھے ابھی کل پرسوں
جانے کیا ڈھونڈنے آئے تھے ابھی کل پرسوں

دل کی تختی کہ سفیدی سی جمی تھی جس پہ
اس پہ کچھ نقش بنائے تھے ابھی کل پرسوں

خردمندوں کی طرح کیسے مجھے ٹوکتے ہیں
جن پہ آسیب کے سائے تھے ابھی کل پرسوں

لے کے آنکھوں کی اداسی، تیرے چہرے کا سکوت
میں نے کچھ شعر بنائے تھے ابھی کل پرسوں

ہائے وہ شام کے منظر کہ میری آنکھوں کو
چند لمحوں کو ہی بھائے تھے ابھی کل پرسوں

ہم نے الفت کی رہِ خار پہ چلتے چلتے
رنج ہی رنج اٹھائے تھے ابھی کل پرسوں

ہم جہاں بھر کے نکمے تھے فقط عشق کیا
اور بس درد کمائے تھے ابھی کل پرسوں

روحوں کی پیمائش

بہت سے لوگ ایسے بھی ہوتے ہیں جو اپنے سروں کو اتنا بلند کر لیتے ہیں کہ پہاڑوں کی چوٹیاں نیچے رہ جاتی ہیں لیکن ان کی روحوں کی پیمائش کرو تو تمہیں محسوس ہوگا کہ وہ ابھی تک تاریک غاروں میں رینگ رہے ہیں۔

خلیل جبران نے کہا ہے کہ جب تمہارا دل آتش فشاں ہے تو تم کو یہ توقع کیوں ہے کہ تمہارے ہاتھوں میں پھول کھلیں۔

مرسلہ: حمنہ دانش۔ کراچی

..........*

متفرق اشعار

منافقین کا آیا تھا ذکر محفل میں
میں زیرِ لب جو ہنسی تم کیوں تلملا اُٹھے؟

..........*

گھما پھرا کے مرا ذکر لے ہی آتا ہے
مرا عدو مری چاہت میں مبتلا تو نہیں؟

..........*

اُنگلیاں کاٹ لیں مروت میں
ورنہ تو اِتنا خوبرو تو نہیں

..........*

تم کو یہ بھی پتا نہیں شائد
اس محبت میں حرف کتنے ہیں
بائیں پہلو میں بیٹھ کر میرے
اس نے قیمت بڑھا دی زیرو کی

□□.....❁.....□□

WAQAR AZEEM www.pakistanipoint.com

واہ کینٹ سے ارسال کردہ عجیب وغریب کہانی

وفا ممکن نہیں

اندھے اعتقاد کی سزا بڑی سخت تھی

بھلا موذی بھی کسی کا دوست ہوا ہے.....

حمیرا انجم وحید

''دادا ابو آج آپ میرے ساتھ سوئیں گے نہ آپ نے وعدہ کیا تھا۔''

''ہاں بیٹا تم اور میں دونوں ایک ساتھ سوئیں گے میرے کمرے میں.....''

''نہیں دادا ابو نہیں آپ میرے بیڈ پر میرے کمرے میں سوئیں گے مجھے سانپوں سے بہت ڈر لگتا ہے۔ مجھے بہت ڈر لگتا ہے آپ میرے کمرے میں سوئیں گے۔''

''اچھا اچھا بیٹا ٹھیک ہے جیسے تم کہو گے میں ویسا ہی کروں گا۔ پہلے تم میری بات غور سے سنو۔ بیٹا جیسے آپ میرے بچے ہو نہ اسی طرح سانپ بھی میرے بچے ہیں اور میرے وفادار بھی' برسوں سے ان کا اور میرا ساتھ رہا ہے۔ کبھی انہوں نے نقصان نہیں پہنچایا۔ تم تو میرے بہادر بیٹے ہو اور پھر بھی ان سے ڈرتے ہو۔'' شام کے سائے گہرے ہوتے جارہے تھے اور جگہ جگہ سے نکلتے سانپوں کی تعداد میں اضافہ ہو رہا تھا۔ دیکھتے ہی دیکھتے۔ چھوٹے بڑے سانپوں کا ایک ہجوم صحن میں جمع ہو گیا۔ سانپ اکرم بابا کے انتظار میں تھے کہ کب آئیں۔ اکرم بابا کو بھی سانپوں کے بغیر بالکل نیند نہیں آرہی تھی اور دوسری طرف سانپ بھی بے چین تھے کیونکہ سانپوں اور اکرم بابا کو ایک ساتھ سونے کی عادت سی ہو گئی تھی۔

پوتے کے کہنے پر اکرم بابا سو تو گئے پر ساری رات کروٹیں بدلتے رہے سانپ رات کے آخری پہر تک انتظار میں تھے۔ جب موذن نے اذان دی اور جیسے ہی سورج کی کرنیں نمودار ہوئیں۔ سانپ بلوں میں گھس گئے جہاں ان کے مالک نے اُن کے لیے دودھ کی صورت میں ناشتہ تیار کر رکھا تھا۔ وقت گزرتا گیا اور فہد جوان ہو گیا اور بابا اکرم اب کافی بوڑھا ہو چکا تھا۔ اب فہد کو سانپوں سے بالکل ڈر نہیں لگتا تھا بلکہ کئی سانپ اس نے منتر سے اپنے قابو میں کیے ہوئے تھے۔ نسل در نسل انہیں یہ اعزاز حاصل تھا۔ انہیں کبھی کسی سانپ نے نہیں کاٹا۔ بڑے سے بڑا سانپ اُن کے منتر میں آجاتا تھا۔ فہد زمینوں سے فارغ ہو کر واپس گھر کی طرف پلٹا ہی تھا کہ اس

WAQAR AZEEM
www.pakistanipoint.com

کی نگاہ راستے میں گزرنے والے سانپ پر پڑی اتنا خوبصورت سانپ اس سے پہلے فہد نے کبھی دیکھا ہی نہیں تھا۔ اچانک ہی سانپ فہد کی نظروں سے اوجھل ہوگیا۔ فہد کو دکھ اور پریشانی کا جھٹکا لگا ہی تھا کہ تھوڑی سی کوشش کے بعد اُس نے سانپ کو ڈھونڈ لیا۔ فہد نے فوراً منتر پڑھ کے اُسے اپنے قبضے میں کرنے کی کوشش شروع کردی مگر وہ منتر سے باہر ہوگیا۔ فہد نے پھر سے کوشش شروع کردی ایسا کئی بار ہوا شام کے گہرے سائے رات کی تاریکی میں ڈوبتے جارہے تھے پھر اس نے اپنی کوشش جاری رکھی یہ جانتے ہوئے بھی کہ رات تاریکی میں ڈوبتی جارہی ہے آخر جیسے ہی فہد نے دائرہ کھینچا سانپ دائرے میں آ گیا۔

فہد سانپ کو پکڑ کر گھر کی طرف آ رہا تھا کہ راستے میں اُس نے اُسے ڈس لیا۔ فہد نے اس بات کو اپنا وہم سمجھتے ہوئے کسی سے ذکر نہ کیا۔

رات درد کی وجہ سے فہد کروٹیں بدلتا رہا اور کسی سے ذکر نہ کیا صبح کی کرنیں جب دروازے سے اس کے چہرے پر پڑیں تو وہ اٹھ کر باہر آ گیا اور رات والا سارا واقعہ اپنی ماں کے گوش گزار کیا۔ دادا نے جب یہ بات سنی تو کہنے لگے۔

''تمہیں غلط فہمی ہوئی ہوگی سانپ ہمیں نہیں کاٹ سکتے۔''

''کل شام چھوٹا سانپ بہت تگ و دو کے بعد میں نے اپنے قبضے میں جب کیا تو اُس نے مجھے ڈس لیا۔'' لیکن فہد کا دادا یہ بات کسی صورت ماننے کے لیے تیار نہ تھا۔ سمیعہ بیگم فہد کی امی نے آنکھوں میں نمی لیے درخواست کی یہ وقت ان باتوں کا نہیں ہے۔ فوراً میرے بچے کو ڈاکٹر کے پاس لے جائیں۔ اسپتال جارہے تھے کہ راستے میں فہد پر غنودگی طاری ہوگئی۔ جب اسپتال پہنچا تو ڈاکٹر نے کہا۔

''چند لمحے پہلے ہی یہ وفات پا گئے ہیں۔'' یہ الفاظ سنتے ہی سمیعہ بیگم بے ہوش ہوگئیں اُس کے

NAGAR AZEEM
www.pakistanipoint.com

باپ سلیمان پر سکتہ طاری ہو گیا دادا بھی سوچوں میں گم تھا۔

میت کو دیکھنے گاؤں کے تمام لوگ جمع ہو گئے اور جوان موت پر ہر آنکھ نم اور دل دکھی تھا۔ ایک ضعیف بزرگ جو کہ فہد کے دور کے رشتہ دار تھے میت کو دیکھتے ہی کہنے لگے۔

"یہ تو زندہ ہے دیکھو اس کی آنکھوں میں عکس دکھائی دے رہا ہے۔" سننے والے ہر شخص کو حیرت کا جھٹکا لگا کہ یہ کیسے ممکن ہے اُس آدمی نے کہا۔

"میری بات کا یقین رکھو کل تک اسے دفنانا نہیں میں ایک ایسے شخص کو جانتا ہوں جس کے پاس سانپ کے زہر کا علاج ہے۔" یہ کہہ کر وہ آدمی چلا گیا لیکن اس کی بات پر کسی نے یقین نہ کیا۔ سمعیہ بیگم نے اپنے شوہر اور سسر سے التجا کی۔

"ایک دن اور اسے گھر میں مہمان رکھ لیں۔"

لیکن کسی نے اس کی ایک نہ سنی اور اکرم بابا کہنے لگے۔

"تم ہمارا پورے گاؤں میں مذاق بناؤ گی کیا؟ فہد مر چکا ہے اور یہ حقیقت ہے۔" ڈر اور خوف کی وجہ سے سمیعہ بیگم نے ایک لفظ بھی منہ سے ادا نہ کیا۔

لوگ میت پر جو آئے تھے ہر چہرہ خوفزدہ اور پریشان دکھائی دے رہا تھا کیونکہ جگہ جگہ سانپ دکھائی دے رہے تھے۔ ہر آنے والا انسان ان سے خود کو بچانے کی کوشش کر رہا تھا وہ ان سانپوں کے سامنے موجود تھا لیکن شام سے انہوں نے کچھ کھایا پیا نہیں تھا۔

سانپ گہرے صدمے اور دکھ میں دکھائی دے رہے تھے جس چھوٹے سانپ نے غصے میں آ کر فہد کو کاٹ لیا تھا وہ زیادہ پریشان دکھائی دے رہا تھا۔ دیکھنے والے لوگ اس کی طرف انگلی اٹھا کر یہ ہی کہہ رہے تھے کہ یہ جو سب سے خوبصورت سانپ ہے اس کے کاٹنے سے فہد مر گیا۔ لوگ اپنی جان بچا کے ایک کونے میں خوف سے جمع تھے۔

جوان موت پر ہر آنکھ اشک بار تھی۔ فہد کے دادا کے ذہن میں مختلف سوچوں کی جنگ جاری تھی کہ اس کے سانپ ایسا بھی اس کے خاندان کے ساتھ کر سکتے ہیں۔ پھر یہ سوچ کر خود کو تسلی دینے لگا کہ اس میں اللہ کی کوئی رضا ہو گی۔ دفنانے سے تھوڑی دیر قبل فہد کی امی نے فہد کے والد سے کہا۔

"ایک رات اور فہد کو ٹھہرا لیتے ہیں ہو سکتا ہے دین بابا کی بات سچ ثابت ہو جائے اور میرا فہد زندہ ہو۔"

"دین بابا ضعیف آدمی ہیں اور جب انسان بوڑھا ہو جاتا ہے تو اس کا دماغ صحیح کام نہیں کرتا۔ جب ڈاکٹر نے بھی کہہ دیا ہے کہ اب فہد اس دنیا میں نہیں رہا بچوں والی باتیں مت کرو۔ صبر کرو اللہ کی رضا میں راضی رہنا چاہیے جیسے اُس کی مرضی' میں مہمانوں میں جاتا ہوں۔" اس کے شوہر اور اکرم بابا نے بھی سمیعہ بیگم کی ایک نہ سنی۔

"ویسے بھی میری عمر اتنی ہونے کو ہے آج سے پہلے کبھی سنا نہیں میں نے کہ کوئی مرنے کے بعد زندہ ہو جائے۔"

فہد کو دفنا دیا گیا۔ صبح کے وقت چند نمازیوں کا گزر قبرستان سے ہوا تو انہیں شور اور رونے کی آوازوں نے دہلا کر رکھ دیا۔ قریب جا کر سنا تو یہ آوازیں فہد کی قبر سے آ رہی تھیں۔ فہد کے گھر جا کے اطلاع دی گئی اور اس طرح قبر کی کھدائی کی گئی تب تک آوازیں آنا بند ہو چکی تھیں جب قبر کے ایک کونے میں فہد بیٹھا ہوا پایا گیا جو کہ تڑپ تڑپ کر سچ میں اب مر چکا تھا۔ اتنے میں وہ بزرگ اُس آدمی کو لے کر آ چکے تھے۔

"میں نے آپ لوگوں سے التجا کی تھی میرے

WAQAR AZEEM
www.pakistanipoint.com

واپس لوٹنے تک اسے دفنانا نہیں میرا انتظار کرنا بے شک ایکدن بعد دفنا دیں لیکن آپ لوگوں نے میری بات کو اہمیت نہ دی۔'' اب تو دادا کے صبر کا پیمانہ لبریز ہو گیا اور وہ پھوٹ پھوٹ کر رو پڑے وہ روتے جاتے اور کہتے جاتے۔

'' کاش میں آپ کی بات مان لیتا۔ مجھ سے بہت بڑی بھول ہو گئی۔ میں نے لوگوں کی باتوں سے ڈر کر اپنا پوتا گنوا دیا۔'' آج تک ہماری نسل میں کسی کو کوئی سانپ نہیں کاٹا بلکہ سانپ اپنا راستہ بدل لیتے ہیں لیکن مجھے یہ سمجھنا چاہیے تھا کہ کسی جانور کا کیا بھروسہ اور وہ بھی سانپ کا......

فہد کی جان چلی گئی۔ ہر انسان کو ایکدن لوٹ کر جانا ہے پر دکھ اس بات کا اس کی ماں باپ اور سب سے زیادہ دادا کو تمام عمر رہا کہ پہلے ڈاکٹر کے پاس لے جانے میں دیر کی پھر دفنانے میں جلدی کی اور قبر کی کھدائی میں دیر ہونے کے باعث قبر میں تڑپ تڑپ کر جو فہد کی موت ہوئی اُسے تو ایک لمحے کے لیے بھی بھلایا نہیں جا سکتا۔

تقدیر نے شاید فہد کی قسمت میں یہ سب لکھا تھا۔ اُسے ہر صورت میں مرنا ہی تھا۔ فہد کے ماں باپ کو تو آخر صبر آ ہی گیا پر اس کے دادا جتنا عرصہ زندہ رہے پچھتاوے نے اُسے سکون سے جینے نہ دیا کاش میں سانپوں پر اتنا اندھا اعتماد نہ کرتا۔ میت کو دفنانے میں جلدی نہ کرتا تو شاید میرا بچہ بچ جاتا۔ میرا بچہ کس کرب سے گزرا ہو گا جب وہ زندہ تھا قبر میں آنکھ کھولی ہو گی خود سے اکثر کہتے ہوئے اُسے کئی لوگوں نے سنا اور دیکھا۔

سوچنے والی بات تو یہ ہے کہ آج تک ایک انسان' انسان کے ساتھ وفا نہیں کر پایا تو ایک جانور کیسے کسی انسان کا وفادار ہو سکتا ہے۔

ہیلی کاپٹر

تیرے پر گھومتے ہیں
آس کو پر لگتے ہیں
زندگی اپنی امنگیں لیے لوٹ آتی ہے
تیری آواز سے جی اٹھتے ہیں
ڈوبے ہوئے دل
ہر طرف آہ و فغاں
موت تھی
بربادی تھی
ایک اک گام پہ بے چارگی
سہمی شکلیں
بے بسی عزم و عمل پر چھائی
گڑگڑاہٹ نے تری حوصلہ کتنا بخشا
پہلے زخمی کو اماں تجھ سے ملی
زندگی بخش دوائیں بھی ترے دوش پہ تھیں
کپکپاتی ہوئی ماں بہنوں کو
کتنے کمبل تری بانہوں نے دیے
اپنے کندھوں پہ اٹھا کر خیمے
وادیوں، گھاٹیوں جا کر بانٹے
دوبدو موت سے لڑنا کوئی تجھ سے سیکھے
وقت سے دوڑ لگانا کوئی تجھ سے سیکھے
تُو، تو ممتا بھی ہے، ایثار بھی
غم خواری بھی
تو ہے اڑتی ہوئی امید بھی
دلداری بھی

(زلزلے کی دھول، کا ایک ورق)

محمود شام

WAQAR AZEEM www.pakistanipoint.com

اُس پار

وہ جنات کے غصے کا شکار ہوا تھا یا نفسیاتی

بیماری کا شکار تھا یہ راز ہمیشہ راز ہی رہا.....

طیبہ صدف

''بابا جی نے جو تعویذ دیا ہے وہ تم نے گلے سے نہیں اتارنا۔'' زم زم نے انزل کو تاکید کی۔ وہ دونوں آج ہی لاہور سے آئے تھے۔ دونوں کی شادی کو کچھ ہی عرصہ ہوا تھا۔ زم زم کے سب سسرالی رشتہ دار بہت اچھے تھے۔ انزل کی تنخواہ بھی خاصی معقول تھی۔ زم زم انزل کے ساتھ بہت خوش تھی۔

بس اسے انزل کی عجیب وغریب بیماری کی سمجھ نہیں آ رہی تھی جس کی وجہ سے وہ تھوڑی پریشان تھی۔ اس کی ساس نے اسے بتایا تھا کہ انزل شادی کے بعد ہی بیمار ہوا ہے۔ مگر زم زم جان چکی تھی کہ انزل کافی عرصہ سے بیمار ہے۔ شادی سے پہلے اس کے گھر والوں نے ضروری چھان بین کے بعد رشتہ طے کر دیا تھا مگر اندر کے راز کو خدا ہی بہتر جانتا ہے۔

انزل کے ساتھ وقت گزارنا زم زم کو بہت اچھا لگتا تھا۔ زم زم جو بھی فرمائش کرتی انزل فوراً پوری کر دیتا۔ کسی نے انہیں بتایا تھا کہ پنڈی میں ایک بہت کرامت والے بزرگ ہیں یہی وجہ تھی کہ انزل اور زم زم پنڈی گئے تھے مگر وہاں اُن کے ساتھ برے عجیب اور خطرناک واقعات ہوئے تھے۔

گو کہ انزل کا علاج کافی دفعہ کروایا گیا تھا کبھی اسے ماہر نفسیات کو دکھایا جاتا تو کبھی روحانی علاج کروایا جاتا۔ اس کی ساری رپورٹس ٹھیک تھیں جسمانی طور پر اسے کوئی بیماری نہیں تھی۔ مگر جو کچھ اس کے ساتھ ہوتا تھا کوئی ایسے نفسیاتی بیماری کہتا کوئی اعصابی کمزوری کہتا اور کوئی آسیب زدہ کہتا۔

جوں جوں وقت گزرتا جا رہا تھا انزل کی بیماری اور زم زم کی پریشانی بڑھتی جا رہی تھی۔ وہ اکثر سوچتی کہ آخر انزل کی شادی کیوں کی گئی انہیں چاہیے تھا کہ پہلے اس کا علاج کرواتے۔ مگر اب وہ کیا کر سکتی تھی سو وہ اپنی قسمت آزمانے پنڈی اپنے شوہر کا علاج کروانے آئی تھی۔

یہاں وہ پرانے رشتہ داروں کے گھر ٹھہرے

WAQAR AZEEM www.pakistanipoint.com

تھے۔ پنڈی چونکہ پہاڑی علاقہ ہے اور بابا جی کا آستانہ بھی پہاڑوں میں کافی اونچائی پر تھا۔ وہاں تک پہنچتے ہوئے انہیں کافی دقت ہوتی تھی۔ انزل نے سفر کے حقائق سمجھتے ہوئے اپنے ساتھ پستول رکھا ہوا تھا انزل کی امی نے انہیں سمجھا دیا تھا کہ ان دونوں کو ہر وقت چوکنا رہنا ہوگا زم زم ہر وقت قرآنی آیات کا ورد کرتی رہتی تھی انزل گاڑی بہت احتیاط سے چلاتا تھا۔

یہاں راستے بہت خطرناک تھے کبھی بلندی آجاتی اور کبھی گہرائی۔ آستانے کی طرف جاتے ہوئے زم زم گاڑی کی پچھلی سیٹ پر بیٹھی تھی وہ ارد گرد کے مناظر دیکھنے میں محو تھی۔ اچانک اسے اپنے پاؤں میں کوئی چیز رینگتی ہوئی محسوس ہوئی اس نے جھک کر نیچے دیکھا تو اس کی چیخ نکل گئی ایک بہت بڑا کالا ناگ رینگتا ہوا اوپر آرہا تھا۔

انزل نے بریک لگائے اور اس سے پہلے کہ وہ پیچھے مڑ کر دیکھتا ناگ نے اس پر حملہ کر دیا تھا وہ زم زم کی چیخ کا مطلب سمجھ چکا تھا ناگ نے ابھی اسے ڈسا نہیں تھا اس نے اپنا پستول اٹھایا اور ناگ پر گولی چلا دی۔ وہ ناگ وہیں ڈھیر ہوگیا تھا ناگ کو ٹھکانے لگانے کے بعد وہ لوگ دوبارہ سے آستانے کی طرف روانہ ہوگئے۔ بابا جی نے انہیں بتایا کہ انزل کے اوپر جنات کے پورے خاندان کا سایہ ہے۔

وہ دونوں گھر آگئے تھے آدھی رات کو زم زم کو پیاس لگی تو وہ پانی پینے کے لیے اٹھی اس نے دیکھا انزل بستر پر نہیں ہے۔ ہر طرف تلاش کرنے کے بعد اس نے گھر والوں کو اٹھا دیا اور خود اوپر کی طرف بھاگی کیونکہ انزل اکثر خودکشی کی کوشش کرتا تھا مگر جب ہوش میں آتا تو مکر جاتا

کہ اسے کچھ پتہ نہیں۔

اس نے دیکھا کہ پانی کی ٹنکی کا ڈھکن کھلا ہوا تھا اور پانی ٹنکی سے گر رہا تھا زم زم آگے بڑھی اور ٹنکی کے اوپر چڑھ گئی انزل ٹنکی کے اندر گرا ہوا تھا اس کے پاؤں اوپر کی طرف تھے اتنی دیر تک سب گھر والے بھی اوپر آ چکے تھے۔ بڑی مشکلوں سے اس کو باہر نکالا گیا ابھی اسے موت کی آخری ہچکی نہیں آئی تھی اسے الٹا لٹا کر اس کے جسم سے پانی نکالا گیا۔

آج اس نے بابا جی کو تمام واقعہ سنانا تھا۔ اب وہ پھر سے بابا جی کے آستانے کی طرف رواں تھے۔ زم زم کو اس تھوڑے سے عرصے میں ہی انزل سے شدید محبت ہو گئی تھی انزل بھی اسے ٹوٹ کر چاہتا تھا وہ دونوں کھل کر جینا چاہتے تھے مگر انزل کی بیماری نے ان کی زندگیوں کو گرہن لگا دیا تھا۔ زم زم کو لگتا تھا کہ وہ ہمیشہ سے انزل کے ساتھ ہی رہتی آ رہی ہے۔

انزل گاڑی کے شیشے سے زم زم کو دیکھ رہا تھا اور وہ مسکرا رہی تھی انزل بھی مسکرا رہا تھا مگر اس کی مسکراہٹ زم زم کو بہت عجیب سی لگ رہی تھی۔ اچانک گاڑی بہت زور سے اچھلی زم زم ڈر گئی اس نے انزل کو ٹہوکا دیا اور بولی۔

''گاڑی احتیاط سے چلائے۔'' مگر انزل مسکرائے ہی جا رہا تھا زم زم سمجھ گئی کہ انزل دوبارہ سے دورے کی کیفیت میں ہے۔ زم زم نے گاڑی کی بریک لگائی گاڑی ایک جھٹکے سے رک گئی۔ وہ گاڑی سے اتر آئی انزل بے ہوش ہو چکا تھا۔ زم زم کو ڈرائیونگ آتی تھی وہ بہت مضبوط اعصاب کی لڑکی تھی اس نے انزل کو ہوش میں لانے کی بہت کوشش کی مگر وہ ہوش میں نہ آیا شاید ٹنکی میں الٹا گرنے کی وجہ سے اس کے ذہن پر اثر ہو گیا ہے۔

زم زم نے سوچا اس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔

''آخر یہ کیا ماجرا ہے۔'' وہ اپنے انزل کو جب بھی اس طرح تکلیف میں دیکھتی آنسو اس کی آنکھوں سے رواں ہو جاتے۔ اس نے پہلے کہ وہ گاڑی میں بیٹھ کر دوبارہ روانہ ہوتی اس نے دیکھا وہی کالا ناگ گاڑی کے اوپر پھن اٹھائے کھڑا تھا یہ تو وہی ناگ ہے زم زم نے سوچا۔

خطرناک علاقہ ہونے کی وجہ سے انزل پستول ساتھ لے کر آتا تھا زم زم پستول لینے کے لیے جیسے ہی حرکت کرتی وہ ناگ فوراً حملہ کرنے کو ہوشیار ہو جاتا وہ بڑے غصیلے انداز میں حملہ کرنے کو تیار تھا اچانک زم زم کو ترکیب سوجھی انزل کل جب ٹنکی میں گرا تھا تو تعویذ اس کے گلے سے نکل کر ٹنکی میں گر گیا تھا جسے زم زم نے گھر والوں سے کہہ کر نکلوایا تھا وہ تعویذ زم زم نے اپنے گلے میں پہن لیا تھا کیونکہ بابا جی نے کہا تھا دونوں میں سے کسی کے پاس بھی یہ تعویذ ہونا چاہیے جب تک وہ اُن کے پاس علاج کے لیے آتے ہیں۔

زم زم نے فوری طور پر وہ تعویذ گلے سے نکال کر ناگ کے سامنے کر دیا اور پھر وہی ہوا جو وہ سوچ رہی تھی وہ ناگ غائب ہو گیا تھا اس نے خدا کا شکر ادا کیا اور بڑی مشکل سے انزل کو ہوش میں لائی بابا جی کے پاس جا کر اس نے سب واقعات ان کو سنائے بابا جی نے پانی دم کر کے دیا اور زم زم کو خاص تاکید کی کہ جب انزل سوئے تو وہ جاگتی رہا کرے کیونکہ اس کا دھیان رکھنا لازمی تھا۔ وہ دونوں دم کروا کر واپس آ گئے زم زم نے سوچا آج وہ سوئے گی نہیں اور جاگ کر عبادت کرے گی۔

WWW.PAKSOCIETY.COM
www.pakistanipoint.com

عشاء کی نماز ادا کرتے ہوئے زم کو بھوک کا احساس ہوا۔ انزل تھوڑا سستا کر شاید سو گیا تھا زم زم باورچی خانے میں آئی اور روٹی بنانے کے لیے تین پیڑے بنائے اور فریج سے سالن نکالنے لگی جونہی وہ سالن نکال کر مڑی آٹے کا ایک پیڑا غائب تھا وہ نظر انداز کرتے ہوئے ایک پیڑہ اور بنانے لگی اس کے ذہن میں بار بار خیال آ رہا تھا کہ اس نے تین پیڑے بنائے تھے دو انزل کے لیے اور ایک اپنے لیے پھر اس نے اپنے خیال کو جھٹک دیا۔

وہ روٹی بنا کر اندر آ گئی کہ انزل کو بھی اٹھا دے اس نے پنکھا نہیں چلایا تھا مگر کمرے کا پنکھا چل رہا تھا اتنی سردی میں پنکھا کس نے چلایا انزل کروٹ بدل کر سو رہا تھا انزل ذہنی مریض تو تھا ہی مگر جب وہ ہوش میں ہوتا تو ایسی حرکتیں تو نہ کرتا تھا پہلے پیڑا غائب ہوا تو اس نے سوچا تھا انزل کی شرارت ہے اب پنکھا چل رہا تھا ہوسکتا ہے یہ سب انزل ہی کر رہا ہو زم زم نے کھانا ایک طرف رکھا اور انزل کو اٹھایا انزل اٹھ کر بیٹھ گیا۔

''اچھا کیا تم کھانا لے آئی مجھے بہت بھوک لگ رہی ہے۔'' وہ نارمل سے انداز میں بولا۔ زم زم نے اسے بغور دیکھا اور بولی۔

''تم سو رہے تھے ناں.....''

''ہاں.....'' اس نے جواب دیا۔

''تو پھر وہ روٹی کا پیڑا اور پنکھا.....'' وہ بے ترتیبی سے بولی۔

''میں سمجھا نہیں۔'' انزل حیرت سے بولا۔

''نہیں کچھ نہیں۔'' زم زم نے کہا اور پھر وہ دونوں کھانا کھانے لگے زم زم نے پنکھا بند کر دیا تھا پھر وہ نماز پڑھنے کے لیے جیسے ہی جائے نماز کے پاس آئی جائے نماز وہاں سے غائب تھا زم زم کو جھرجھری سی آ گئی وہ خوف زدہ ہوگئی۔ مگر ابھی تو اس کا امتحان باقی تھا۔

رات کا نجانے کون سا پہر تھا کہ زم زم کی آنکھ لگ گئی اور وہ سوگئی اس کی آنکھ ٹی وی کی آواز سے کھلی تھی وہ اٹھی تو دیکھا انزل لیٹ کر ٹی وی دیکھ رہا تھا۔ وہ صوفے پر نیم دراز تھا زم زم نے شکر ادا کیا کہ کچھ انہونی نہیں ہوئی نجانے کیا ٹائم ہوا تھا وہ پیار سے انزل کی طرف بڑھی مگر جیسے ہی وہ اس کے قریب آئی اس کا منہ کھلا رہ گیا۔

''کیا ہوا؟'' انزل نے پوچھا۔

''تت ..... تت تمہارے بال کہاں گئے؟''

زم زم نے دیکھا انزل کے کافی سارے بال اترے ہوئے تھے اس کے سر پر بالوں کی چند جھاڑیاں سی رہ گئی تھیں حتیٰ کہ اس کی بھنوؤں کے بال بھی غائب تھے۔ زم زم کے حواس جواب دینے لگے تھے وہ رونے لگی۔

''آخر یہ کیا ہو رہا تھا۔'' انزل بھی شدید پریشان تھا نجانے اس کے سر کے بال کیسے اس حال کو پہنچے تھے اب زم زم کا صبر جواب دے چکا تھا اس نے اپنی ساس کو فون کر دیا کہ حالات کوئی بہتر نہیں ہو رہے لہٰذا وہ یہاں نہیں رہنا چاہتی۔'' اس کی ساس بڑی نیک خاتون تھیں انہوں نے اُسے واپس آنے کو کہا تھا۔

وہ دونوں لاہور آ گئے تھے انزل کے گھر والوں نے اس کا علاج ایک ماہر نفسیات سے کروانے کا سوچا تھا جس طرح کے واقعات ہو رہے تھے شاید انزل خود ہی زم زم کو تنگ کرتا ہوگا اس کے گھر والوں نے سوچا تھا۔

'' مگر وہ سانپ کا نکلنا اور وہ ٹنکی والا واقعہ.....'' زم زم کو پھر زور سے چکر آیا تھا مگر کیا

WWW.PAKSOCIETY.COM
www.pakistanipoint.com

کرتی' ڈاکٹر نے کہا تھا کہ اسے نفسیاتی مسئلہ ہے کوئی غیبی طاقت کوئی جن بھوت نہیں ہے اس نے انزل کو دوا دے دی تھی۔ زم زم روزانہ اسے دوا کھلاتی تھی انزل اب بہتر ہو رہا تھا زندگی میں کچھ سکون آیا تھا ایک فارن کمپنی سے انزل کو نوکری کی آفر ہوئی تھی۔ اس کے گھر والے بھی خوش تھے کسی نے کہا تھا کہ اگر سات دریا یا سات سمندر پار کر لیے جائیں تو آسیب کے اثرات بھی ختم ہو جاتے ہیں۔ زم زم بہت خوش تھی کہ اب زندگی میں راحتیں اور مسرتیں ہی ہوں گی تین ماہ کے بعد انزل نے اس کو اپنے پاس بلانے کا وعدہ بھی کیا تھا۔

اگلے دن انزل کی روانگی تھی اس کی فلائٹ کا ٹائم بارہ بجے کا تھا زم زم صبح ہی اٹھ گئی تھی تمام گھر والے بہت خوش تھے۔ زم زم جلدی جلدی میز پر ناشتہ رکھ رہی تھی۔ انزل نہا رہا تھا سب ناشتے پر اس کا انتظار کر رہے تھے۔

''انزل نے کافی دیر کر دی ہے؟'' اس کی ساس نے کہا۔

''میں دیکھ کر آتی ہوں۔'' زم زم نے جواب دیا وہ کمرے میں آ گئی اور باتھ روم کا دروازہ بجانے کے لیے آگے بڑھی اسے عجیب سا احساس ہوا تھا باتھ روم کا دروازہ تو کھلا تھا۔ اس کی نظر اوپر کی طرف اٹھی۔ اس کی چھت کافی اونچی تھی۔

زم زم نے جیسے ہی اوپر دیکھا اس کے حلق سے خوفناک چیخیں نکل گئیں۔ تمام گھر والے اس کی چیخوں کی آوازیں سن کر اندر بھاگے تھے۔ انزل پنکھے سے لٹکا ہوا تھا۔ چھت تو بہت اونچی تھی آخر وہ پنکھے سے کیسے لٹک گیا۔ تمام گھر والے روتے چیخ و پکار کرتے ہوئے اسے نیچے اتار رہے تھے۔

زم زم کی حالت نازک ہو رہی تھی وہ روئے جا رہی تھی اور خود کو مارے جا رہی تھی شاید انزل زندہ تھا یا کہ مر چکا تھا بڑی مشکل سے اس کے بھائیوں نے اسے نیچے اتارا تھا مگر اب بار تقدیر کو کسی پر رحم نہ آیا تھا انزل مر چکا تھا۔

اُس کی سانسوں کی ڈور ختم ہو چکی تھی۔ پورے گھر میں کہرام مچ گیا تھا۔ جوان موت پر ہر آنکھ اشکبار تھی زم زم بے ہوش ہو چکی تھی۔ نجانے یہ خودکشی تھی یا آسیبی طاقتوں نے اسے ٹھکانے لگا دیا تھا کون جانے یہ روحانی بیماری تھی یا نفسیاتی؟ انزل کو کس نے مار ڈالا تھا یہ کبھی پتہ نہ چل سکا۔ آخر کون تھا جس نے اُس کو مار دیا؟ اگر یہ خودکشی تھی تو خودکشی کیوں کی تھی انزل نے؟ وہ تو اپنی زندگی سے خوش تھا نجانے کیا ہوا تھا شاید اس پار کچھ ایسی طاقتیں کچھ ایسی آفات ہوتی ہیں جو انسان کی نظر کے 'اُس پار' ہیں۔

مشاہدہ

ایک پروفیسر صاحب نے مشاہدے کی اہمیت پر زور دینے کے لئے طالب علموں کے سامنے ایک کپ میں مٹی کا تیل' کیسٹر آئل اور روئی ملائی۔ پھر انہوں نے ایک انگلی اس محلول میں ڈال کر چوسنا شروع کر دی۔ اس کے بعد انہوں نے یہ کپ اپنے طالب علموں کو دے دیا کہ وہ بھی باری باری اسی طرح اپنی انگلی ڈبو کو چوسیں۔ تھوڑی دیر بعد پوری کلاس کے لڑکوں کے منہ بگڑ گئے۔ زبانوں پر چھالے پڑ گئے۔ پروفیسر کو یہ دیکھ کر سخت غصہ آیا۔ ''کم بختو! یہی تو تمہارے مشاہدے کی کمی ہے۔ دیکھا نہیں تھا کہ میں نے جو انگلی ڈبوئی' اس کے بجائے دوسری انگلی منہ میں ڈال کر چوسی تھی۔'' (حمزہ نوید۔کراچی)

WAQAR AZEEM
www.pakistanipoint.com

1987ء سے خدمت میں مصروف

پھلبہری

LEUCODERMA-VITILIGO

سفید داغ قابلِ علاج مرض ہے

تمام جلدی بیماریوں کا موثر اور بے ضرر علاج

STEROIDS FREE MOST PROGRESSIVE TREATMENT

ملٹی ایوارڈ ہولڈر

اجمل زیدی (ماہر برص) کے صاحبزادے اقدس زیدی

کے دورہ پاکستان کا مستقل پروگرام

ASIAN EXCELLLENCE PERFORMANCE AWARD

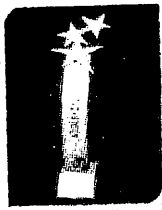

AWARD
BEST ACHIEVEMENT

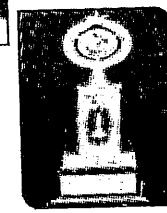

AWARD
PILLAR OF LEUCODERMA

اسلام آباد

9-اپریل تا 30 مئی
9-اگست تا 30 ستمبر
9-دسمبر تا 30 جنوری

مستقل پتا

مکان نمبر 62، اسٹریٹ نمبر 20، سیکٹر G-8/1
ستارہ چوک (تعلیمی چوک) اسلام آباد
فون: 051-2331725
موبائل: 0300-8566188

لاہور

14-فروری تا 27 فروری
14-جون تا 27 جون
14-اکتوبر تا 27 اکتوبر

قیام

گلف سینٹر
تھرڈ فلور - فیروز پور روڈ
مزنگ چونگی نزد الائیڈ بینک لاہور
موبائل: 0300-8566188

پشاور

یکم فروری تا 11 فروری
یکم جون تا 11 جون
یکم اکتوبر تا 11 اکتوبر

قیام

ہوٹل امین
جی ٹی روڈ نزد ہشتنگری چوک پشاور شہر
موبائل: 0300-8566188

ملتان

28-مارچ تا 6 اپریل
28-جولائی تا 6 اگست
28-نومبر تا 7 دسمبر

قیام

ہوٹل سلور سینڈ
ریلوے روڈ، نزد چوک عزیز ہوٹل ملتان
فون: 62-4518061(061)
موبائل: 0300-8566188

کراچی

13-مارچ تا 27 مارچ
13-جولائی تا 27 جولائی
13-نومبر تا 27 نومبر

قیام

فورچون سینٹر
آفس 706، 7 فلور، شاہراہ فیصل
نرسری اسٹاپ بالمقابل K.F.C کراچی
فون: 021-34328080
موبائل: 0300-8565188

E-Mail:syedajmalzaidi@hotmail.com - syedajmalzaidi@yahoo.com.uk

WAQAR AZEEM
www.pakistanipoint.com

ایسی خوفناک تحریر جو رگوں میں لہو جما دے گی

برہمن زاد

اَن گنت چونٹے چمٹے اس کے گوشت

میں گھس کر اس کو پنجر بنا رہے تھے.....

عالی مان آفاقی

برہمن ہندو جاتی میں اتم ذات ہوتا ہے، جس کی برابری کوئی نہیں کر سکتا۔ ہندوؤں میں یہ سب سے اونچی ذات ہوتی ہے۔ پنڈت، پروہت اور ویدوں، شاستروں اور اپنشدوں کے عالم فاضل لوگ اسی ذات سے تعلق رکھتے ہیں۔ بچپن سے لے کر چتا کی آگ میں جلنے تک جو جو تعلیمات انہیں دی جاتی ہیں، یہ سختی سے اس پر عمل پیرا ہوتے ہیں۔

اتم ذات والے پیاس سے مر جاتے ہیں، لیکن خود سے نیچی ذات والے کسی گھر کا پانی تک نہیں پیتے۔ یہ بات میں نے سنی تو بہت تھی لیکن کبھی مشاہدہ نہیں ہوا تھا۔

یہ دہلی میں میری آمد کے ابتدائی دن تھے۔ میرے شوہر زعیم کی پوسٹنگ واہگہ کسٹم پوسٹ پر بطور کسٹم سپرنٹنڈنٹ حال ہی میں ہوئی تھی۔ قریب پریت نگر میں رہنے کو مکان مل گیا تھا، لیکن گھر میں پانی کی شدید پریشانی تھی۔ گھر میں کوئی ہینڈ پمپ یا نلکا وغیرہ نہیں تھا کہ جس سے زندہ رہنے کا سامان کیا جاتا۔ یہاں آمد نئی تھی، یہ بجرنگوں کا دیس تھا، میرے شوہر زعیم پہلے سے ہی یہاں کے تھے۔ وہ اپنی گریجویشن کے بعد سے ہی واہگہ کسٹم پوسٹ پر بطور کسٹم سپرنٹنڈنٹ فائز تھے۔ ابھی میں بچپن کی یادوں کو سرمایہ سمجھ کر ذہن کے کسی گوشے میں سنبھال کر رکھ نہ پائی تھی کہ میری سوچوں کے سارے تختے سیاہ ہو گئے تھے۔

بچپن کی یادوں میں مزید ان پر ایک لفظ بھی نہیں لکھا جا سکتا تھا۔ اپنی روزمرہ کی کھیل کود اور لاابالی پن میں ہی میں غیر محسوس طور پر بلوغت کی حد کراس کر آئی تھی۔ کھیل، ساتھی اور یار انے سب چھوٹے اور میں زعیم کا دامن تھام کر بجرنگوں کے اس دیس میں چلی آئی۔

زعیم نے دہلی میں آمد کے پہلے روز ہی آفس کے لیے نکلتے ہوئے مجھ سے پانی کا سلسلہ کرنے کے لیے مزدور بھیجنے کا کہہ دیا تھا۔ مجھے سارا دن گھر میں اکیلے رہنا تھا۔ یہ پاکستان بننے سے پہلے کی بات ہے۔ ابھی تک قرارداد بھی منظور نہیں ہوئی تھی۔ اس علاقے میں فسادات کا بالکل نام و نشان نہیں تھا۔

WAQAR AZEEM
www.pakistanipoint.com

امن ہی امن نظر آتا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ زعیم کسی بھی قسم کا خطرہ محسوس کیے بغیر اکیلا مجھے گھر چھوڑ جاتے تھے۔ ہمارے ہمسائے کے دو چار گھر سکھ برادری سے تعلق رکھتے تھے اور زعیم کی ان سے گاڑھی چھنتی تھی۔

وہ شروع سے ہی اس کے دکھ سکھ میں شریک تھے۔ زعیم کے آفس جاتے ہی دو چار عورتیں احوال پرسی اور آپسی گفتگو کے لیے میرے گھر آجاتی تھیں۔ میرا پہلا دن غضب کی ایک گرنتھی بڑھیا کے ساتھ گزرا تھا۔ اس کی بات گرنتھ سے لے کر گرنتھ پر ختم ہو جاتی تھی۔

برصغیر ہندوستان میں مسلمانوں کے یارانے زیادہ تر سکھوں کے ساتھ تھے۔ سب ایک دوسرے کی رگ رگ سے واقف تھے۔ گھروں میں آنا جانا ہوتا اور کوئی بات بھی راز نہ رکھی جاتی۔ مکار بنیے نے اپنی دشمنی کی ''دال'' سے ہی سکھوں کو اپنی چال کی گرفت میں لیا تھا اور مسلمانوں کے دکھ شریک اور ہمدم دیرینہ کے ذریعے ہی گھروں میں گھسا۔ پھر جو رقص کناں موت کے ہاتھ ہمارے دامن دامن تک پہنچے تو سب سے زیادہ کوشش سکھوں کی طرف سے ہی کی گئی تھی۔

ہمراز بدل گئے تھے اور راز راز نہ رہے تھے۔ یارانے ایسے اجڑے کہ آج تک پاکستان کی تاریخ اپنے ساتھ سکھوں کے ظلم وستم یادوں میں اپنے ساتھ لے کر آتی ہے اور کسی کے کہنے میں نہ آنے کی پہچان رکھنے والے سکھ آج تک اپنی حرکت پر شرمندہ ہیں۔

بہر حال میں اصل مدعا کی طرف واپس آتی ہوں۔ پہلے دن میں نے ساتھ والے گرنتھیوں کے گھر سے پانی کا استعمال کیا اور گھر کے کام کاج میں

WAQAR AZEEM
www.pakistanipoint.com

کوئی پریشانی نہ ہوئی۔ شام کو جب زعیم آفس سے واپس آئے تو ان کے ساتھ نلکا لگانے کا سامان تھا جو کہ دو آدمیوں نے مل کر اٹھایا ہوا تھا۔ حلیے سے وہ مفلوک الحال لگتے تھے۔ سینے کی ہڈیاں پتلی بنیانوں کے اندر سے نظر آ رہی تھی۔ پچکے گالوں کے اوپر بجھی ہوئی پیلی آنکھیں ان کے تھک جانے کا کا پتہ دے رہی تھی۔ زعیم نے گھر کے ایک کونے میں سامان رکھوایا اور مجھ سے پانی لانے کا کہا۔

زرینہ' پہلے پانی لاؤ۔ پھر چائے کے ساتھ ان کے لیے کچھ میٹھا یا نمکین تیار کرتے ہیں، صبح صبح یہ نلکا لگانے آئیں گے۔

دونوں نے حیران ہو کر عجیب نظروں سے ہماری طرف دیکھا تھا۔ ان کی نظروں کے خلا میں انہونی کے ڈراؤنے اندھیرے بھر گئے۔ وہ ہمارے اخلاق سے متاثر نہیں ہونا چاہتے تھے مگر یہ ان کے بس میں بھی نہیں ہو رہا تھا۔ ان میں سے ایک جو بڑی عمر کا تھا، نے عاجزانہ انداز میں میرے سامنے ہاتھ جوڑ دیے۔

''میم صاحب اسے تو بخار ہے۔ یہ کچھ نہیں کھائے گا۔''

''چلو کوئی بات نہیں' میں اس کے لیے نالجین لاتی ہوں، جلد ہی بخار اتر جائے گا۔''

میں نے ہمدردی سے کہا اور کمرے میں جا کر نالجین کی دو گولیاں لے آئی۔ گولیاں اسے دے کر دونوں کے لیے ٹھنڈا پانی لائی۔ مگر بڑی عمر والے نے ہی پانی پیا اور جب جگ واپس کرنے لگا تو میں نے حیران ہو کر دونوں کی طرف دیکھا۔ زعیم نے بھی نوٹ کیا کہ معاملہ کچھ اور ہے۔

''تم نے پانی کیوں نہیں پیا؟ نالجین بھی تم نے کھائی تھی۔'' وہ مریل ٹٹو کی طرح دیوار سے لگ کر ہانپتے دوسرے مزدور سے استفسار کرنے لگے۔

اس نے کھلے منہ اور ادھ کھلی آنکھوں سے ہماری طرف دیکھا اور خاموش بیٹھ گیا۔ اس کی حالت خراب تھی اور پیٹ کمر کے ساتھ لگ رہا تھا۔

''میم صاحب' میں نے پانی پی لیا۔ کچھ کھا بھی لوں گا، مگر یہ پنڈت مہاراج اتم جات ہے۔ یہ کچھ نہیں کھائے گا۔''

بڑی عمر کے مزدور نے ہاتھ جوڑ کر وجہ بیان کی اور نظریں جھکائے بیٹھ رہا۔

''مگر یہ نالجین تو اسے کھلا دو پانی کے ساتھ۔''

زعیم نے اب کہ کچھ سخت لہجے میں کہا تھا۔ مگر میں نے دیکھا کہ وہ نالجین اپنے کانپتے ہاتھوں سے کندھے سے لٹکے میل میں اٹے انگوچھے کے پلو سے باندھ رہا تھا۔

''یہ گھر جا کے کھا لے گا۔ میں نے بتایا ہے کہ یہ پنڈت مہاراج اور اتم جات ہے۔ پانی بھی اپنے گھر کا پیے ہے۔''

اس کے لہجے کی برہمی سے کچھ اخذ نہ کرتے ہوئے میں اندر چلی گئی۔

''اچھا چلو تم دور سے آئے ہو۔''

''یہ بوتل میں پانی میں تمہارے ساتھ کر رہا ہوں۔ ہوں پیاس لگنے پر پی لینا اور ہاں صبح ذرا جلدی آنا۔''

زعیم نے انہیں روانہ کرتے ہوئے چھوٹے سے گیلن میں پانی ڈال کر بڑی عمر والے مزدور کو دیا اور ان کے جانے کے بعد دروازہ بند کر دیا۔

☆......☆......☆

شام کے سرمئی دھندلکوں میں جیسے ہی رات کی سیاہی غالب آئی، آسمان کالے بادلوں سے ڈھک گیا۔ ایک دم سے زوردار آواز سے بجلی چمکنے لگی، جس کی تڑپن سے آسمان کے جسم سے لپٹے بادل ادھڑے کپڑے کی طرح ہوا کے دوش پر تیر کر گوشے

WAQAR AZEEM
www.pakistanipoint.com

گوشے میں پھیلنے لگے تھے۔ موسلا دھار بارش شروع ہوگئی۔ زمین پر جل تھل ہونے لگا۔ رات کے سناٹے میں بارش کی آواز سن کر لگتا تھا کہ پانی کا زور ٹوٹتے ٹوٹتے کہر بار افق پر ابر کے قافلوں کے لب و رخسار سرخ ہو جائیں گے۔

یہ صبح تک برستی رہ جانے والی بارش تھی۔

ہمارے آس پاس کا علاقہ آباد کم، بیابان زیادہ تھا۔ چند گھروں، ایک مارکیٹ، ایک لنگر خانہ، ہسپتال پوسٹ آفس اور ایک بینک..... ایک اسکول اور ایک کالج پر مشتمل تھا یہ شہر۔

غیر آباد جگہوں پر جنگل بیابان ملتے تھے۔ کہیں کہیں میلوں پھیلے کہنہ آثار ملتے تھے، جو امتداد زمانہ سے ٹوٹ پھوٹ کا شکار تو تھے ہی، ناقابل رہائش ہونے کی وجہ سے مٹی سے اٹ بھی چکے تھے۔ دوران سفر مجھے ایک دو جگہ پر لق و دق سنہری جھیل جیسے ریت کے دریا بھی ملے تھے۔ ان تمام لوازمات کی موجودگی اور ترقی یافتہ رجحان یہاں نہ ہونے کی وجہ سے یہ علاقہ دوسرے علاقوں کی بہ نسبت قدرے گرم تھا۔

لوگ بارش کے لیے ترستے رہ جاتے تھے۔ جب بارش ہوتی تو پریت نگر، پریت نگر نہ رہتا، بلکہ کسی اسٹیشن کا منظر پیش کرنے لگتا۔ سب بارش میں بھیگنے کے لیے گھروں سے نکل آتے۔ بھانت بھانت کی بولیاں، بھانت بھانت کی آوازیں اور چیخ و پکار..... لوگوں کا بھاگنا دوڑنا..... کہیں کہیں پھیلے بن کے زمرد گھاس پر ترپال بچھا کر بیٹھے محفلیں کرنا، یہ منظر سہانے ہوتے تھے۔ لیکن اب جب بارش ہو رہی تھی رات کا وقت تھا۔ سب لوگ گھروں میں دبکے ہوئے تھے۔

آسمان پر بجلی تڑپی اور زوردار گونج مجھے اپنے دل تک میں سنائی دی۔ ہم اندر برآمدے میں چارپائی ڈال کر سو رہے تھے۔ بارش چاہے زوروں کی برس رہی تھی مگر جون کا حبس اپنی جگہ برقرار تھا۔ زعیم پہلو پر پہلو بدل رہے تھے۔ اچانک آسمان پر زور کا کڑاکا ہوا اور بجلی نے لپک کر نیچے کا سفر کیا۔ نزدیک کا بن لرزا تھا شاید۔

میں نے دیکھا۔ ہماری شمالی سمت رات کے اندھیرے میں مزید سیاہ ہو رہی تھی۔ آسمان کی سیاہ دلہن کے ماتھے کا چاند بادلوں کے گھونگٹ میں چھپا تھا۔ اچانک مجھے لگا جیسے پوری کائنات تاریک ہوگئی ہو..... یا جیسے بجلی کے اسی ایک کڑاکے نے میری بصارت زائل کر دی ہو۔

''اللہ اکبر.....'' بے ساختہ زعیم کے منہ سے نکلا اور وہ با آواز بلند قرآنی آیات کا ورد کرنے لگے۔

ابر بار آسمان اس خاموش شہر پر کسی تاریک گنبد کی طرح چھایا ہوا تھا۔ ہاتھ کو ہاتھ سجھائی دینے تک کی روشنی بھی نہیں تھی۔ آسمانی بجلی قریبی جنگل پر گری تھی اور بارش میں بھیگا جنگل سلگنے لگا تھا۔ یہ سیاہ دھوئیں کا پھڑ پھڑاتا عفریت وہیں سے اٹھ رہا تھا، جس نے تاریک رات کو مزید تاریک کر دیا تھا۔

جب بھی بجلی چمکتی، آس پاس کے سائے اپنے قد سے طویل نظر آنے لگتے اور ساتھ ہی ایک دو چیخیں سنائی دیتیں۔ جنگلی گیدڑ ہوکنے لگتے تھے اور کبھی کبھی کسی بڑے جانور کی غراہٹ سے فضا سہم جاتی۔ سایوں کا نظر آنا آسمان پر بجلی کے تادیر تڑپتے رہنے کا گواہ تھا۔

میری اور زعیم کی پوری رات ذکر کرتے اور آیات کا ورد کرتے گزری تھی۔ رات کی چیختی تاریکی انجانے سے ایک خوف میں ملبوس رہی تھی۔ ایک ہلکی سی کراہ رات بھر میرے کانوں میں گونجتی رہی۔ احتیاط کے پیش نظر اس کراہ کا ذکر میں نے زعیم سے نہ کیا۔ ایسا لگتا تھا جیسے گھر کے دروازے کے باہر کوئی

WAQAR AZEEM
www.pakistanipoint.com

خستہ حال انسان گرا ہوا ہو۔ بجلی چمکتی، درمیان میں وقفہ آتا اور درمیان میں کھوکھلی سی کھانسی اور کراہ.....

اپنے اردگرد کو بھی سیاہ دلائی اوڑھ کر برستی بوندوں میں کانپتا محسوس کر کے میں دبکی رہی۔ تاریک رات صبح کے دامن پر سقراط کے مراحل سے گزرنے لگی۔ یہاں تک کہ بادلوں کا لباس آسمان کے جسم سے پھٹ گیا۔ چاند نکل آیا تھا۔ آس پاس کی خاموشی کافور ہوگئی۔ جھینگروں کا راگ شروع ہوا تو مچھروں نے ستانا شروع کر دیا۔

شکر کا ٹھنڈا سانس بھر کر میں نے آہستگی سے زعیم کا بازو ہلا کر متوجہ کرنا چاہا ہی تھا کہ کراہ گونجی۔ خوف کا سرد احساس میرے رگ و پے میں اترتا چلا گیا۔ میرے تنفس کا حجم بڑھ گیا۔ مجھے دھند لکے کے اس مختصر وقفے میں اچانک ہر چیز سفیدی میں نہائی دکھائی دینے لگی۔

میں نے واپس پہلو بدلا اور آسمان کی طرف میری نظر گئی۔ کوئی سفید براق چیز آسمان پر پرواز کرتی ہوئی گزری تھی جو..... جو انسانی ہیولے کی مانند لگ رہی تھی۔ پروں کی پھڑپھڑاہٹ مجھے واضح سنائی دی تھی۔ زعیم بھی ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھے۔ ہلکی کراہیں بدستور آرہی تھیں اور اچانک بگل بجنے کی آواز آنے لگی۔ زمین یوں لرزی جیسے ہمارے پاس سے ہی کوئی لشکر گزر رہا ہو۔

''مجھے معاف کر دو..... معاف کر دو..... آئندہ ایسا نہیں کروں گا۔''

کوئی بلند آواز میں چیخ چیخ کر دہائیاں دینے لگا۔

جواب میں چند لمحے ہتھیاروں کی جھنکار گونجتی رہی۔ پھر اچانک ایک فلک شگاف انسانی چیخیں گونجنے لگیں۔ جیسے کسی پر یکے بعد دیگرے گرز برسائے جا رہے ہوں۔ زعیم اٹھ کر دروازے کی طرف بھاگے اور دروازہ کھول دیا۔ میں نے بھی دروازے کے پاس مہندی کی باڑھ کی اوٹ میں چھپ کر کھلے دروازے سے سڑک پر نظریں جما دیں۔ لیکن کچھ نظر نہ آسکا۔ ہتھیاروں کی چھنچھناہٹ، گھوڑوں کی ٹاپیں اور ان گنت قدموں کی چاپ سنائی دینے لگی۔ جیسے کوئی لشکر اپنے جنگی سامان کے ساتھ ہمارے دروازے کے پاس سے گزر رہا ہو۔

میں نے ڈر کر زعیم کا بازو جکڑ لیا۔ زعیم نے بھی جلدی سے دروازہ بند کیا اور دیوار کے ساتھ لگ کر کھڑے ہوگئے۔ ان کا سانس دھونکنی کی طرح چلنے لگا تھا۔ کافی دیر اس واقعے کے ٹرانس میں رہ کر ہم نماز پڑھ کر اپنے معمولات میں لگ گئے تھے۔

☆.....☆.....☆

صبح ہوتے ہی پڑوس کی دو دو سردارنیاں مجھ سے ملنے آگئیں۔ اس سے پہلے کہ میں ان سے رات والے واقعے کا ذکر کرتی، بڑی سردارنی جلدی جلدی بتانے لگی۔

''رات تو ہم سب نے وہ گورو کی کرپا سے ساری رات گرنتھ صاحب کے اشلوک پڑھ پڑھ کر گزاری ہے۔''

''نوں ایں! ڈریں نا گرنتھیاں نوں رات توں ای بٹھایا ہویا اے۔ یعنی بہو ڈرنا نہیں ہم نے گرنتھیوں کو رات سے ہی پاٹھ کرنے کے لیے بٹھایا ہوا ہے۔''

ان سردارنیوں کا خیال تھا کہ یہ علاقہ صدیوں سے جنگ و جدل کا میدان رہا ہے۔ اور جو حملہ آور یہاں وارد ہوتے تھے، اسی علاقے سے جنگ و جدل کرتے ہوئے گزرتے تھے۔ یہاں بہت سے سورماؤں کا قتل ہوا تھا۔ جن کا کسی نے انتم سنسکار تک نہیں کیا تھا اور ان کی آتمائیں یہاں بھٹکتی پھرتی تھیں۔''

WWW.PAKSOCIETY.COM
www.pakistanipoint.com

زعیم نے ان کی گفتگو میں حصہ لیا تھا اور اس بارے میں اپنے بھی کچھ خیال پیش کرنے کے بعد سردارنیوں کو میرا خیال رکھنے کا کہا اور آفس کے لیے نکل گئے۔ رات والا واقعہ میرے ذہن کی سطح سے چپک کر رہ گیا تھا۔ مجھے کچھ بھی اچھا نہیں لگ رہا تھا۔ پڑوس کی سردارنیاں میرے پاس ہی بیٹھی رہی تھیں۔ گفتگو کے درمیان ان کی آوازیں مجھے دور افتادہ کسی مقام سے آتی محسوس ہو رہی تھیں۔ انہوں نے میری غائب دماغی کو محسوس کیا اور میری دلجوئی کے لیے بڑی سردارنی کہنے لگی۔

”چل نوں ایں...... تینوں نال اک مزار تے لے چلاں۔ جی اچھا ہو جاوے گا۔“

میں نے چونک کر اس کی طرف دیکھا۔ اس کی آنکھوں میں واضح طور پر میرے لیے دکھ اور پریشانی جھلک رہی تھی۔ ایک رات کی دلہن...... جو نجانے کیا کیا خواب سجائے سرحدوں کے پار اپنا سب کچھ چھوڑ کر آئی تھی، اس کی یہ درگت بنتی دیکھ کر وہ خود حساس ہو رہی تھیں۔ میری بھی آنکھوں میں تشکر سمٹ آیا۔ مجھے خود بھی سکون کے لیے کسی ایسے گوشے کی تلاش تھی کہ میں کچھ دیر کے لیے اپنی پریشانیوں اور وجود کا احاطہ کیے انجانے ایک خوف سے غافل ہو جاؤں۔

”جی آپ کا شکریہ۔ ہم ابھی چلتے ہیں۔“

میں نے چادر لینے کو اٹھتے ہوئے کہا تھا۔ سردارنیوں نے مجھے مزار پر چھوڑ کر واپس آ جانا تھا۔ حاضری کے بعد واپس میں اکیلی آ سکتی تھی۔

☆......☆......☆

یہ علاقہ رات ہوتے ہی ایک انجانے خوف سے ایسے ہی نہیں ہو کنے لگتا تھا۔ مزار کی طرف جاتے ہوئے مجھے راستے میں زمانہ قدیم کی محل سرا نما عمارتیں نظر آئیں، جن کی دیواریں، چھتیں اور برجیاں نہایت بوسیدہ ہونے کے باوجود باقی تھیں۔ لمبی لمبی راہداریاں، غلام گردشیں، مہمان خانے اور اور بڑے بڑے حال اس گردش دوراں میں کھڑے قرنوں کی کہانیاں کہہ رہے تھے۔ یہ سب دیکھ کر مجھے سردارنیوں کی بات سے اتفاق ہو گیا تھا کہ یہ علاقہ صدیوں سے جنگ و جدل کا میدان رہا تھا اور کسی راجہ کی حکومت میں گہما گہمی بستا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ قدیم زمانے کی منہدم ڈیوڑھیاں گم گشتہ زمانے کی عظمت پر نوحہ کناں تھیں۔

مجھے لگا میں پرانے زمانے میں جینے لگی ہوں۔ حالانکہ نئی صدی آ چکی ہے۔ شہر میں اونٹوں کی قطاریں نہیں رہیں۔ ہتھ ٹھیلوں کے گرد سے اٹے دستے سالخوردگی سے ہوا میں لہک گئے ہیں۔ ذرے اڑاتے چلتے چھکڑوں کے نیچے کی زمین نے تارکول کی سڑک پہن لی ہے۔

”مگر......!“

ہر طرف گلابی نظر آتی یک رنگی فضا میں چلتے ہوئے میں ماضی کی قید میں ہوں۔

”ہاں......!“

مجھے لگ رہا ہے کہ جیون جیسے اٹھارہویں صدی میں آنکھیں موندے چل رہا ہو۔

ہمارے گھر سے کوئی سو قدم آگے جا کر جنگل بیابان شروع ہو جاتا تھا۔ اس سے پہلے صدیوں پرانی ایک خانقاہ موجود تھی، جس کی سرخ اینٹوں سے چنی ہوئی اونچی فصیلیں اب ٹوٹ پھوٹ چکی تھیں۔ خانقاہ کے اردگرد بے شمار کھنڈرات دانت نکوسے سائیں سائیں کرتی ہواؤں میں وقت کے تھپیڑے سہہ رہے تھے۔ جب ہم وہاں سے گزرنے لگے تو ہم نے دیکھا، جو بزرگ یا ولی وہاں خوابیدہ تھے، ٹوٹی فصیل سے ان کے مقبرے کا کواڑ آدھا زمین میں دھنسا صاف نظر آ رہا تھا۔ کواڑ کے ایک طرف کالے

WAQAR AZEEM
www.pakistanipoint.com

چیونٹوں کی لمبی ایک قطار جنگل میں جانے والے راستے کی طرف رواں دواں تھی۔ میری نگاہ نے کالے چیونٹوں کی منزل کا کھوج لگایا تو بے ساختہ میرے منہ سے ایک چیخ نکل گئی۔

''کی ہویا نوں ایں؟'' بڑی سردارنی گھبرا گئی تھی۔

''وہ.....وہ وہاں دیکھیں۔''

میں نے جنگل میں جاتے پگڈنڈی نما راستے کی طرف اشارہ کیا۔ جہاں ایک مردہ انسان سے ان گنت چیونٹے چمٹے اس کے گوشت میں گھس کر اسے پنجر بنا رہے تھے۔ آنکھوں کے حلقے چیونٹوں سے بھرے تھے اور کھلے منہ کے خلا نے چیونٹوں کے وجود سے سیاہ ہو کر دانتوں کی سفیدی چھپالی تھی۔ سردارنی نے ہول کھایا اور لرزنے لگی۔ ہم سب خوف سے تھر تھر کانپنے لگیں۔ مزار پر حاضری مجھے بھول گئی۔ تمنا تھی تو یہی کہ ابھی اسی وقت میں یہاں سے بھاگ جاؤں اور میں بھاگ اٹھی۔ میرے قدم اپنے گھر کی طرف اٹھ رہے تھے۔

''نوں ایں رک جا۔ کٹھے چلدے آں۔''

پیچھے دونوں سردارنیاں مجھے آوازیں دیتی آ رہی تھیں۔ میں نے گھر کے دروازے پر جا کے دم لیا۔ وہاں کل والا بڑی عمر کا مزدور پہلے ہی نلکا لگانے کے لیے پہنچا ہوا تھا اور نجانے کب سے ایک چبوترہ نما جگہ پر بیٹھا انتظار کر رہا تھا۔ میری حالت دیکھ کر وہ بھاگا بھاگا میرے پاس آیا اور حیران پریشان مجھے اپنے دلاسوں سے سنبھالنے لگا۔ میرے تالا کھول کر گھر میں داخل ہونے تک دونوں سردارنیاں بھی پہنچ گئی تھیں۔ وہ بھی بھاگنے کی وجہ سے کم اور خوف سے زیادہ کانپ رہی تھیں۔ اچانک وہ زمین پر بچھ بچھ جانے کے انداز میں ہاتھ جوڑے واہ گورو سے کرپا مانگنے لگیں۔

''بڑے بھلے انسان تھے جی پنڈت مہاراج ..... میری ہی غلطی تھی کہ میں نے زبردستی انہیں یہاں کا پانی پلا دیا تھا۔''

نلکا لگانے والے مزدور کی آواز نے جہاں گھر میں داخل ہوتے میرے قدموں کو تھاما وہیں سردارنیوں کے پاٹھ کو بھی بریک لگ گئی۔

''ایہہ تو کی کہہ ریا ایں پراوا؟''

بڑی سردارنی حیرانی سے اس کی طرف گھومی۔ میں نے بھی اپنے قدم روک کر اس کی طرف اپنی گردن کو جنبش دی۔ اس کا سر جھکا ہوا تھا اور آنکھوں سے آنسو ٹپ ٹپ گرنے لگے تھے۔

''جو بندہ آپ جنگل میں مرا ہوا دیکھ کر آ رہی ہیں، وہ کل میرے ساتھ آنے والے پنڈت مہاراج ہیں جی، جنہیں آپ نے ناولین کی گولیاں دی تھیں۔''

اس نے سر جھکائے جھکائے کہا تھا۔ سنسنی کی ایک تیز رو لہر میرے رگ و پے میں چھید ڈالتی گئی تھی۔ میری ٹانگوں نے میرا بوجھ سہارنے سے انکار کر دیا تھا۔ کل پیاس سے بے حال ہوتا مزدور اور اب جنگل میں پڑی اس کی لاش میری نظروں کے سامنے سے جا ہی نہیں رہے تھے۔ بڑی سردارنی بھاگ کر میری طرف آئی۔ آتی مگر تب تک تاریک اندھیاروں نے میرے حواس اپنے غاروں میں کھینچ لیے تھے۔ میں سردارنی کے بازوؤں میں ہی جھول گئی تھی۔

☆.....☆.....☆

مجھے ہوش آیا تو زعیم گھر واپس آ چکے تھے۔ دونوں سردارنیاں بھی میرے پاس ہی بیٹھی تھیں۔ ان کے زرد چہرے دیکھ کر لگتا تھا کہ خوف کے حصار سے وہ بھی نہیں نکلی تھیں۔

''نوں ایں! ڈرنا نئیں۔ گرنتھیاں نوں اک

WAQAR AZEEM
www.pakistanipoint.com

واری فیر بٹھایا اے۔ ہن واہ گرو دی کرپا نال معاملہ ٹھیک ہو جاوے گا۔"

بڑی سردارنی نے مجھے دلاسہ دیتے ہوئے کہا اور میرے پاس آ بیٹھی تھی۔ میرے بے ہوش رہنے کے بعد جو واقعات ہوئے، مجھے سنانے لگی۔ اس کے کہنے کے مطابق میرے بے ہوش ہونے کے بعد قریبی جنگل ان گنت انسانی قدموں اور گھوڑوں کی ٹاپوں سے گونجنے لگا۔

صدیوں سے چمڑوں میں لپٹے نادیدہ ہتھیار چھنچھنا اٹھے اور جنگل میں پڑی لاش کا انتم سنسکار کرنے کے لیے وہاں آنے والے لوگوں کی گردنیں ناپ لی گئیں۔ گرنتھیوں نے پاٹھ کر کے بات نکالی ہے کہ یہ علاقہ واقعی جنگ وجدل کا میدان رہا ہے۔ گرنتھیوں کے پاٹھ کے مطابق اٹھارہویں صدی کے وسط میں ساتھ کی مسلم ریاست اور یہاں کے برہمن ہندو راجہ کے درمیان گذشتہ دس سال پرانی جنگ چلی آ رہی تھی۔ یہاں تک کہ مسلم ریاست والوں نے یہاں چڑھائی کر دی۔ انہوں نے شہر کے دروازے پر کھڑے ہو کر ساتھ مل کر ایک آواز میں چیخ ماری، جو پریت نگر کے کونے کونے میں سنائی دی تھی۔ عورتیں اور کمزور مرد تو اس چیخ کی دہشت سے ہی مر گئے اور میدان جنگ میں کئی سورما آنا فانا ختم کر دیے گئے اور مسلمانوں کی جنگی دہشت کی وجہ سے کسی نے ان کا آخری کریا کرم تک نہیں کیا۔

ان کی لاشیں پڑی پڑی گل سڑ کر ختم ہو گئیں۔ جنگ کے بعد یہ علاقہ مسلمانوں کے قبضے میں آ گیا تھا۔ جو کہ دوبارہ ایک بار پھر جنگ کے نتیجے میں واپس ہندو راجہ نے عارضی شکست کے بعد قبضے میں لے لیا تھا مگر وہ اپنے سورماؤں کا قتل بھولتا نہ تھا اور بھول بھٹک کر آ جانے والے کسی بھی مسلمان کو قتل کرا دیتا تھا۔ پھر زمانے نے ترقی کی۔ راجوں مہاراجوں کی جگہ ہند سرکار نے لے لی۔ زندگی کچھ سہل ہو گئی تھی۔ دشمنیوں کا سلسلہ تھم گیا تھا۔ قوانین میں رہ کر سرحدوں کے آر پار آوک جاوک ہونے لگی، جو کہ اب تک بھی چلی آ رہی تھی۔ گرنتھیوں کے پاٹھ کے مطابق ہم جس گھر میں رہ رہے تھے اس زمین پر اس مسلمان فاتح کی رہائش تھی جس کی سپاہ نے بیک آواز اپنی چیخ سے پریت نگر کو ہلا دیا تھا۔ کل ایک مزدور نے اسی زمین سے نکلا پانی اپنے ساتھی کو نالچین کھلانے کے لیے زبردستی پلا دیا تھا، جو کہ برہمن زادہ ہونے کی وجہ سے وہ نہیں پی رہا تھا۔ وہ اٹھاہویں صدی میں مسلمانوں سے شکست کھا چکے سورماؤں کی اولادوں میں سے تھا۔ برہمن کسی نیچ ذات کے گھر کا پانی تک نہیں پیتے اور اس نے تو اپنے دشمنوں کے گھر کا پانی پی لیا تھا۔ اس کے آنجہانی بزرگوں کی آتماؤں سے یہ بات برداشت نہ ہو سکی اور راستے میں ہی وہ اپنے لشکر سمیت اس پر چڑھ دوڑیں۔ بڑی عمر کا مزدور خوفزدہ ہو کر بھاگ گیا تھا۔ جبکہ برہمن روحیں ایک برہمن زادے کو ساری رات کڑکتی فضا میں اس کی غلطی کی سزا دیتی رہی تھیں۔

"بس نوں ایں۔ ایہہ قصہ اے۔ ہن جنگل وچ کھنڈیاں لاشاں نوں کوئی ہتھ نہیں لاوے گا تے ایہہ علاقہ وی پرسکون راہوے گا۔"

سردارنی دلاسہ دے کر میری کمر تھپکنے لگی۔ مگر میری سماعت میں ایک کراہتی ہوئی آواز گونجتی رہی:

"مجھے معاف کر دو۔ معاف کر دو۔ آئندہ ایسا نہیں کروں گا۔"

زعیم نے آیات پڑھ کر مجھ پر پھونک ماری اور میں نے بے بسی سے آنکھیں موندلیں۔ اگلے دن ہم نے وہ علاقہ چھوڑ دیا اور دہلی کے ہی مضافات میں ایک نیا گھر لے کر اس میں رہائش اختیار کر لی۔

□□.....❁.....□□

WAQAR AZEEM
www.pakistanipoint.com

بے گناہ

میں ہندوستان کی طرف پیٹھ کر کے جہاز کی سیڑھیاں طے کرتا اپنے پیارے ملک پاکستان کی سوندھی سوندھی مٹی کو چومنے بے قراری سے عازمِ سفر تھا.....

ملازم حسین شیرازی

زندگی میں ایسے المناک' دردناک واقعات سے واسطہ پڑتا رہا ہے جہاں موت کے خطرناک' بھیانک' مہیب سائے چند قدموں کے فاصلے پر اپنی لپیٹ میں لینے کے درپے تھے لیکن پاک پروردگار پر ایمان کامل اور نیک نیتی نے ہمیشہ سرخرو رکھا۔ ان واقعات وقصص کا ذکر اپنی تحاریر میں صرف اس لیے کرتا ہوں کہ اپنے عزیز قارئین کو پیغام سبق دے سکوں۔

میں سچی کہانیاں کا احسان مند ہوں کہ اس کی معرفت موقع ملتا ہے کہ اپنا دردِ دل' عذابِ ماضی کی تلخیاں' آئے روز کی ناگفتہ بہ کیفیات طشت از بام کروں کہ پڑھنے والے معلومات اور سبق حاصل کریں۔

یہ واقعات ایک تاریخ کی صورت میں قرطاس زیست کے ریکارڈ میں محفوظ ہیں یہ واقعات واقعہ دل گداز کیفیات سے شروع ہوا۔ ایک معصوم' بے گناہ شخص جس کی از حد کوشش و خواہش تھی کہ وہ ہندوستان جائے حسن وعشق کی لازوال حسین یادگار تاج محل دیکھے' پرانی دلی' مہرولی' چاندنی چوک' وہ گلیات جو مرزا غالب کے گھر کا طواف کرتی ہیں۔ قطب مینار' شاہی مسجد اور ممبئی کا ماڈرن پوش ایریا باندرا ملاحظہ کرے جس کے پہلو میں ٹوٹی پھوٹی فٹ پاتھوں پر ہزاروں ننگ دھڑنگ فاقہ زدہ لوگ کروٹیں بدلتے نظر آتے ہیں۔ لیکن ان بے ضرر خواہشات کو دشمن دین و ملک نے کچل کے رکھ دیا۔ جاسوسی کا بے بنیاد الزام لگایا 32 سال کے صحت مند جوان کو بغیر کسی جرم و خطا تشدد سے ساٹھ سال کا بوڑھا ہڈیوں کا ڈھانچہ بنادیا جس کی کمر خمیدہ' ہاتھوں میں کپکپاہٹ' زبان میں لغزش عیاں تھی..... کیوں؟ کیسے؟

جب بھی لاہور جانا ہوتا تو میں ہوٹل کی بجائے بٹ صاحب کے گیسٹ ہاؤس واقع گوال منڈی قیام کرتا۔ بٹ صاحب بہت محنتی اور ہمدرد انسان تھے۔ ان کے والد میونسپل کمیٹی میں ٹھیکیدار تھے۔ انہوں نے چار منزلہ مکان تعمیر کرایا تھا جس

www.pakistanipoint.com

کی ہر منزل میں آٹھ کمرے تھے کل 32 کمرے تھے ان کی وفات کے بعد بٹ صاحب نے اسے گیسٹ ہاؤس بنایا تھا۔

گوال منڈی لاہور اسٹیشن کے قریب گنجان آبادی کا کاروباری' رہائشی علاقہ ہے صاحبِ ثروت اور نامی گرامی شخصیات اس علاقے کے مکین ہیں۔ اب بھی ان کے مکانات موجود ہیں جن میں نواز شریف کا آبائی گھر اتفاق ہاؤس ہے۔ عطاء الحق قاسمی نامور ادیب' مشہور فلمی شاعر خواجہ پرویز و دیگر نامور شرفا یہاں سے متعلق ہیں۔ گیسٹ ہاؤس میں قیام پذیر ہونے والوں میں زیادہ تر لوگ کراچی اور سندھ سے آتے' انہیں انڈیا جانا ہوتا' یہ لوگ اپنے ساتھ لنڈے کے کپڑے' میک اپ کا سامان' لکڑی کی مصنوعات لے جاتے اور انڈیا سے پان چھالیہ جیولری و دیگر اشیاء لاتے یہ ان کے روزگار کے ذرائع تھے۔

یہیں میری ملاقات اقبال صاحب سے ہوئی ان کا اصل گھر تو ریشم گلی حیدر آباد میں تھا کراچی کے بوہری بازار میں جیولری ایکسپرٹ تھے۔ نہایت مخلص' بااخلاق' نڈر اور جہاں دیدہ شخص تھے وہ اکثر انڈیا کے دورے پر رہتے۔ ان کا کیا کاروبار تھا میں نے کبھی نہ کریدا۔ خیال تھا چونکہ وہ ماہر جوہری ہیں سونے چاندی کی تجارت کرتے ہوں گے۔ وہ اتنا مخلص تھا کہ لاہور میں قیام کے دوران علی کی دوسری سالگرہ کا سارا اہتمام اس نے کیا تھا چیرنگ کراس واپڈا ہاؤس 'Saloos' ریسٹورنٹ میں اپنے خرچے پر ترتیب دیا تھا۔

ایک دن میں نے اقبال صاحب سے اپنی دیرینہ خواہش کا اظہار کیا کہ میں انڈیا جانا چاہتا ہوں' وہ بہت خوش ہوا کہا۔

''میں اسے اپنا پاسپورٹ دوں وہ ویزہ لگوا دے گا میرے لیے بڑی خوشی کی بات تھی میں نے اسے بتایا کہ ویزے وغیرہ کا بندوبست میں خود کروں گا آپ کو میرے ساتھ دو تین دن رہنا ہوگا پھر اپنی اپنی راہ لیں گے میں کاندھے پر جھولا ڈالے قریبہ بہ

WAQAR AZEEM
www.pakistanipoint.com

قریہ کوچہ گردی کروں گا۔ اقبال نے مجھے ایک ماہ کا وقت دیا تھا۔ مہینہ گزر گیا میرا دو ماہ کا دہلی، آگرہ، ممبئی کا ویزہ لگ گیا تھا اب ہم انڈیا جانے کے لیے تیار تھے۔ ہمارا پروگرام بذریعہ ٹرین لاہور سے دہلی جانے کا تھا۔ لاہور سے گاڑی شام سات بجے روانہ ہوتی ہے دوسری صبح پانچ بجے دہلی پہنچتی ہے دس گھنٹے کا سفر طے کرنا ہوتا ہے۔ ہماری طرح اسٹیشنز، پلیٹ فارمز، قلی، شور شرابہ، وہی کلچر، وہی بود و باش......

دہلی خیریت سے پہنچ چکے تھے۔ اقبال صاحب مجھے اپنے ساتھ چاندنی چوک میں واقع المشرق ہوٹل لے گئے۔ ہوٹل میں کمرہ لیا۔ چاندنی چوک کھانے پینے کے لحاظ سے کراچی کا برنس روڈ، لاہور کا لکشمی چوک ہے۔ جاتے ہی فریش ہوئے ناشتہ سے فارغ ہوئے اقبال نے کہا آپ تھوڑا آرام کرلیں وہ ہوٹل سے باہر جارہے ہیں کسی کام کے سلسلے میں دوپہر میں واپسی ہوگی۔

میں لیٹ گیا۔ دوپہر ایک بجے وہ واپس آیا اپنے ساتھ ایک بیگ لایا تھا۔ جس میں تالا لگا ہوا تھا۔ اپنا سوٹ کیس کھول کر اس میں رکھ دیا اپنے ساتھ کھانا بھی وافر مقدار میں لایا تھا کھانے میں چکن بریانی، مٹن قورمہ، سری پائے، فریش کھیر تھی کھانا کافی لذیذ تھا۔ دونوں نے سیر ہو کر کھایا اقبال آدھا گھنٹہ بیٹھا رہا پھر وہ باہر جانے کی تیاری کرنے لگا مجھے کہا آپ گھنٹہ دو نیچے کا چکر لگالیں کمرے کی چابی اپنے پاس رکھیں میں شام تک واپس آجاؤں گا۔"

میں تھوڑی دیر کے لیے لیٹ گیا فریش ہو کر قرب و نواح کی سیر کو نکلا۔ دہلی بالکل لاہور کی مانند ہے گنجان، لوگوں کی بھیڑ، تنگ گلیوں میں دکانوں پر سجی کھانے پینے کی اشیاء، لاہور کے بزرگ تو شہر میں خوش ہیں وہ باہر نکلنے کو تیار نہیں جوان طبقہ شہر سے نکل کر علامہ اقبال ٹاؤن (1600 ایکڑ) ماڈل ٹاؤن، گارڈن ٹاؤن، گلبرگ، ٹاؤن شپ، سمن آباد شفٹ ہوگئے۔ اس طرح پرانی دلی کے بزرگ تو شہر چھوڑنے پر تیار نہیں لیکن نئی جنریشن، نیو دہلی، نیا آباد اور دوسرے پوش علاقوں میں سیٹل ہوگئے۔ تقریباً پانچ بجے واپس ہوٹل آیا۔ چائے منگوائی ذی ٹی وی پر دلیپ کمار، مدھوبالا کی پرانی امر فلم آرہی تھی۔ (انصاف کا مندر ہے یہ بھگوان کا گھر ہے) دیکھنے لگ گیا (مدتوں پہلے یہی فلم چھ آنے کی ٹکٹ لے کر ڈیرہ اسماعیل خان کے پلازہ سینما میں سب سے آگے بیٹھ کر دیکھی تھی) اب مجھے اقبال کا انتظار تھا۔ شام گزر گئی۔ رات بیت چکی صبح کا اجالا پھیلنے لگا لیکن اقبال کا پتہ نہ تھا۔

دوسری شام آنے کو تھی۔ اس کا Contact تو میرے پاس نہ تھا۔ وہ تو ہوٹل فون کر کے مجھ سے رابطہ کر سکتا تھا۔ رات کے اندھیرے پھیلنے لگے لیکن وہ غائب...... اب میں پریشان تھا۔ دو ایک چکر صرافہ بازار کے لگا چکا تھا لیکن وہ نہ ملا۔ بڑی تشویشناک صورت تھی میں اسے کہاں تلاش کرتا۔

رات کے پچھلے پہر کوئی زور زور سے دروازہ پیٹ رہا تھا کھولا تو باہر تین مرد ایک خاتون تھی۔ خاتون فیشن ایبل، بہت خوبصورت لیکن پریشانی اور حواس باختگی اس کے چہرے پر عیاں تھی۔ چہرے پر سوجن کے نشانات تھے ان تین مردوں میں سے ایک اس کا خاوند جو انٹیلی جنس کا آفیسر تھا۔ دوسرا پولیس انسپکٹر اور چوتھا شخص صرافہ بازار کا صدر تھا۔ وہ اقبال کی تلاش میں آئے تھے مجھ سے اسی کا پوچھ رہے تھے میں نے انہیں بتایا میں خود اس کے لیے پریشان ہوں مجھے اس کی بابت کوئی علم نہیں۔

وہ مجھ سے بدتمیزی سے پیش آرہے تھے

WAQAR AZEEM
www.pakistanipoint.com

انہوں نے کمرے میں موجود پڑا سامان چیک کیا۔ سب سے پہلے میرے اٹیچی کیس کو کھولا تو اس میں تین چار جوڑے کپڑے، شیونگ کٹ، ایک عدد کیمرہ ملا۔ اقبال کے سوٹ کیس کا تالا توڑا اس میں سے بیگ نکلا۔ اس کی تلاشی لی تو اس میں سے ڈالرز ’انڈین کرنسی‘ سونے کے زیورات اور کچھ خفیہ دستاویزات برآمد ہوئے ان کاغذات کو دیکھ کر آفیسر ہکا بکا رہ گیا اور اپنی بیوی کو نفرت آمیز نظروں سے گھورنے لگا۔ میری بار بار سخت لہجے میں باز پرس کر رہے تھے۔ انہوں نے ہوٹل منیجر کو گواہ بناتے ہوئے کاغذات اور برآمد شدہ سامان اپنے قبضے میں لے لیا۔

دراصل اس آفیسر جس کا نام راج نرائن تھا کی بیوی یملا دیوی کے ساتھ اقبال کے عرصہ سے خفیہ مراسم تھے۔ راج نرائن کو شک تھا لیکن کوئی ثبوت اس کے پاس نہ تھا چونکہ وہ اعلیٰ آفیسر تھا دولت بے پناہ تھی وہ اقبال جیسے اسمارٹ، نڈر کی محبوبہ تھی اقبال نے اسے کہہ رکھا تھا کہ وہ عنقریب موقع ملتے ہی سنگاپور روانہ ہوں گے۔ باقی زندگی وہیں گزاریں گے۔ بہت ساری دولت اکٹھی کر رہے تھے۔ راج نرائن نے چہار سو اپنے مخبر چھوڑ رکھے تھے کہ اس کی بیوی کے کرتوت سے آگاہی ملے۔ اقبال کی آمد پر یملا دیوی کی نئی دہلی میں ملاقات ہوئی راج نرائن کو مخبروں نے مطلع کر دیا۔ انہوں نے دونوں کو رنگے ہاتھوں پکڑ لیا۔ اقبال نے رقم اور خفیہ کاغذات کے بارے میں بتایا کہ وہ المشرق ہوٹل میں ہیں انہوں نے صرافہ بازار کے صدر کو اپنے ساتھ لے لیا تھا جس کے پاس اقبال نے مختلف اوقات میں زیورات وغیرہ فروخت کیے تھے وہ چاروں ہوٹل کی طرف روانہ ہوئے چونکہ ابھی راج نرائن کے پاس کوئی ثبوت نہ تھے اس لیے اقبال کو ہتھکڑی نہ لگائی گئی تھی۔ اقبال کافی صحت مند، چست چالاک کمانڈو تھا وہ انہیں جل دے کر بھاگ نکلا۔

مال برآمد کر کے مجھے اپنے ساتھ لے گئے۔ دراصل انہیں شک تھا کہ میں اقبال کی کسی بھی کارروائی ملک دشمن اقدام میں اس کا شریک ہوں میں نے شدید احتجاج کیا کہ میرا اقبال کے کسی فعل، معاملے سے تعلق نہیں صرف ایک آدھ دن کی سفری رفاقت تھی۔

وہ ایک بدبودار، سیلن زدہ کمرے میں لے گئے جس کے آس پاس کافی تعداد میں کمانڈوز تھے ہر شخص مجھے آنکھیں دکھا رہا تھا ان کا کہنا تھا کہ جب تک اقبال نہیں ملتا تم اس وقت تک قید میں سڑتے جلتے رہو گے۔ دو تین دن تو دھمکیوں کے علاوہ اور کوئی کارروائی نہ کی۔

انہوں نے اقبال کی تلاش میں سارے شہر کو کنگھالا تھا۔ ناکہ بندی کر رکھی تھی۔ سارا شہر بلاک کر دیا تھا۔ خفیہ ایجنسی، پولیس سب ادارے الرٹ تھے۔ مجھے خود پتہ نہ تھا کہ اقبال کن کارروائیوں میں ملوث تھا۔ کرنسی، زیورات، یملا دیوی کے ساتھ اس کے تعلقات اور سب سے بڑھ کر خفیہ دستاویزات، یہ سب چیزیں ظاہر کرتی تھیں کہ وہ کسی مشن میں حصہ لے رہا ہے جبکہ میں ہر لحاظ سے لاعلم، نردوش، بے قصور تھا۔ لیکن ان کی نظروں میں اقبال کا شریک کار اور شریک مشن تھا۔

تیسرے دن ان کے صبر کا پیمانہ چھلک پڑا۔ وہ ایک نئے روپ میں میرے سامنے تھے کس طرح پیش آ رہے تھے کیا سلوک کر رہے تھے تشدد کی کتنی انتہا تھی۔ یہ سب بتانا سننا، پڑھنا بڑے دل گردے کا کام ہے ان کے متشدد سلوک کو دھرانا اپنے زخموں کو ہرا کرنا ہے۔ تفصیل میں نہیں جانا چاہتا صرف اتنا کہوں گا کہ ان کا رویہ کچھ اس طرح تھا۔ پیٹھ کے بل

WAQAR AZEEM
www.pakistanipoint.com

لٹا کر ننگے پیروں پر تیل لگے چمڑے کے لتہڈ کی چھترول کرنا ایسا محسوس ہوتا تھا کہ درد سے جسم منقسم ہو جائے گا۔ 24 گھنٹے بے ہوشی طاری رہتی پھر پوچھ گچھ.....

چھترول کے بعد دودھ کی کچی لسی پلا کر چھت سے الٹا لٹکانا نتیجے میں ناک اور منہ سے کھانا پینا باہر نکلنا..... سر کے بالوں کو پکڑ کر پانی کے ٹب میں تین منٹ ڈبوئے رکھنا' چوتھے منٹ کی صورت میں موت یقینی تھی۔ ناقابل برداشت تشدد' مار پیٹ جاری رہی۔

اقبال کا نہ ملنا میرے مصائب میں اضافہ تھا۔ ان اہلکاروں میں ایک نوجوان پڑھا لکھا سوبر بھی تھا اس کے چہرے پر ہمیشہ میرے بارے میں ہمدردی کے آثار نظر آتے تھے۔ وہ کچھ کہنا چاہتا تھا میں بھی بات کرنا چاہتا تھا لیکن کمرے میں موجود سی ٹی وی کیمرہ اور حساس دیواریں حائل تھیں۔ اس کا نام پرکاش مہرہ تھا۔ ایک دن کھانا دیتے وقت تھوڑا جھکا تو میں دبے الفاظ میں خاموشی سے صرف اتنا کہا۔

''پاکستان ایمبیسی.....'' پرکاش مہرہ میری بات سمجھ چکا تھا۔ اب اس نے کیا کرنا تھا کیا وہ پاکستان ایمبیسی سے رابطہ کرے گا' کس طرح کرے گا' میں اس سے لاعلم تھا۔

دشمن ملک کے پروردہ اہلکار اپنے ظلم وستم ڈھا رہے تھے۔ اقبال کی گرفتاری کے لیے چہار سو کوششیں جاری تھیں اسے آسمان کھا گیا یا زمین نگل گئی والی کیفیت تھی اپنی ناکامی اور مایوسی کا غصہ میرے اوپر اتار رہے تھے میری حالت ایسی تھی کہ اٹھنا' بیٹھنا' لیٹنا محال اور تکلیف دہ تھا۔

دوسرے دن صبح گیارہ بجے شور اٹھا ہلچل پیدا ہوئی کہ پاکستان ایمبیسی سے کچھ افسران قصہ مذکور کی بابت معلومات لینے آئے ہیں (یقیناً پرکاش مہرہ نے کسی طرح ان کو مطلع کر دیا تھا) راج نرائن نے پاکستانی افسران کو اپنے دفتر میں بٹھایا۔ میری ناگفتہ بہ حالت درست کرنے لگے۔ میرے پرانے بوسیدہ کپڑے اتروائے ایک پینٹ' ایک شرٹ پہننے کو دی۔ یہ تنبیہ بھی کر رہے تھے کہ زیادہ مظلوم بننے کی کوشش میرے لیے اذیت کا باعث ہوگی۔

مجھے ان کے روبرو پیش کیا گیا دو آفیسر تھے ایک تو ڈپٹی قونصلر اور دوسرا..... یہ کیا..... انور کمال..... میں نہ صرف انہیں جانتا تھا بلکہ قریبی مراسم بھی تھے۔

آپ سابق وزیر داخلہ حبیب اللہ خان مروت کے صاحبزادے تھے۔ حبیب اللہ خان 1966ء سے 1968ء تک پاکستان کے وزیر داخلہ رہے۔ کنونشن مسلم لیگ کے بانی تھے ان کے مقابل کونسل مسلم لیگ تھی جس کے سربراہ میاں ممتاز دولتانہ تھے۔ یہ جنرل محمد ایوب خان صدر پاکستان کی آمریت کا دور تھا۔

انور کمال ڈگری کالج ڈیرہ اسماعیل خان یونین کے صدر تھے میں بھی اس وقت یونین کا ممبر تھا۔ (وہ بھی کیا دور تھا اس وقت گورڈن کالج راولپنڈی میں شیخ رشید اسٹوڈنٹ لیڈر تھے۔ ملتان سے مخدوم جاوید ہاشمی اور کراچی یونیورسٹی سے جاوید جبار تھے)۔

گریجویشن کے بعد انور کمال کابل میں ڈپٹی قونصلر مقرر ہوئے وہ ان دنوں افغانستان میں اپنے فرائض انجام دے رہے تھے۔ اقوام متحدہ کے شعبے ہیومن رائٹس کی طرف سے ان کی ڈیوٹی لگائی گئی تھی کہ وہ ساؤتھ ایشیا کے ممالک کی صورت حال دیکھیں وہ اس سلسلے میں مختلف ممالک کے دورے پر تھے۔

جب پاکستان ایمبیسی کو باخبر کیا گیا کہ ایک پاکستانی ڈیڑھ ماہ سے بغیر کسی جرم وخطا انڈین پولیس

WAQAR AZEEM
www.pakistanipoint.com

کے ظلم وستم کا شکار ہے وہ حالات کا جائزہ لینے انڈین آفس آئے۔ مجھے دیکھا تو شناسائی کرنے لگے بڑے غور وخوص سے مجھے تکے جارہے تھے۔ کہاں 160 پاؤنڈ کا صحت مند شخص اور کہاں 110 پاؤنڈ کا مختصر مخنی ڈیل ڈول والا کمزور سا انسان..... میں نے انہیں مزید تشویش میں مبتلا نہ رہنے دیا خود ہی تعارف کرایا۔ وہ پہچان گئے ان کے لیے مقام حیرت تھا کہ ایسی حالت کیوں.....؟

میں نے تفصیلاً انہیں اپنے اوپر گزری داستان مصائب بیان کی۔ راج نرائن اور دوسرے اہلکار سٹپٹا رہے تھے کہ میں کیوں اپنی حالت زار بتا رہا ہوں۔ لیکن اب روکنا محال تھا میری داستان سن کر انور کمال نے بہت احتجاج کیا بحث مباحثہ ہوا کہ اگر کسی غیر قانونی کارروائی میں اقبال ملوث ہے تو شیرازی کا اس میں کیا لینا دینا۔ ان سے کون سا مواد جو قابل اعتراض ہے برآمد ہوا..... کیا ثبوت ملے کہ اسے ملوث کیا گیا۔

آخر میں انور کمال نے مجھے تسلی دی کہ صبح آپ کے مسئلے پر انڈین ایمبیسی میں میٹنگ ہوگی فکر کرنے کی ضرورت نہیں وہ چلے گئے۔

شاید قسمت اب مجھ پر مہربان تھی کہ اس رات اقبال انڈین فورسز کے ہاتھوں پکڑا گیا۔ وہ رات کی تاریکی کا فائدہ اٹھاتے ہوئے واہگہ بارڈر کراس کررہا تھا کہ ڈیوٹی پر تعینات اہلکاروں نے اسے دھرلیا۔ اس وقت بارڈر پر اتنی سختی نہ تھی اب تو خاردار تاریں، مضبوط دیواریں بن چکی ہیں ہر چار سو قدموں کے فاصلے پر چیک پوسٹ تعمیر ہے۔ اب کسی کا بارڈر عبور کرنا ناممکن ہے اس کو گرفتار کر کے امرتسر اور پھر نئی دہلی لے آئے۔

جہاں میں قید تھا اسے وہیں لائے مجھے دیکھ کر ..... میری حالتِ زار دیکھ کر بہت رنجیدہ ہوا۔ میں

[redacted]

تم تو ایک مدت سے روشن ملک میں رہتے ہو
صبح سے شام بھی اجالوں کے ساتھ ہی کرتے ہو
بس یونہی کہہ رہی ہوں بات کچھ اہم بھی نہیں ہے
یوں تو تم روز ہی کہیں نہ کہیں کسی سفر پہ جاتے ہو
پر آج ایسا کرو اس سفر پر یہ جگنو بھی ساتھ لیتے جاؤ
اسے اپنی مٹھی میں بھر لو اور اپنے دل سے لگا لو
یہ جگنو استعارہ ہے میری ذات کا
حوالہ ہے میری یاد میری بات کا
انتساب ہے پیار کا جو میں نے تمہارے نام لکھا
ممکن ہے اس سفر میں کوئی ایسی رات بھی آجائے
جو وقت کی قید سے آزاد اور اماوس جیسی ہو جائے
دور تلک پھر گہرے بادلوں کو دھوپ بھی نایاب ہو جائے
اور تمہاری تھکن کو ان راستوں پر
کوئی شجر سایہ دار بھی نہ مل پائے
ایسا ممکن تو نہیں ہے کہ ایسا ہو کہ تم دوستوں میں نہ ہو
اتنی بھیڑ میں کوئی ہمراہ چلنے والا نہ ہو
اتنی آوازوں میں کوئی تمہیں پکارنے والا نہ ہو
ممکن ہے جانِ من، ممکن ہے سب کچھ ممکن ہے
جب داستانِ حیات میں وفا کا اور کوئی باب نہ رہے
وقت کے دامن میں چھپی اور کوئی امید آس نہ رہے
خاموش صحرا میں گنگناتی سحر گویائی بھی نہ رہے
پھر تم اپنی مٹھی کھول کر دیکھنا
تمہارے ہاتھ پر میری بیعت کا جگنو ہوگا
وہی جگنو
جو انتساب ہے پیار کا جو میں نے تمہارے نام لکھا

نگہت نسیم

WWW.PAKSOCIETY.COM
www.pakistanipoint.com

نے اسے شکایت سے بھرپور نظروں سے دیکھا اس کے چہرے پر معذرتانہ تاثرات عیاں تھے۔ انڈین آفیسر نے اسے غصے سے دیکھتے ہوئے کہا۔

''اقبال دیکھو آخر ہم نے تمہیں پکڑ لیا اب اپنے انجام کی خیر مناؤ۔'' اقبال ایک نڈر' دلیر' پُر اعتماد کمانڈو تھا۔ نہ گھبراتے ہوئے آفیسر سے مخاطب ہوا۔

''آفیسر..... سنو میں مجرم ہوں..... ڈاکو ہوں' دہشت گرد ہوں تمہارے ملک کا دشمن ہوں جاسوس ہوں ہر عائد کردہ الزام کو تسلیم کرتا ہوں' ایک سفید کاغذ لاؤ میں دستخط کرتا ہوں ہاتھوں کے پیروں کے نشانات انگوٹھے ثبت کرتا ہوں' لیکن یہ جو میری طرف اشارہ کر کے جنٹل مین کھڑا ہے بے گناہ بے قصور ہے۔ لاہور سے روانگی کے وقت گاڑی میں دعا سلام ہوئی دہلی پہنچ کر ہوٹل میں تین گھنٹے رہے۔ میں نے اپنا سامان امانتاً اس کے پاس رکھا۔ اب اسے بغیر کسی ثبوت کے گرفتار کرنا مار پیٹ کرنا لاقانونیت ہے تم لوگوں کو اس کا جواب دینا ہوگا۔ تم لوگوں کے لیے بہتر یہی ہے کہ اسے فوراً آزاد کرو اور مجھے پابند سلاسل کرو میں ہر کارروائی فیس کرنے کو تیار ہوں۔''

اقبال کے ادا شدہ کلمات میرے لیے نہایت امید افزا اطمینان بخش تھے۔ اس کے بیان سے میں بہت متاثر ہوا۔

دوسرے دن انور کمال دیگر کولیگز کے ساتھ آئے بند کمرے میں ڈائیلاگ ہوئے انہیں پتہ چل گیا تھا کہ ان کا مطلوبہ مجرم اقبال گرفتار ہو چکا ہے اس کے بیانات میری بریت کے لیے کافی تھے۔

آخر مجھے آزاد کر دیا گیا۔ انہوں نے مجھے آفر دی کہ اگر میں ہندوستان میں مزید قیام کرنا چاہوں تو میرے ویزے کی معیاد بڑھائی جا سکتی ہے کہیں بھی جانا چاہوں ہر سہولت میسر ہوگی۔ لیکن میں نے صرف اتنا کہا ں نو تھینکس.....

میں سوچ رہا تھا کہ دنیا کی سب سے بڑی جمہوریت کے دعویدار صرف اکثریت کی بنا پر لیکن حقیقتاً اکثریت کو نہیں مسلمانوں کے خون کو دیکھا جائے جو ہندوستان کی بنیادوں میں نظر آتا ہے اس ہندوستان پر مسلمانوں نے 945 سال حکومت کی۔ اتنے وسیع المشرب تھے کہ اپنے درباروں میں ہندو کو وہی مقام حاصل تھا جو مسلمانوں کو تھا۔

تاج محل' قطب مینار' شاہی مسجد' مسلمانوں کے یادگار تحائف' نشانیاں ہیں قومی و بین الاقوامی ورثہ قرار پائے ہیں اور وہی ہندوستان آج انفرادی و اجتماعی طور پر مسلمانوں کا خون ناحق بہا رہا ہے اور پھر.....

میں ہندوستان کی طرف پیٹھ کر کے جہاز کی سیڑھیاں طے کرتا اپنے پیارے ملک پاکستان کی سوندھی سوندھی مٹی کو چومنے بے قراری سے عازمِ سفر تھا۔

دہلی سے روانہ ہوا لاہور بٹ گیسٹ ہاؤس آیا ایک ماہ قیام کے بعد کراچی روانہ ہوا جب روبہ صحت ہوا تو اقبال کی خبر گیری کے لیے حیدر آباد کا کونا کونا چھان مارا۔ کراچی کے بوہری بازار صرافہ مارکیٹ کی خاک چھانی کوئٹہ میں مولانا علاؤ الدین خلجی سے معلومات لینے گیا جس نے اقبال کا سکینہ سموں کے ساتھ نکاح پڑھایا تھا۔ لیکن اقبال کا کوئی پتہ نہ چل سکا۔ خدا جانے اس کے ساتھ کیا ہوا؟

جب ذہن ماضی کے دریچوں میں جھانکتا ہے تو پرکاش مہرہ کا پُرخلوص ہمدرد چہرہ نظروں میں آتا ہے صحیح کہا گیا ہے کہ.....

بروں میں اچھے اور اچھوں میں برے ہوتے ہیں یہی اس سنسار کی ریت ہے۔

WAQAR AZEEM
www.pakistanipoint.com

سچی کہانیاں ملنے میں اگر دشواری ہے تو ان نمبرز پر رابطہ کیجیے

کراچی ایجنٹ	0300-2680248	
لاہور ایجنٹ	042-37249813	0300-4009578
راولپنڈی	051-5765665	0345-5058891
ملتان	061-4586533	0300-6301461
حیدر آباد	022-2780128	0321-3060477
پشاور	091-2212515	0344-9290185
فیصل آباد	0300-6698022	041-8503629
نواب شاہ	0244-362138	0344-3445464
الفتح نیوز ایجنسی، سکھر	0300-9313528	071-5613548

WAQAR AZEEM
www.pakistanipoint.com

نمائندہ خصوصی

جاوید راہی	0300-9479844	اوکاڑہ
ارشد اقبال چوہان	0300-9657926	فیصل آباد/جڑانوالہ
عبدالغفار عابد	0300-4319264	چیچہ وطنی/ساہیوال
مور شاہد	0301-2868143	قمبر/شہداد کوٹ
مجید احمد جائی	0301-7472712	ملتان
چوہدری یاسر وکی	0303-3334464	دیپالپور

کراچی سے ارسال کردہ انتہائی خوفناک کہانی

قبر کے مکین

وہ قبر سے نکل کر اس کو لینے آیا تھا..... کیا روح اپنے مقصد میں کامیاب ہوئی یہ تو آپ کو کہانی پڑھ کر پتہ چلے گا.....

فرح انیس

''میں کیا کروں گی میں کیسے رہوں گی تمہارے بغیر میں مرجاؤں گی عاطف مجھے تو تمہارے ساتھ کی عادت تھی اب میں کیسے زندگی گزاروں گی تم واپس آجاؤ۔'' وہ قبر پر سر رکھ کے پھوٹ پھوٹ کے رودی اور کچھ لمحوں بعد اس کا وجود آخری ہچکی لے کر ساکت ہوگیا۔

''زبردست بہت عمدہ.....'' حسن تالیاں بجاتے ہوئے بولا۔ زرناب ڈائیریکٹر حسن کی تعریف پر مسکراتی ہوئی کھڑی ہوگئی۔

''تھینکس گاڈ اس ڈرامے کا اینڈ تو ہوا ورنہ تو میں روز تمہاری قبر پر آکر رو رو کر تھک چکی تھی۔'' زرناب شرارت سے زنیر سے بولی۔

''نہ صرف رو رو کر تھک چکی تھی بلکہ آج تو آپ نے جان ہی دے دی۔'' زنیر کے شوخی سے کہنے پر زرناب کو ہنسی آگئی۔

زنیر جو ڈرامے میں ہیرو کا کردار نبھا رہا تھا عاطف کے نام سے اور اس کے مقابل ہیروئن کا کردار زرناب جو سدرہ کے نام سے نبھا رہی تھی۔

''ویسے میں سوچ رہی ہوں کون ہوگا یہ عاطف اور اس کی بھی تو اصل زندگی میں کوئی ہیروئین ہوگی۔'' وہ قبر پر بنی تختی پر لکھا عاطف نام اور اس کی تاریخ پیدائش کو غور سے دیکھتے ہوئے بولی جس کی عمر بتیس برس لکھی تھی۔

''ہاں ایسا کرو پوچھ لو اس سے کے تمہاری کوئی ہیروئن نہیں تھی تو بتادو میں بن جاتی ہوں۔'' زنیر کی بات پر زرناب اسے گھور کے دیکھنے لگی۔

''ہاں ہاں پوچھ لو زرناب کیا پتا زنیر سے اچھا ہو۔'' یہ عاطف پنکی جو اس ڈرامے میں سپورٹنگ رول ادا کر رہی تھی اتنی دیر سے کھڑی ان دونوں کی نوک جھونک انجوائے کرتے ہوئے ہنستی ہوئی بولی۔

''تم لوگوں کا تو ہوگیا ہے دماغ خراب اور کچھ نہیں۔'' وہ ان دونوں کی بات پر منہ بناتے ہوئے بولی۔

''چلو بھئی کیا یہاں رات قبرستان میں گزارنی ہے تم لوگوں نے.....'' حسن جو پیک اپ کروا رہا تھا

www.pakistanipoint.com

ان تینوں کے پاس وہاں آتے ہوئے بولا جو قبر کے پاس اردگرد سے بے نیاز ہنسی مذاق میں لگے ہوئے تھے مغرب کی اذانیں شروع ہو چکی تھی وہ لوگ گاڑی کی جانب بڑھ گئے۔

''آج رات ڈنر پر چلیں۔'' زنیر گاڑی میں اس کے برابر بیٹھتے ہوئے بولا۔

'' آج نہیں کل چلتے ہیں، آج بہت تھکن ہے۔'' وہ کسلمندی سے بولی۔

''چلو ٹھیک ہے کل چلتے ہیں۔'' وہ اس کی بات پر مسکراتے ہوئے بولا۔

زنیر اور زرناب شوبز میں پچھلے پانچ سال سے تھے۔ ڈراموں میں زرناب اور زنیر کی جوڑی کو بہت سراہا جاتا تھا یہ اب تک کا ان دونوں کا تیسرا ڈرامہ تھا جو ساتھ مل کر کر رہے تھے۔

اس ڈرامے میں زنیر جو عاطف کا کردار نبھا رہا تھا وہ سدرہ سے بہت پیار کرتا ہے سدرہ اور عاطف کی شادی ہونے والی ہوتی ہے مگر ایک کار ایکسیڈنٹ میں وہ مر جاتا ہے اور اب سدرہ کی حالت دیوانوں جیسی ہو جاتی ہے وہ اس کی قبر پر روز آتی ہے اور کئی کئی پہر وہ اس کی قبر پر گزار دیتی ہے ڈرامے کے اختتام میں سدرہ جو کب سے عاطف کی جدائی میں تڑپ ہو رہی ہوتی ہے اس کی قبر پر سر رکھ کر مر جاتی ہے۔

زرناب گھر میں آئی تو گھر کا سناٹا اسے بری طرح سے چبھا وہ اداسی سے اپنے کمرے کی جانب بڑھ گئی۔

زرناب کا تعلق اپر کلاس فیملی سے تھا وہ اپنے ماں باپ کی اکلوتی بیٹی تھی اس کے ماں باپ امریکہ میں رہتے تھے۔

اداکاری زرناب کا جنون تھا تعلیم حاصل کرتے ہی وہ اس فیلڈ میں آ گئی تھی اسے ہاتھوں ہاتھ لیا گیا تھا خوبصورت تعلیم یافتہ اور پھر اس کی

WAQAR AZEEM
pakistanipoint.com

اداکاری اتنی شاندار ہوتی تھی کہ وہ اپنے کردار میں ڈوب کر جس طرح سے کام کرتی تھی تو بہت جلد ہی وہ اپنی اداکاری کی وجہ سے لوگوں کے دلوں میں گھر کر چکی تھی آزاد ماحول میں پلی بڑھی ہونے کے باوجود اس نے کبھی اپنی حدود تجاوز نہیں کی تھی۔

وہ دل ہی دل میں زنیر کو پسند کرتی تھی زنیر جو آج کل سب کا ہی من پسند تھا نہ وہ صرف وجیہہ شخصیت کا مالک تھا بلکہ اس کی اداکاری کو بھی ویسے ہی سراہا جاتا تھا جیسے زرناب کی اور جب بھی ان دونوں کا کوئی ڈرامہ ساتھ آتا تھا وہ ہمیشہ مقبول ہوتا تھا۔

''تمہارے پاپا کے دوست نے اپنے بیٹے کے لیے تمہارا رشتہ مانگا ہے۔'' فریال کی کال آئی ہوئی تھی وہ زرناب کو بتانے لگیں۔

''مگر مما میں ابھی شادی نہیں کرنا چاہتی۔'' زرناب جلدی سے بولی۔

''کیوں کیا خرابی ہے علی میں اچھا خاصا لڑکا ہے پڑھا لکھا خوبصورت اچھا فیملی بیک گراونڈ ہے۔'' فریال اس کی بات پر ناراضگی سے بولیں۔

''مما پلیز ابھی نہیں.....!''

''زرناب تم کسی کو پسند کرتی ہو؟'' فریال بولیں۔

''جی مما وہ زنیر جو میرے ساتھ ہوتا ہے۔'' زرناب ماں کی بات پر بولی۔

''بیٹا تو پھر اس کو بولو کے وہ آپ کے گھر اپنے والدین کو بھیجے تاکہ ہم بھی ملیں۔'' فریال اس کی بات پر بولیں۔

''مما مجھے یہ نہیں پتا وہ مجھے پسند کرتا ہے یا نہیں میں تو اپنا جانتی ہوں کہ میں اسے چاہتی ہوں۔'' وہ بولی اس کے لہجے کی اداسی کو فریال نے محسوس کرلیا تھا۔

''اچھا تم اداس نہ ہو میرا بچہ اگر وہ پسند کرتا ہوگا تو کچھ وقت میں خود ہی اظہار کردے گا ورنہ سمجھ جانا خالی یک طرفہ تم ہی محبت کرتی ہو باقی اللہ بہتر کرے۔''

فریال کے محبت سے تسلی دینے پر زرناب مسکرا کر ان کو خدا حافظ کہہ کر کال بند کرگئی۔

اسے کبھی نہیں پتا چلا تھا کہ زنیر بھی اسے چاہتا ہے یا نہیں، نہ ہی زرناب نے کبھی اپنی محبت کا اس پر ظاہر کیا تھا وہ فون بند کرکے بیڈ پر نیم دراز ہوگئی۔

اگر زنیر مجھ سے محبت نہ کرتا ہو تو میں کیا کروں گی میں اس حد تک اس کی محبت میں آگے نکل آئی ہوں کہ واپسی کا راستہ ناممکن سا لگتا ہے کاش محبت پر بھی حدیں باندھ لی جاتی یا کچھ ایسا کہ دوسرا خود مجبور ہوکر محبت کرتا مگر محبت پر زور ہی کب چلتا ہے اگر ایسا ہوتا تو کوئی شخص محبت ہی نہ کرتا وہ سوچنے لگی اور آنکھیں بند کرکے سونے کی کوشش کرنے لگی تھوڑی دیر بعد وہ گہری نیند کی وادیوں میں اتر گئی تھی ابھی اسے سوئے زیادہ دیر نہیں ہوئی تھی کے دستک کی آواز پر گھبرا کر اس کی بے ساختہ آنکھ کھلی کوئی اس کے بیڈروم کے دروازے پر دستک دے رہا تھا وہ سوچنے لگی شاکرہ ہوگی جو اس کی فل ٹائم ملازمہ ہے وہ اٹھ کر دروازہ کھولنے لگی کہ اچانک زرناب کو یاد آیا کہ شاکرہ تو دو دن کی چھٹی لے کر اپنے بیٹے کے پاس گئی ہوئی ہے زرناب نے گھڑی میں وقت دیکھا جو رات کے دو بجا رہی تھی۔

''یا اللہ کون ہے؟'' وہ دل ہی دل میں کافی خوفزدہ ہوگئی تھی آنکھوں سے نیند بالکل غائب ہوچکی تھی۔

اس نے دروازہ نہیں کھولا دستک مستقل وقفے وقفے سے اس کے دروازے پر ہوتی رہی، جب

WWW.PAKSOCIETY.COM
www.pakistanipoint.com

کوئی نہیں ہے گھر میں تو یہ کون ہے جو میرے کمرے کے دروازے پر دستک دے رہا ہے زرناب کا ڈر کے مارے برا حال تھا آج سے پہلے ایسا کبھی نہیں ہوا تھا وہ بستر میں گھسی بلینکٹ میں منہ دیے تھر تھر کانپ رہی تھی دستک فجر کی اذان ہونے پر رک چکی تھی اس کے کانپتے دل کو اب جا کر ذرا سکون محسوس ہوا تھا ورنہ تو اسے لگ رہا تھا خوف سے اس کے دل کو کچھ ہو جائے گا کافی دیر میں جا کر وہ سوئی تو جب اٹھی تو دوپہر کے تین بج رہے تھے۔

یا اللہ میں اتنی دیر سوتی رہی وہ بکھرے بالوں کا جوڑا بناتی ہوئی گھڑی میں وقت دیکھتے ہوئے بولی شاور لینے کے بعد وہ لنچ کر کے اطمینان سے ٹی وی دیکھنے لگی کافی دیر وہ ٹی وی دیکھتی رہی شام ہونے والی تھی کچھ سوچ کر زرناب نے اپنا سیل فون اٹھایا اور زنیر کا نمبر ملانے لگی مگر زنیر کا نمبر بند جا رہا تھا وہ پریشان سی ہو گئی کیونکہ آج سے پہلے ایسا کبھی ہوا نہیں تھا۔

وہ کافی دیر اس کا نمبر ملاتی رہی پھر تھک کر وہ سیل رکھ کے ٹی وی دیکھنے لگی ابھی تھوڑی دیر ہی گزری تھی کے ڈور بیل کی آواز پر چونکی وہ دروازہ کھولنے گئی تو سامنے کھڑے زنیر کو دیکھ کر اسے خوشگوار سی حیرت ہوئی۔

''تم کہاں تھے میں کب سے کال کر رہی تھی۔'' وہ اسے دیکھتے ہی بولی۔

''یار ایک کام میں پھنس گیا تھا۔'' زرناب کو اسے دیکھ کر بے ساختہ سی خوشی ہوئی تھی کیونکہ شاذ و نادر ہی وہ اس کے گھر آتا تھا۔

وہ اسے لے کر ڈرائنگ روم میں آ گئی۔

''ڈنر پر نہیں چلنا کیا؟'' زنیر اسے دیکھ کر بولا۔

''ہاں چلنا ہے میں تم کو تب ہی تو اتنی کالز کر رہی تھی۔'' وہ منہ بناتی ہوئے بولی۔

''ہاں میں سمجھا میں لیٹ پہنچا ہوں کیونکہ ہماری کل ہی تو بات ہوئی تھی۔''

''ہاں مگر مجھے پتا نہیں تھا نہ کے تمہارا کنفرم ہے یا نہیں بس مجھے دس منٹ دو میں تیار ہو کر آئی۔'' وہ عجلت میں بولتی کمرے کی جانب بھاگی۔

''دس منٹ ہی لینا.....'' پیچھے سے آتی زنیر کی آواز پر زرناب اپنی ہنسی روکنے لگی وہ جلدی جلدی تیار ہو رہی تھی۔

وہ عنابی رنگ کا لباس زیب تن کرنے کے بعد آئینے کے سامنے کھڑی چھوٹے چھوٹے آویزے پہننے لگی اور ہلکا پھلکا سا میک اپ کر کے باہر چلی آئی۔

زنیر جو اس کے انتظار میں ڈرائنگ روم میں بیٹھا تھا اسے آتا دیکھ کر اٹھ کھڑا ہوا ویسے دس منٹ بولے تھے۔

''پورے بیس منٹ لگا کر آ رہی ہو۔'' وہ شرارت سے ہاتھ میں بندھی رسٹ واچ میں وقت دیکھتے ہوئے بولا۔

''شکر کرو صرف دس منٹ اوپر ہوئے ہیں ورنہ خواتین دس منٹ کا بول کر دو گھنٹے سے پہلے فری نہیں ہوتی۔'' وہ اس کی بات پر ہنستی ہوئی گھر سے باہر آ گئی۔

''کہاں چلنا ہے؟'' وہ گاڑی ڈرائیو کرتے ہوئے بولا۔

''کہیں بھی چلے چلو۔'' وہ ہاتھ سے اپنے بال ٹھیک کرتے ہوئے بولی۔

''چلو پھر لانگ ڈرائیو پر چلتے ہیں۔'' زنیر اسے مسکرا کر دیکھتے ہوئے بولا جس پر زرناب بھی مسکرا دی۔

وہ زنیر کے ساتھ اس وقت کو محسوس کرنا چاہتی تھی۔

WAQAR AZEEM www.pakistanipoint.com

ڈنر کے بعد وہ دونوں ساحل سمندر پر چلے آئے وہ دونوں وہاں ساحل کنارے چہل قدمی کر رہے تھے ہوا میں خنکی تھی جو بہت بھلی معلوم ہو رہی تھی۔

''زرناب میں تم کو کیسا لگتا ہوں؟'' زنیر کے اس طرح اچانک سوال پر زرناب اس کو حیرانگی سے دیکھنے لگی۔

''میرا مطلب ہے کیا میں تمہیں پسند ہوں۔'' وہ اس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے بولا۔

ان دونوں کی دوستی بہت اچھی تھی مگر ان کے درمیان کبھی اس حوالے سے بات نہیں ہوئی تھی آج اسے اس طرح سے بات کرتے دیکھ کر زرناب کو لگ رہا تھا وہ غش کھا کر گر پڑے گی۔

''میں جانتا ہوں تم حیران ہو رہی ہو مگر میں بہت عرصے سے تمہارے لیے یہ جذبات محسوس کر رہا تھا مگر میں مناسب وقت کا انتظار کر رہا تھا جب میں اپنے ماں باپ سے تمہارے لیے بات کر سکوں اور اب جب میں نے اپنے والدین سے بات کر لی ہے اور ان کو کوئی اعتراض نہیں تو اب سوچا تم سے پوچھ لوں کے آیا تم بھی میرے لیے یہ جذبات رکھتی ہو یا نہیں۔'' وہ اس کی بات پر شرما کر منہ جھکا گئی زنیر کو اس کے سوال کا جواب مل گیا تھا وہ مسکرا دیا تھا۔

''کافی دیر ہوگئی اب ہمیں چلنا چاہیے۔'' وہ ساحل سمندر پر بڑھتا اندھیرا دیکھ کر ہوا سے اڑتے بالوں کو سمیٹتی ہوئی بولی۔

''ہاں چلو.....'' وہ اس کے ساتھ آگے بڑھ گیا کے زرناب کو محسوس ہوا دو آنکھیں اسے گھور رہی ہے اس نے پلٹ کر دیکھا تو دور کھڑا ایک آدمی گھور گھور کر زرناب کو دیکھ رہا تھا جس پر زرناب گھبرا کر تیزی سے آگے بڑھ گئی وہ اسے باہر سے ہی ڈراپ کر کے چلا گیا تھا۔

کمرے میں آ کر کپڑے چینج کرنے لگی وہ آئینے کے سامنے کھڑی گنگناتے ہوئے اپنا میک اپ صاف کر رہی تھی کہ اچانک اس کے ساتھ کوئی مردانہ آواز میں گانے لگا وہ خوفزدہ سی ہو کر چپ ہو کر ادھر ادھر دیکھنے لگی کہ یہ آواز کہاں سے آ رہی ہے مگر وہ آواز بھی اس کے چپ ہوتے ہی رک سی گئی تھی۔

اس کے ہاتھ خوف سے سرد ہو رہے تھے اسے لگا یہ آواز بیڈروم کی کھڑکی کے باہر سے آئی ہے وہ آہستگی سے بیڈروم کی کھڑکی تک گئی اور دھیرے سے پردہ ہٹا کر سیاہ گھور اندھیرے میں دیکھنے لگی۔

''لان کی لائٹس کیوں آف ہے؟'' وہ سوچنے لگی کیونکہ جب وہ گھر آئی تھی لائٹس کھلی ہوئی تھیں بیڈروم سے نظر آتا لان جس میں رکھا جھولا اسے چاند کی روشنی میں دھیرے دھیرے ہلتا محسوس ہوا تھا۔

زرناب جو ابھی حیرت سے ہلتے جھولے کو دیکھ رہی تھی اس کو ایسا لگا جھولے پر کوئی بیٹھا ہو وہ سمجھی اس کا وہم ہے اس نے غور کیا تو سفید کپڑوں میں کوئی اس جھولے پر بیٹھا اس کی ہی جانب دیکھ رہا تھا زرناب نے خوف سے جھرجھری سی لی اس نے گھبرا کر پردہ تیزی سے ڈھک دیا اس سے پہلے وہ خود پر قابو پاتی دروازے پر ہونے والی دستک نے اسے ہلا دیا زرناب نے ڈرتے ڈرتے پردہ تھوڑا سا ہٹا کر لان میں دیکھا تو وہاں اب کوئی نہ تھا مگر دروازے پر ہنوز دستک جاری تھی اس کا خوف کے مارے دم خشک ہو رہا تھا کہ اس کے ساتھ یہ کیا ہو رہا ہے صبح ہوتے ہی اس نے اپنی ملازمہ شاکرہ کو فون کر دیا کہ وہ آجائے دو دن ہو گئے اب اگر نہیں آئی تو وہ اسے کام سے ہٹا دے

WAQARAZEEM
www.pakistanipoint.com

سخن زار

غزل

محرومیوں کے سائے میں کاٹی ہے زندگی
کتنی گزار لی مگر باقی ہے زندگی
ہے زہر سے بھرا ہوا ہر روز زیست کا
اور قطرہ قطرہ روز پلاتی ہے زندگی
ہم اچھا کریں یا بھلا، ملتی ہے برائی
ہر روز نیا تیر کھلاتی ہے زندگی
ظلم و ستم نے ہائے میری جان نکال دی
ہم مر چکے ہیں پر جیے جاتی ہے زندگی
وہ اور لوگ ہوں گے جنہیں زندگی ہے راس
ہم کو تو آٹھ آنسو رلاتی ہے زندگی
دریا پہ پہنچ کے بھی نہ سیراب ہو سکے
ہر آن جس کو پیچھے بھگاتی ہے زندگی
جو شخص جیے اوروں کی خاطر تمام عمر
دونوں جہاں اسی کے بناتی ہے زندگی
ہم تو بتول جان لیے اس کی اصلیت
تھکتا ہے جو بھی اس کو تھکاتی ہے زندگی

شاعرہ: نازیہ بتول رضا

غزل

حرف ناممکن جو تھا، ممکن بنایا آپؐ نے
سنجیدہ تھا جو صدیوں سے اٹھایا آپؐ نے
تیرگی تھی، گمرہی تھی ہر طرف پھیلی ہوئی
راستہ کھوتا ہوا ہم کو دکھایا آپؐ نے
پھول تھے مسلے ہوئے مہر وفا کے ہر طرف
از سر نو باغ ہستی کو سجایا آپؐ نے
غیر کو اپنوں کے اوپر فوقیت بخشی گئی
حق محبت کا ادا کرکے دکھایا آپؐ نے
در گزر کی منزلت کو اور آساں کردیا
دشمن جاں کو گلے ہنس کر لگایا آپؐ نے
ناخدائی بھی خدا نے ختم کی ہے آپؐ پر
ڈوبی کشتی کو کنارے پر لگایا آپؐ نے
اپنے ہاتھوں سے ہٹا کر گرد ماہ و سال کی
جو پس منظر تھا وہ منظر دکھایا آپؐ نے
معجزہ جو ہو، سو ہو، ہے یہ ورق تاریخ کا
دشمنوں کے دل میں اپنا گھر بنایا آپؐ نے
ڈھونڈتا ہے چرغ کہنہ آج بھی اس کی مثال
جام وحدت جو زمانے کو پلایا آپؐ نے

شاعر: جاوید اقبال ستار

غزل

رات بیٹھا تھا مرے پاس خیالوں میں کوئی
انگلیاں پھیر رہا تھا مرے بالوں میں کوئی
دیدہ تر نے بڑی دیر میں پہچانا اُسے
روپ کھو بیٹھا ہے دو چار ہی سالوں میں کوئی
غمزدہ شب کی گلوگیر ہوا کہتی ہے
یاد کرتا ہے مجھے جاگنے والوں میں کوئی
میں شب شہر میں تھا اور اُدھر گاؤں میں
جلتی شمعیں لیے پھرتا رہا گالوں میں کوئی
ہم اندھیروں کے مکیں اُن کو نظر نہ آسکے
اِس قدر محو رہا اپنے اُجالوں میں کوئی
ہجر نے اتنا ستایا ہے کہ جی چاہتا ہے
کاش مل جائے ترے چاہنے والوں میں کوئی

شاعر: مقبول عامر

WAQAR AZEEM
www.pakistanipoint.com

گی۔

درحقیقت زرناب بہت زیادہ ڈر گئی تھی پہلے بھی شاکرہ چھٹیوں پر جاتی تھی زرناب کو کبھی ڈر نہیں لگا مگر اس بار جو کچھ ہو رہا تھا وہ حیران تھی کیونکہ ایسا کبھی نہیں ہوا تھا اس لیے اب وہ چاہتی تھی شاکرہ واپس آجائے تاکہ اسے اتنا ڈر نہ لگے۔

''مما مجھے زنیر نے پرپوز کیا ہے۔'' اگلے دن فریال کی کال آئی تو وہ خوشی خوشی ماں کو بتانے لگی۔

''یہ تو بہت اچھی بات ہے۔'' فریال نے اس کی بات پر خوشی اظہار کیا۔

''اس کے والدین جب آپ سے ملنے کا بولیں گے تو میں آپ کو بتادوں گی۔''

''ہاں بیٹا میں اور تمہارے پاپا ویسے بھی تمہارے پاس پاکستان آنا چاہ رہے ہیں اچھا ہے اس ہی بہانے ہم زنیر اور اس کے والدین سے بھی مل لیں گے۔'' فریال زرناب سے بولیں۔

کیا میں مما کو سب بتادوں کے پچھلے ایک ہفتے سے بہت کچھ عجیب ہو رہا ہے میرے ساتھ وہ دل میں سوچنے لگی نہیں رہنے دیتی ہوں کیا فائدہ وہ وہاں بیٹھے پریشان ہوجائیں گی وہ بتانے کا ارادہ ملتوی کرگئی تھوڑی دیر بعد ادھر ادھر کی بات کر کے اس نے فون بند کردیا رات تک شاکرہ آگئی تھی جس پر زرناب نے سکون کا سانس لیا۔

''شاکرہ دیکھو اب چھٹی پر مت جانا زرناب اسے اپنے سامنے دیکھ کر بولی باجی بے فکر رہیں وہ تو میری بھتیجی کی شادی تھی تو چھٹی لی تھی اب کہیں نہیں جانے والی میں۔'' وہ شاکرہ کی بات پر مطمئن ہوگئی۔ شاکرہ باورچی خانے میں کام کر رہی تھی کہ زرناب لان میں آکر واک کرنے لگی رات کے دس بج رہے تھے کہ اس کے ہاتھ میں سیل فون بجا اسکرین پر زنیر کا نام جگمگا رہا تھا مسکراتے ہوئے زرناب نے کال اٹھالی۔

''کہاں ہو زرناب.....'' وہ اس کی آواز سنتے ہی بولا۔

''میں گھر میں ہوں خیریت تو ہے۔''

''ہاں سب خیریت ہے کیا خیال ہے کہیں باہر چلیں۔''

''زنیر اس وقت.....؟'' وہ اچنبھے سے بولی۔

''ہاں تو اس میں کیا قباحت ہے۔'' وہ اس سے بولا۔

''کوئی مسئلہ نہیں ہے بس تم ریڈی رہو میں آرہا ہوں۔'' وہ کال بند کرتے ہوئے بولا۔

''اُف سنی بھی نہیں بات میری بس حکم دے کر بند کردیا۔'' وہ منہ بناتی زیر لب بولی اور اندر کی جانب بڑھ گئی اپنے کمرے میں جاکر وہ جلدی جلدی تیار ہونے لگی تیار ہوکر وہ کمرے سے باہر آئی تو شاکرہ باورچی خانہ صاف کر کے نکل رہی تھی۔

''شاکرہ مجھے کچھ دیر ہوجائے گی میں باہر جارہی ہوں۔'' وہ اسے بتاتے ہوئے باہر نکل گئی جہاں زنیر گاڑی میں اس کا انتظار کر رہا تھا۔

''پتا نہیں زنیر ایسا کیوں ہونے لگا ہے اب کہ میں اپنے ہی گھر میں خوفزدہ ہوگئی ہوں یقین جانو شاکرہ کے آنے سے کسی حد تک میرا خوف ختم ہوگیا ہے ورنہ مجھے لگتا ہے باہر بھی کوئی ہے جو میرے تعاقب میں ہے۔'' وہ ڈنر کے دوران اسے بتانے لگی۔ اس کی بات سن کر وہ گہرا سانس بھر کے رہ گیا۔

''شاکرہ آگئی ہے اب تمہیں ڈر نہیں لگے گا اکیلا انسان چلتی ہوا سے بھی خوفزدہ ہوتا ہے۔'' وہ اس کے ہاتھ پر ہاتھ رکھ کے تسلی دیتے ہوئے اسے بولا۔

رات دیر گئے وہ گھر لوٹی گھر میں داخل ہوتے

WAQAR AZEEM
www.pakistanipoint.com

ہی اسے لگا لان میں کوئی کھڑا ہے وہ سمجھی شاکرہ ہے وہ تھوڑی آگے بڑھی تو کوئی کیاری کے پاس کھڑا تھا۔

''مجھے پتا ہی نہیں تھا تم اتنا چاہتی ہو مجھے.....''

مردانہ آواز پر وہ سرپٹ اندر دوڑی اندر داخل ہوئی تو شاکرہ اسے سوتی نظر آئی اس کا دل چاہا وہ شاکرہ کو اٹھا دے اور بولے کمرے میں اس کے ساتھ آکر سو جائے وہ خاموشی سے اپنے کمرے میں آگئی کمرے میں آکر وہ کپڑے تبدیل کر کے بیڈ پر لیٹ گئی وہ کافی خوف زدہ سی لیٹی تھی اسے کچھ سمجھ نہیں آرہا تھا سوچتے سوچتے اس کی آنکھ لگ گئی۔

رات کو زرناب کی آنکھ کسی کی آواز سے کھلی وہ گھبرا کے بیٹھ گئی، کمرے میں اسے لگا کوئی ہے۔

''کون.....کون ہے؟'' وہ کانپتی آواز میں بولی۔

''مجھے پتا ہی نہیں تھا اتنی محبت کرتی ہو۔''

آواز کے تعاقب میں زرناب نے ڈرتے ڈرتے نگاہ ڈالی تو بیڈروم کی کھڑکی کے پاس کوئی کھڑا باہر کی جانب دیکھتے ہوئے بولا زرناب دھندلائی نظروں سے سامنے دیکھنے لگی اس کا دماغ بالکل ماؤف ہو چکا تھا وہ جو کوئی بھی تھا چلتے چلتے زرناب کے پاس آکر کھڑا ہو گیا تھا۔

زرناب کو وہ شخص ٹھیک سے دکھائی بھی نہیں دے رہا تھا اسے اپنا دل رکتا ہوا محسوس ہوا وہ چکرا کر وہیں بیڈ پر گر گئی۔

اس کی جب آنکھ کھلی تو اس کے برابر شاکرہ بیٹھی تھی اور زنیر اس کے سامنے فکرمندی سے کھڑا اسے ہی دیکھ رہا تھا وہ اٹھنے کی کوشش کرنے لگی۔

''لیٹی رہو تمہیں آرام کی ضرورت ہے۔'' اسے اٹھتا دیکھ کر جلدی سے زنیر بولا۔

''ڈاکٹر نے کہا ہے ذہنی دباؤ ہے۔'' زنیر بتانے لگا۔

وہ ذہن پر زور ڈالنے لگی تو رات والا واقعہ پوری آب و تاب سے اس کے ذہن کی اسکرین پر نمودار ہو گیا۔

''باجی جب میں صبح آپ کو اٹھانے آئی تو آپ کو بیہوش پایا اس ہی وقت زنیر صاحب کی کال آرہی تھی تو میں نے ان کو بتایا پھر انہوں نے ڈاکٹر صاحب کو بلایا۔'' شاکرہ اسے ساری تفصیل بتانے لگی جس پر زرناب ممنونیت سے زنیر کو دیکھنے لگی۔

''شاکرہ جاؤ تم دوپہر کے کھانے کا انتظام کرو زنیر یہی کھائے گا اور میرے لیے پلیز بس سوپ بنا لینا میرا کچھ اور دل نہیں ہے۔'' وہ اسے وہاں سے ہٹانا چاہ رہی تھی تاکہ آرام سے زنیر کو رات والی بات بتا سکے وہ نہیں چاہتی تھی کے شاکرہ کو بھنک بھی پڑے اور وہ خوفزدہ ہو کر یہاں سے چلی جائے شاکرہ حکم کی تعمیل کرتی ہوئی چلی گئی وہ آرام سے زنیر کو رات والی بات بتا گئی جس پر زنیر سوچوں میں گم ہو گیا۔

''کیا سوچ رہے ہو۔'' وہ اسے سوچوں میں مستغرق دیکھ کر بولی۔

''میری مانو تو آنٹی انکل کو بلا لو تمہارا یوں اکیلے رہنا مناسب نہیں۔'' زنیر کی بات پر وہ اثبات میں سر ہلانے لگی اور کچھ دنوں بعد فریال اور مقصود پاکستان آگئے اس نے ان سے اس بارے میں کوئی بات نہیں کی تھی۔

''زرناب بیٹا میں آجاؤں وہ ابھی شوٹ سے واپس آئی تھی اور اب اپنے کمرے میں آرام کر رہی تھی کہ فریال اس کے کمرے میں جھانکتی ہوئی بولیں۔

''ارے مما پوچھنے کی کیا بات ہے۔'' وہ اٹھ کر بیٹھتے ہوئے بولی۔

WAQAR AZEEM
www.paksanipoint.com

''بیٹا آج زنیر کی مما کی کال آئی تھی وہ چاہتی ہیں کے جلدی شادی کردی جائے تم دونوں کی۔'' وہ زرناب کو بتانے لگی کچھ دنوں پہلے ہی زرناب اور زنیر کی منگنی ہوئی تھی۔

''مما مگر ابھی تو منگنی ہوئی ہے شادی اتنی جلدی کیوں.....؟'' وہ حیرانگی سے بولی۔

''اچھا ہے میں اور تمہارے پاپا چاہتے ہیں کہ ہم اب شادی کے بعد ہی امریکہ جائیں۔''

''سچی بات بولوں تو مجھے بھی سکون آجائے گا ورنہ وہاں بیٹھے میں بہت پریشان رہتی ہوں کہ تم یہاں بالکل اکیلی ہو اگر تمہارا یہ شوق نہ ہوتا میں کبھی تمہیں یوں اکیلے رہنے کی اجازت نہ دیتی۔'' فریال کے فکرمند انداز پر زرناب کو بے اختیار اپنی ماں پر پیار آیا وہ محبت سے فریال کے گلے لگ گئی۔

''خیر تو ہے آج بہت پیار آرہا ہے؟'' فریال کے شرارت سے کہنے پر زرناب کو ہنسی آگئی۔

☆.....☆.....☆

''میڈم آپ ریڈی ہیں شوٹ کے لیے.....؟'' سلمان زرناب سے آکر پوچھنے لگا جو میک اپ روم میں بیٹھی بنٹی سے فائنل ٹچ کروا رہی تھی۔

''ہاں بس میں آتی ہوں پانچ منٹ میں۔'' وہ بولی جس پر وہ سر ہلا کر واپس چلا گیا۔

''ڈن.....'' بنٹی مسکراتے ہوئے بولا۔

''واؤ تم نے مجھے کتنا حسین بنا دیا۔'' وہ اپنے آپ کو آئینے میں دیکھتے ہوئے بولی۔

''حسین تو تم ہو۔'' بنٹی سادگی سے بولا جس پر وہ مسکراتے ہوئے کھڑی ہوگئی اس سے پہلے بنٹی زرناب سے کچھ بولتا اس کا سیل بجنے لگا وہ ایکسکیوز کرتے ہوئے باہر نکل گیا۔

''میڈم ابھی سر بول رہے ہیں تھوڑی دیر لگے گی آپ کو بلا لیں گے۔'' وہ جو روم سے باہر نکلنے والی تھی سلمان کی بات پر رک گئی اور اس کے جانے کے بعد وہیں کرسی پر بیٹھ کر آنکھیں موند گئی تھوڑی دیر بعد بنٹی کمرے میں آکر اس کے بال دوبارہ درست کرنے لگا۔

''ٹھیک تو ہے بال یار.....'' وہ آنکھیں بند کیے بولی اب وہ اس کا اب میک اپ ٹھیک کر رہا تھا کہ اسے بہت زور کی جھرجھری سی آئی اسے لگا کسی نے برف کی سل اس کے گال پر رکھ دی ہو وہ ہاتھ نہیں تھے برف تھی زرناب نے گھبرا کر آنکھیں کھول دی اس کی آئینے پر نظر گئی تو خوف سے چیخ اس کے لبوں پر دم توڑ گئی وہ کوئی اور تھا جو سفید لباس میں اس پر جھکا اس کے گالوں پر ہاتھ رکھے کھڑا تھا۔

''میڈم آجائیں۔'' دروازہ کھول کر سلمان اندر آیا تو وہ غائب ہوگیا۔

''ہاں آتی ہوں۔'' وہ بے ربط لہجے میں بولی وہ باہر آگئی۔

''زرناب لگ رہا ہے تمہاری طبیعت ٹھیک نہیں۔'' ڈائریکٹر اس کے چہرے پر اڑتی ہوائیاں دیکھ کر بولا۔

''جی میری طبیعت ٹھیک نہیں۔'' وہ ماتھے پر آتے پسینے صاف کرتے ہوئے بولی۔

''اچھا چلو آج رہنے دیتے ہیں جب تمہاری طبیعت ٹھیک نہیں۔'' ان کی بات پر وہ تشکر بھری نظروں سے ان کو دیکھنے لگی۔

''گھر جاؤ آرام کرو۔'' وہ ان کی بات پر شکریہ بولتی ہوئی وہاں سے نکل گئی۔

وہ جانتے تھے اس کی طبیعت ٹھیک نہیں ورنہ زرناب بہت محنتی لڑکی ہے کبھی اپنے کام میں غیر سنجیدہ نہیں ہوئی وہ گھر آئی تو اسے فریال اور مقصود نظر نہیں آئے وہ شاکرہ سے پوچھنے لگی۔

WAQAR AZEEM www.pakistanipoint.com

"وہ جی شادی کے کارڈ دینے گئے ہیں۔"

"اچھا پلیز مجھے ایک کپ چائے بنا دو بہت سر میں درد ہو رہا ہے۔" وہ کہتی ہوئی کمرے کی جانب بڑھ گئی ایسا کیوں ہے اور کون ہے وہ جو مجھے نظر آ رہا ہے نہ صرف گھر میں بلکہ کہیں اور بھی وہ بیڈ پر نیم دراز سر تھامے سوچ رہی تھی اس کا سر درد سے پھٹ رہا تھا وہ چائے پی کر دوائی کھا کر سو گئی تھی رات تک وہ سو کر اٹھی تو خود کو کافی فریش محسوس کر رہی تھی۔

"بیٹا ہم نے سوچا ہے یہ گھر آپ کو گفٹ کر دیں۔" رات کھانے کی ٹیبل پر مقصود زرناب سے بولے۔

"پاپا مجھے نہیں چاہیے یہ گھر......" زرناب کے بولنے پر مقصود اور فریال حیرانگی سے اسے دیکھنے لگے۔

"میرا مطلب ہے پاپا میں کیا کروں گی میں تو شادی ہو کر اپنے سسرال چلی جاؤں گی اور زنیر کی فیملی اتنی اچھی ہے کہ میں کیوں الگ رہوں گی اور پھر زنیر کو کسی چیز کی تنگی بھی نہیں۔" وہ جلدی سے بات بناتے ہوئے بولی۔

"بیٹا بیٹی چاہے محل میں بھی بیاہ کر جا رہی ہو مگر ماں باپ اپنی استطاعت کے مطابق ضرور اپنی بیٹی کو تحفہ دیتے ہیں۔" مقصود زرناب سے شفقت سے بولے۔

"پاپا آپ یہ گھر بیچ کر ان پیسوں سے مجھے کچھ بھی گفٹ کر دیں مگر یہ گھر نہیں۔" وہ بولی۔

"بیٹا گھر کی قیمت تو بڑھتی رہتی ہے اور جب گھر بھی اچھی لوکیشن پر ہے تو اس کی ویلیو بھی بڑھے گی آپ آگے جا کر آرام سے بیچ دینا پڑا رہنے دو آپ کو کہہ رہا ہے یہ گھر......" فریال زرناب کو سمجھاتے ہوئے بولی۔

"نہیں مما پلیز نہ......" وہ اپنی بات پر مصر تھی۔

"چلو بحث نہ کرو جس میں میری بیٹی خوش۔" مقصود بیوی کو اشارے سے منع کرتے ہوئے بولا جس پر فریال چپ ہو گئیں۔

"کیا بات ہے زرناب تمہارے پاپا یہ گھر تم کو گفٹ کرنا چاہتے ہیں اور تم انکار کر رہی ہو جہاں تک مجھے یاد پڑتا ہے تمہیں تو یہ گھر بہت پسند تھا۔" رات فریال اس کے کمرے میں آئیں تو اس سے بولیں۔

"بس مما کوئی خاص وجہ نہیں میں چاہتی ہوں آپ لوگ کوئی یونیک سا گفٹ دیں۔" وہ شرارت سے بولی اور جلدی سے کوئی اور بات شروع کر دی وہ چاہتی تھی کہ فریال اس کی طرف سے بالکل پریشان نہ ہو اور ویسے بھی شادی میں کتنے دن رہ گئے تھے زرناب چاہتی تھی فریال جب واپس امریکہ جائیں تو خوش باش جائیں کوئی واہمہ اپنے دل میں لے کر نہ جائیں۔

☆......☆......☆

"بس اب تھک گئے بھوک بھی لگ رہی ہے کچھ کھا نہ لیں؟" زرناب ہاتھ میں شاپنگ بیگز پکڑے زنیر کے ساتھ مال سے نکلتی ہوئی بولی۔

"ہاں چلو سامنے ہی ریسٹورنٹ ہے وہاں چلتے ہیں تم رکو میں گاڑی میں یہ سامان رکھ آؤں۔" وہ اس کے ہاتھ سے بیگز لیتے ہوئے آگے بڑھ گیا دو دن بعد زرناب کے گھر مہندی کا فنکشن تھا۔

وہ وہاں کھڑی ادھر ادھر دیکھ رہی تھی کہ اس کے برابر کوئی آ کر کھڑا ہو گیا وہ اپنے برابر دیکھنے لگی وہ جو کوئی بھی تھا سر جھکائے کھڑا تھا۔

"اتنی محبت کرتی ہو مجھ سے......" اس آواز پر زرناب کو ریڑھ کی ہڈی میں سنسناہٹ سی محسوس

WAQAR AZEEM
www.pakistanipoint.com

ہوئی وہ زرناب کو سر اٹھا کر دیکھنے لگا وہ وہی تھا جو اس کے گھر میں بھی تھا اور وہاں میک اپ روم میں بھی تھا۔

''کدھر ہو یار کب سے آوازیں دے رہا ہوں۔'' زنیر کی آواز پر وہ چونک کر اسے دیکھنے لگی اب اس کے برابر کوئی نہ تھا۔

''کہاں گم تھی میڈم اتنی دیر سے بلا رہا تھا۔'' وہ اس کے ساتھ ریسٹورینٹ کی جانب بڑھتے ہوئے بولا۔

''میں اسے بتاؤں ابھی میرے ساتھ کیا ہوا تھا؟'' زرناب سوچنے لگی نہیں۔

''چھوڑو یہ نہ ہو زنیر مجھ سے بیزار ہو جائے کہ میں ہر وقت یہی باتیں کرتی ہوں۔'' وہ سوچنے لگی اور پھر وہ وہاں ہوٹل میں اس سے ادھر ادھر کی باتیں کر کے اپنا ذہن بٹانے کی کوشش کرنے لگی۔

''ماشاءاللہ کس قدر پیاری لگ رہی ہے میری بیٹی۔'' زنیر کی والدہ مایوں کے لباس میں سجی سنوری زرناب کو پیار کرتے ہوئے بولیں آج زرناب کے گھر میں مہندی کا فنکشن تھا۔

مہمانوں سے گھر کھچا کھچ بھرا ہوا تھا لان کو برقی قمقموں سے سجایا گیا تھا پورے گھر کی سجاوٹ دیکھنے والی تھی فریال اور مقصود نے اپنی اکلوتی بیٹی کی شادی میں کوئی کسر نہ چھوڑی تھی۔

''سنو باہر چلیں۔'' وہ جو لان سے اندر کی جانب بڑھ رہی تھی زنیر کے شرارت سے کہنے پر اس کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔

''رات کے ایک بجے دماغ تو ٹھیک ہے۔'' وہ بولی۔

''پلیز نہ میں بس اس وقت کو تمہارے ساتھ محسوس کرنا چاہتا ہوں۔'' وہ ملتجی لہجے میں بولا۔

''وہ تو ٹھیک ہے مگر زنیر مما اس وقت جانے سے خفا ہوں گی۔'' وہ اس کو سمجھاتے ہوئے بولی۔

''ہم بس تھوڑی دیر میں آ جائے گے یوں گئے اور یوں آئے کسی کو پتا بھی نہیں چلے گا۔'' وہ اس کا ہاتھ تھام کے باہر دروازے کی جانب جاتے ہوئے بولا۔

''بہت ضدی ہو تم مگر زیادہ دیر نہیں لگانا۔'' وہ اس کے ساتھ باہر آتے ہوئے بولی۔

''یہ کیا گاڑی میں نہیں چلو گے۔'' وہ اسے پیدل چلتے دیکھ کر بولی۔

''نہیں چہل قدمی کرتے ہوئے چلتے ہیں۔'' وہ اس کی بات پر مسکراتے ہوئے چلنے لگی۔

''بہت خوبصورت لگ رہی ہو۔'' وہ اسے مایوں کے لباس میں دیکھتے ہوئے بولا۔

وہ ہاتھوں سے کھلے بالوں کا جوڑا بنا کر ان کو سمیٹ رہی تھی کہ رات کی خاموشی میں اس کی چوڑیوں کی کھنک صاف سنائی دے رہی تھی۔

''ہم کہاں جا رہے ہیں؟'' وہ انجان راستوں کی طرف اس کے ساتھ جاتے ہوئے بولی۔

''یہ کہاں آ گئے ہم.....'' وہ قبرستان دیکھتے ہوئے خوفزدہ سی ہوئی۔

''آؤ تم کو ایک چیز دکھاؤں۔'' زنیر کی بات پر حق دق زرناب اسے دیکھنے لگی۔

''تمہارا دماغ درست ہے رات کے اس پہر تم مجھے قبرستان لے آئے وہ بھی اس حال میں.....'' وہ اپنے لباس کی جانب اشارہ کرتے ہوئے درشتگی سے بولی اسے اس وقت زنیر پر انتہا کا غصہ تھا۔

''یہ دیکھو یہ کیا ہے؟'' وہ اس کو تھوڑا سا آگے لے کر بڑھا اور ایک قبر کی جانب اشارہ کرتے ہوئے بولا زرناب کو بہت زور کا چکر آیا تھا یہ وہی عاطف نام کی قبر تھی جہاں اس کے ڈرامے کی شوٹنگ ہوئی تھی۔

WAQAR AZEEM www.pakistanipoint.com

"جب اتنا پیار کرتی ہو تو میرے پاس کیوں نہیں آجاتی تم نے ہی تو بولا تھا کہ میں تمہارے بغیر کیسے رہوں گی۔" سرد آواز پر زرناب نے اپنے برابر دیکھا تو اسے اپنا دل بند ہوتا محسوس ہوا

"میں ہی ہوں عاطف جس کی قبر پر تم تڑپ تڑپ کر روئی تھی تمہیں اس طرح سے اپنی قبر پر روتا دیکھ کر میں بے چین ہو گیا تھا آجاؤ میرے پاس۔" وہ اس کی جانب ہاتھ بڑھاتے ہوئے بولا۔

زرناب کی آنکھوں تلے اندھیرا چھانے لگا تھا وہ زمین پر گرتی چلی گئی۔

"آنٹی زرناب کہاں ہے۔" زنیر فریال کے پاس آتے ہوئے بولا۔ اسے کافی دیر سے وہ نظر نہیں آرہی تھی وہ اسے ڈھونڈتے ہوئے فریال کے پاس چلا آیا تھا۔

"مجھے بھی کافی دیر سے نظر نہیں آرہی۔" فریال فکرمندی سے بولیں تھوڑی دیر بعد پورا گھر ہی زرناب کو ڈھونڈ رہا تھا فریال کا رو رو کے برا حال تھا مقصود بھی کم پریشان نہ تھے زنیر فکرمندی سے اس کے سیل پر کال کرنے لگا تھا مگر اس کا فون گھر پر ہی تھا۔

"کہاں چلی گئی۔" زنیر کی حالت بھی دیکھنے والی تھی۔

"میں باہر جاتا ہوں دیکھنے......" زنیر مقصود سے بولا۔

"رکو بیٹا ہم بھی چل رہے ہیں۔" جمال صاحب زنیر کے والد مقصود کے ساتھ آتے ہوئے بولا اس سے پہلے وہ تینوں گاڑی میں بیٹھتے کے برابر گلی میں جو کرنل سلطان رہتے ہیں وہ آگئے۔

"مقصود صاحب اتنی رات کو میرے گارڈ نے زرناب کو قبرستان کے راستے پر اکیلے جاتا دیکھا اس نے مجھے بتایا تو میں اس پر غصہ ہوا کے ایسا کیسے ہو سکتا ہے مگر میری بیگم نے بولا جا کر آپ پوچھ کر آئیں خیریت ہے نا؟"

"کیا قبرستان کے راستے کی جانب جاتے دیکھا ہے۔" زنیر کی چھٹی حس کچھ غلط ہونے کا اشارہ دے رہی تھی وہ چاروں قبرستان پہنچیں زنیر کی نظر قبر کے پاس سر رکھے وجود پر پڑی اس نے برق رفتاری سے اسے سیدھا کیا تو وہ زرناب تھی وہ ساکت نظروں سے اسے دیکھ رہا تھا وہاں وہ چاروں نفوس ہی ساکت تھے۔

یہ اس ہی عاطف نام کی قبر تھی جدھر ان لوگوں کے ڈرامے کا اینڈ ہوا تھا اور اب زرناب کی زندگی کا اختتام بھی یہی ہو گیا تھا۔

شادی والا گھر موت کا گھر بن چکا تھا زرناب کی موت کو ایک ماہ ہو گیا تھا اس ایک ماہ میں مقصود بالکل ٹوٹ کے رہ گئے تھے اور فریال کی حالت بہت زیادہ بری تھی اس ایک ماہ کے دوران وہ کتنی ہی بار ہسپتال پہنچ گئی تھیں زنیر بھی بالکل ڈھے چکا تھا اسے یقین ہی نہیں آتا تھا کہ زرناب اب نہیں رہی۔

فریال کے گھر کرنل سلطان اپنی بیگم کے ساتھ آئے ہوئے تھے زنیر بھی وہاں اپنے والدین کے ساتھ موجود تھا کہ چلتے چلتے مسز سلطان بولیں۔

"جس قبر پر زرناب بیٹی ملی تھی وہ میرے بھانجے عاطف کی قبر تھی عاطف کی موت آج سے تین سال پہلے اس کی شادی سے دو دن پہلے ایک کار ایکسیڈنٹ میں ہوئی تھی۔" ان کی بات پر زنیر چونک کر ان کو دیکھنے لگا۔

"جس لڑکی سے عاطف کی شادی ہو رہی تھی اس لڑکی نے شادی سے دو دن پہلے یہ کہہ کر انکار کر دیا تھا کہ وہ عاطف کو پسند نہیں کرتی اس وقت عاطف کے گھر مہندی کا فنکشن تھا مہمانوں سے گھر

WAQAR AZEEM www.pakistanipoint.com

سوال نامہ برائے رائٹر/ ریڈرز

☆.....آج کل زندگی کیا کہہ رہی ہے؟

☆.....ماضی کے جھرکوں کو وا کرنے پر کیسا محسوس کرتی ہیں/کرتے ہیں؟

☆.....لکھنے کا آغاز کب کیا اور کیا مطمئن ہیں آج کل جو چھپ رہا ہے اُس سے؟

☆.....تبدیلی پر یقین رکھتی ہیں/رکھتے ہیں؟

☆.....کون سے ایسے رویے ہیں جو دکھ دیتے ہیں؟

☆.....سردیوں کی بارش سے خوشی محسوس ہوتی ہے یا یاد کے جگنو آنکھوں کو نم کر دیتے ہیں؟

☆.....فلموں سے دلچسپی ہے؟ کیسی فلمیں پسند ہیں؟

☆.....کیسے لوگ اچھے لگتے ہیں، زندگی سے کیا سیکھا؟

☆.....سچی کہانیاں/ دوشیزہ کا ساتھ کیسا پایا؟

WAQAR AZEEM
www.pakistanipoint.com

بھرا ہوا تھا جب یہ بات پتا چلی عاطف کو مہمانوں کے سامنے بہت سبکی محسوس ہوئی وہ اس وقت سب کی سوال کرتی نظروں سے بچنے کے لیے گھر سے نکل گیا۔

میرے وہ بہت قریب تھا اس وقت اس نے مجھ سے بس جانے سے پہلے ایک بات کہی تھی۔

''خالہ کیا کوئی ایسا نہیں جو مجھ سے میری ہی طرح سے محبت کرے۔''

وہ اس وقت بہت شاکڈ کی کیفیت میں تھا اور تھوڑی دیر بعد ہمیں یہ خبر ملی کے عاطف کا ایکسیڈنٹ ہوگیا ہم سب جب پہنچے تو وہ انتقال کر چکا تھا۔

''کچھ ماہ پہلے میرا دو تین بار رات کے وقت آپ کے گھر کے پاس سے گزر ہوا تو میں نے عاطف کو آپ کے گھر کے باہر دیکھا تھا جس پر میں خود بے یقین تھی کے ایسا کیسے ہوسکتا ہے۔''

''میں نے اس کو اپنا وہم قرار دیا تھا مگر جب میں نے دوبارہ دیکھا تو میں اس کی جانب لپکی تو وہ غائب ہوگیا تھا۔''

''یہ میرے لیے بہت حیران کن بات ہے۔ایسا کیسے ہوسکتا ہے ایک بندہ مرنے کے بعد یوں نظر آئے اور وہ بھی آپ کے گھر کے باہر اس کا آپ کے گھر سے کیا تعلق مگر جب سلطان نے اس کی قبر پر زرناب بیٹی کو مردہ حالت میں دیکھا تھا تو مجھے کچھ عجیب سا احساس ہوا تھا۔'' اتنا کہہ کر مسز سلطان ٹشو سے اپنی آنکھوں میں آئے آنسوؤں کو صاف کرنے لگیں۔

زنیر نے نظر اٹھا کر زرناب کے کمرے کے بند دروازے کی جانب دیکھا اور بوجھل قدموں سے اٹھ کر باہر آ گیا۔

❑❑.....❁.....❑❑

غزل

کل خوابوں کی نگری سے جب نکلا میں
میرا خالی کمرہ تھا اور تنہا میں

تم کو منزل خود کو رستہ کر ڈالا
اپنی کھوج میں آخر کب تک رہتا میں

یادوں کی رِم جھم میں بھی تھی رسوائی
تجھ کو بھول گیا ہوں اور کیا کرتا میں

چند شکستہ تیغ و تیر تھے میرے پاس
ان سے لمبی بازی کیسے لڑتا میں

اُس کا میرا کیا رشتہ اور کیا ناتا
سمجھو ڈوبنے والا وہ اور تنکا میں

خود سے جیت کے خود کو کب تک دیتا مات
اپنے آپ سے کتنا آگے جاتا میں

یاد ہے اب تک مایوسی کی رات سمیر
ایک دیے کی خاطر کب تک ترسا میں

نعیم سمیر

WAQAR AZEEM
www.pakistanipoint.com

نوشہرو فیروز سے ارسال کردہ ڈراؤنی تحریر

جنی

کب آپ کا سامنا بھی کسی جنی سے ہو جائے' یہ سوچ کر ہی
جھرجھری آ جاتی ہے اس کے ساتھ بھی ایسا ہی ہوا تھا.....

شہزاد انور

''اس گھر میں جنات ہیں' یہ گھر آسیب زدہ ہے۔'' زبیدہ کے منہ سے یہ جملہ سن کر جی بھر کے ہنسنے کو دل چاہ رہا تھا۔ پر اس کو گھبرایا ہوا اور پسینے میں تر دیکھ کر ایسی کوئی بھی کوشش نہیں کی۔ ایک گھنٹہ پہلے ہی سامان لینے نکلا تھا تو پیچھے سے ایسی کیا واردات ہو گئی۔

''جناب ہوا کیا آخر؟'' میں نے زبیدہ کا ہاتھ پکڑ کر پوچھا ہاتھ پکڑتے ہی محسوس ہوا کہ اس کا جسم گرم ہے اسے بخار تھا۔ میں پریشان ہو گیا اس کی طبیعت میں آئی تبدیلی میری سمجھ سے باہر تھی۔ صبح کو تو بالکل ٹھیک تھی۔ زبیدہ کو برآمدے میں لے کر آیا۔ جہاں پر سولر فین چل رہا تھا۔ بجلی آنے میں ابھی ایک گھنٹہ باقی تھا۔ ہم چارپائی پر بیٹھ گئے۔ سامان والا شاپر ایک طرف رکھ کر میں نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر اسے دلاسہ دیا۔

''کیا ہوا جناب؟ کچھ بتاؤ تو سہی.....'' میں نے پوچھا۔

''اویس گھر میں کچھ ہے' آج میں مرتے مرتے بچی ہوں.....'' زبیدہ نے اپنے خشک ہونٹوں پر زبان پھیرتے ہوئے کہا۔

''زبیدہ کچھ بتاؤ بھی تو آخر ہوا کیا ہے؟'' میں نے اس کے کندھے کو سہلاتے ہوئے پوچھا۔

''صبح تم جیسے ہی باہر نکلے تو بجلی بھی چلی گئی۔ میں برتن دھونے کے لیے باورچی خانے میں چلی گئی۔ ابھی برتن دھو رہی تھی کہ ٹی وی چلنے کی آواز آنے لگی۔ مجھے حیرت ہوئی کہ ٹی وی کیسے چلنے لگا ہے۔ لائٹ تو نہیں باہر آئی تو دیکھا ٹی وی چل رہا تھا اور سامنے پڑی کرسیوں پر تین بچے بیٹھے تھے۔ میں نے چلاتے ہوئے ان سے پوچھا کون ہو آپ لوگ؟ اور ٹی وی کیوں چلایا ہے؟ تو وہ اچانک غائب ہو گئے۔ جیسے کہ تھے ہی نہیں ٹی وی بھی اپنے آپ بند ہو گیا۔ میرا سر چکرا گیا گرنے سے بچنے کے لیے دیوار کا سہارا لیا اور واپس باورچی خانے میں آ گئی۔''

''تو وہاں ایک عورت جس کو میں پہنچانتی ہی نہیں تھی کھڑی ملی سامنے.....اس سے پہلے میں

WWW.PAKSOCIETY.COM
www.pakistanipoint.com

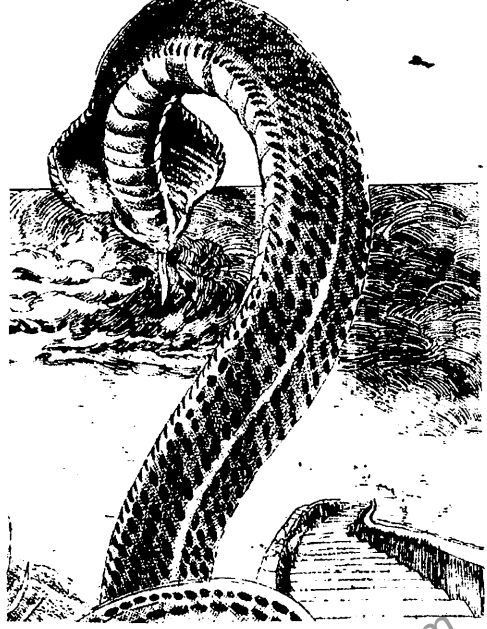

اسے کچھ کہتی۔ وہ بپھرے ہوئے انداز میں کہنے لگی۔''

''میرے بچے اگر ٹی وی دیکھ لیتے تو کیا ٹی وی گھس جاتا؟''

''بہت بیکار ہو..... بس اویس پھر میں چیختی ہوئی باہر آئی اور چارپائی پر آ کر گر گئی۔ کوئی خبر نہیں رہی تمہارے دروازہ کھٹکھٹانے پر ہوش آیا ہے۔'' زبیدہ نے بہت پریشانی میں بتایا۔

''یہ جن ون قصوں اور کہانیوں میں ہی ہوتے ہیں حقیقت میں ان کا کوئی وجود نہیں ہے۔ خوامخواہ وہم نہ کرو ایسی کوئی بھی بات نہیں۔'' میں نے زبیدہ کو گلے لگاتے ہوئے کہا۔

''پر اویس یہ سب میں نے خود دیکھا ہے۔ تم اسے وہم نہیں کہہ سکتے میں کوئی بچی تھوڑا ہی ہوں۔'' زبیدہ نے قدرِ گرم لہجے میں کہا۔

''دیکھو ہم اس گھر میں پہلی بار نہیں آئے۔ میرا تو بچپن ہی اسی گھر میں گزرا ہے۔ کبھی بھی ایسی بات نہیں ہوئی۔ ایسا کوئی معاملہ نہیں ہوا تم بھی اب چھوڑو پریشانی' میں تمہیں بروفین سیرپ دیتا ہوں ہلکا بخار ہے کہیں بڑھ نہ جائے۔'' میں نے جواب دیا اور فریج کی طرف سیرپ نکالنے کے لیے بڑھا۔

بروفین کے دو چمچ پی کر زبیدہ وہیں لیٹ گئی اور میں اس کا سر دبانے لگ گیا۔ یہ ہمارا آبائی گھر تھا ہمارے والدین کی محنت کا ثمر اور محبتوں کا مرکز..... ہم سب بھائی بہن الگ الگ وقت پر اپنے اپنے شہروں سے کچھ دن گزارنے آتے تھے۔

کبھی کبھار یکجا بھی کوئی پروگرام بن جاتا تھا۔ میں بھی کل طویل عرصے کے بعد اپنی بیوی زبیدہ کے ساتھ یہاں آیا تھا۔ ریٹائرمنٹ کے بعد جب نوکری اور بچوں کی ذمہ داریوں سے آزاد ہو گیا۔ تو پھر یہاں آنا جانا کچھ زیادہ ہو گیا۔

اس گھر میں آ کر بچپن کو یاد کر کے پُرسکون ہو جاتا تھا کم و بیش ایک گھنٹے کے بعد زبیدہ کا بخار اتر گیا اور وہ بہتر محسوس کرنے لگی۔ میرے بولنے

WAQAR AZEEM
www.pakistanipoint.com

لطائف پر جب ہنسنے لگی تو گویا مجھ میں بھی جیسے جان لوٹ آئی۔ صبح ہی کزن رفیق بھائی کے یہاں دوپہر کے کھانے کی دعوت ملی تھی۔ سو ہم دونوں رفیق بھائی کے گھر کی طرف نکل گئے۔ ارادہ تو دوپہر کو ہی واپس آنے کا تھا پر جب واپس آئے تو رات کے نو بج رہے تھے۔ رفیق بھائی نے رات کے کھانے کے بعد ہی واپسی کی اجازت دی تھی۔

اس وقت بھی بجلی بند تھی۔ سو میں نے برآمدے میں چارجر لائٹ جلائی اور چارپائیاں اٹھا کر صحن میں بچھائیں۔

''اویس میں تو سونے لگی ہوں۔ آج رات والی چائے خود ہی بنالینا۔'' زبیدہ نے چارپائی پر بستر بچھاتے ہوئے کہا۔

''ٹھیک ہے پہلے بھی ایسے کٹھن دن دیکھ چکا ہوں۔ بنالیں گے سرکار.....'' میرا جواب سن کر زبیدہ ہنس پڑی۔ کچھ ہی دیر بعد جب وہ سوگئی تو میں چارپائی سے اتر کر گھر کے بڑے کمرے میں چلا آیا۔

چارجر لائٹ کی ہلکی روشنی میں یہاں گزارے ہوئے کئی پل آنکھوں کے سامنے تیرنے لگے۔ یہ بابا اماں اور بہنوں کا کمرہ تھا۔ جب میں چھوٹا تھا تو اس کمرے میں ہی رہا کرتا تھا۔

جب دسویں جماعت پڑھنے کے لیے سکھر میں داخلہ لیا تھا تو پھر بڑے بھائیوں کے ساتھ اس برابر والے کمرے میں رہنے لگا تھا۔

اس کمرے میں اماں کی دی ہوئی لوریاں اور ابا کی تلاوت کی آواز اب بھی گونج رہی تھی۔ ان کی پلائی ہوئی ڈانٹ اور پیار سے بلانے کی آوازیں آج بھی کانوں میں آرہی تھیں۔ بچپن کی یادوں میں کتنا مزہ ہوتا ہے یاد کر کے تکلیف تو ہوتی ہے پر یاد کرنے میں لطف بھی خوب آتا ہے۔

میں بدستور بچپن میں ہی کھویا رہتا کہ اچانک سے کسی آواز نے میرا دھیان بدل دیا۔

پانی کے بہنے اور برتن دھونے کی آوازیں تھیں۔ مجھے پتا تھا یہ آوازیں کہاں سے آرہی ہیں یقیناً زبیدہ میرے لیے باورچی خانے میں چائے بنا رہی تھی۔

میری چائے پینے کی لالچ نے اسے سونے نہیں دیا تھا۔ میں یادوں سے انگلی چھڑا کر گھر کے بڑے کمرے کے دروازے کی طرف بڑھ ہی رہا تھا کہ زبیدہ دروازے پر نمودار ہوئی ہاتھ میں چائے کا کپ اور ہونٹوں پر شرارتی مسکان تھی۔ شادی کے بیالیس برس بعد بھی ہماری محبت شادی کے پہلے برس جیسی نوخیز تھی۔

''پیارے سرکار چائے حاضر ہے۔'' اس نے چائے کا کپ میری طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔

''اتنی تکلیف.....'' میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔

''کیا یاد کریں گے آپ.....'' زبیدہ کے جواب پر میں ہنس دیا۔

''باورچی خانے میں جنی نے تو تنگ نہیں کیا۔'' میں نے مستی بھرے لہجے میں پوچھا۔

''آپ نے ہی تو کہا تھا کہ یہ جن ون نہیں ہوتے میرا وہم ہے۔'' وہ بولی۔

''بہت اچھا جو اس وہم سے جان چھڑالی۔ چلو اب باہر صحن میں چلیں..... کافی حبس ہے کمرے میں۔ میں پسینے میں شرابور ہوگیا ہوں۔'' میں نے زبیدہ سے کپ لیتے ہوئے کہا۔

''آپ چلیں میں باتھ روم سے ہوکر آتی

www.pakistanipoint.com

ہوں۔'' زبیدہ نے کہا اور کمرے سے نکل گئی۔
میں نے کپ اٹھایا اور برآمدے کی طرف بڑھ گیا۔ یوں ہی کچھ سوچ کر پیچھے دیکھا تو زبیدہ مجھے بدستور بڑے کمرے کے دروازے پر کھڑی نظر آئی۔ وہ میری طرف ہی دیکھ رہی تھی۔
'' ڈر لگ رہا ہے کیا؟'' میں نے وہیں سے پوچھا۔ ہمارے لمبے برآمدے میں باتھ روم بالکل کونے میں تھا۔
اس کا جنی کے بارے میں خوف شاید ایک بار پھر جاگ گیا تھا۔
''جنی کو کیسا ڈر؟'' زبیدہ نے چہکتے ہوئے کہا اور مسکرانے لگی۔ میں بھی مسکرایا اور چائے کا کپ سنبھالتے برآمدہ پار کرتے ہوئے صحن میں چلا آیا۔
دوسرا پل میرے لیے انتہائی خوفناک تھا۔ خود کو بت بنتے ہوئے محسوس کیا۔ ایسا لگا جیسے میرے وجود میں پارہ اتر آیا ہو مجھے دوپہر میں ہی زبیدہ کو کہا ہوا اپنا جملہ یاد آ گیا۔
'' جناب یہ جن ون قصوں اور کہانیوں میں ہی ہوا کرتے ہیں۔'' میری نظر سامنے بچھی چارپائی پر جمی ہوئی تھی اور میں پلک جھپکانا تک بھلا بیٹھا تھا۔ زبیدہ بہت سکون سے اپنی چارپائی پر سو رہی تھی۔
اس کے خراٹے لینے کی مخصوص آواز میں بخوبی سن رہا تھا۔
میں پوری طاقت لگا کر پلٹا برآمدے میں بڑے کمرے کے پاس اب کوئی بھی نہیں تھا۔
اس وقت بجلی آ گئی اور صحن کا بلب جل اٹھا۔ روشنی میں، میں نے دیکھا کہ کپ میں بھری ہوئی چائے سے بھاپ نکل رہی تھی۔

□□.....❁.....□□

غزل

آنگن میں ہے پھیلی دھوپ
جل رہی ہے اکیلی دھوپ

سر پر میرے چھاؤں نہیں تھی
بن گئی میری سہیلی دھوپ

تھاما سورج کو ہاتھوں سے
جام میں پھر انڈیلی دھوپ

ذہن کا صحرا جھلس گیا
حلق تک آ گئی ریتیلی دھوپ

جل گیا یہ دل جوانی میں
جس سے میرے کھیلی دھوپ

اجلا اجلا جاڑا لے کر
بیچ دی میلی میلی دھوپ

ٹھنڈک بھی جب راس نہ آئی
سحر وہی جا کر لے لی دھوپ

محمد علی سحر

WAQAR AZEEM
www.pakistanipoint.com

کٹی پتنگ

نمکین سرکار کے کہنے پر وہ مردہ لڑکی کی ران کی ہڈی
لے آیا مگر وہ سیال پینے کے دوران کئی بار ابکائی آئی.....

افتخار چوہدری

ملٹی کلر کے خوبصورت کمبی نیشن سے بنی ہوئی جمبو سائز کی پتنگ اضطراری کیفیت میں گول چکر کھا کر مزید ڈور ڈھیلی کرنے کا مطالبہ کر رہی تھی، مگر اسے اڑانے والا شخص نجانے کس مصلحت کے تحت سست روی کا مظاہرہ کر کے اس کی بقاء کو خطرے میں ڈالے ہوئے تھا۔

شکست کسی خونخوار شکاری کی طرح دبے قدموں اس کی طرف بڑھ رہی تھی جسے محسوس کر کے رنگ رنگیلی پتنگ کے گھومنے کی رفتار آخری حدوں کو چھونے لگی، بالکل ایسے جیسے دیئے کی لو بجھنے سے پہلے آخری بار بھڑک رہی ہو۔

کچھ دیر پہلے تک خوبصورت رنگوں سے بنی ہوئی یہ پتنگ آسمان کی وسعت میں کسی ملکہ کی طرح بلا شرکتِ غیرے اپنا راج برقرار رکھے ہوئے تھی اب تک جو حریف بھی اس کے مدِ مقابل آیا اپنی زندگی کی ڈور کٹوا کر ہی گیا۔

اس وقت درجنوں رنگ برنگی پتنگیں، پریاں، اور گڈے فضا میں موجود تھے مگر سب اس خطرناک حسینہ کی تیز طراری دیکھ کر خوف زدہ ہونے کی حد تک اس سے کنی کترا رہے تھے۔

اس کی دہشت کا ایسا طوطی بولا تھا کہ وہ جس طرف بھی طبلِ جنگ بجاتی ہوئی بڑھتی، حریف، جان کے خوف سے دائیں بائیں ہونے میں ہی عافیت سمجھتے تھے۔

کافی دیر سے کوئی بھی اس کا سامنا کرنے کی ہمت نہیں کر پا رہا تھا، وہ کسی لہراتی ہوئی مست ناگن کی طرح سرشاری کے عالم میں جھومتے ہوئے، اپنی پھیلائی ہوئی دہشت کو انجوائے کر رہی تھی کہ دفعتاً وہ انہونی ہوگئی، جس کے بارے میں ابھی اس نے سوچا بھی نہیں تھا۔

وہ ایک بلیک اینڈ وائیٹ کلر کا گڈا تھا جو اچانک ہی اس کے مقابل آن کھڑا ہوا، گڈے نے صرف سامنے آنے پر ہی اکتفا نہیں کیا تھا، بلکہ پیچ لڑنے کا چیلنج بھی دے دیا تھا، اس کے انداز سے لگ رہا تھا کہ وہ ڈو اینڈ ڈائی سے کم کسی بات پر راضی نہیں ہو گا، رنگ رنگیلی شہزادی کو اس کالے موٹے بھدے

WWW.PAKSOCIETY.COM
www.pakistanipoint.com

گڈے کی گستاخی قطعی پسند نہیں آئی، وہ کسی بپھری ہوئی شیرنی کی طرح اس پر جھپٹی اور اگلے ہی لمحے فضا میں گھمسان کا، رن پڑ گیا۔

وہ بے جگری سے لڑی مگر، ہائے ری قسمت، کچھ ہی دیر بعد اسکی ڈور تھامنے والے کے ہاتھوں کی غلط حرکات وسکنات نے اس کے حواس مختل کر دیے۔

اور پھر اس وقت تو حد ہی ہوگئی، جب اسے مزید ڈور کی کمک پہنچنا مکمل بند ہوگئی، اس نے لاکھ دائیں بائیں سر پٹکا مگر مزید ایک فٹ بھی آگے نہ بڑھ پائی، لڑنے کی مکمل صلاحیت ہونے کے باوجود اس کا کوئی پینترا سیدھا نہیں پڑ رہا تھا، شاید قسمت اس کے ساتھ کوئی بھیانک کھیل کھیلنے جارہی تھی، پھر چند لمحوں میں ہی نظر نہ آنے والی قسمت نے اس رنگ رنگیلی شہزادی کے ساتھ بھونڈا انداق کر ہی دیا، وہ ایک زور کا جھٹکا تھا، جس سے ڈور کٹی، اور کچھ دیر پہلے کی چیمپئن جس کے سامنے کوئی بھی آنے کی ہمت نہیں کر رہا تھا، اب وہ حیرت و یاس سے دائیں بائیں ڈولتی ہوئی نیچے گرنے لگی۔

جہاں لڑکوں بالوں کا ہجوم نظریں گاڑے اسی کا منتظر تھا، ہجوم کا ہر فرد، اس خوبصورت شہزادی کو اپنی تحویل میں لینے کا شدت سے خواہش مند تھا، جب وہ ہجوم کی رینج میں پہنچی تو اس مفت اور غنیمت کے مال کو لوٹنے کے لیے بیک وقت کئی ہاتھ اس پر پڑے، ایک لمحہ ہی لگا ہوگا، کہ فضا میں راج کرنے والی ملکہ کے پرزے پرزے ہوگئے، جواب کسی کے کام کی نہیں رہی تھی، اس کی چاہت میں اس کے پیچھے پیچھے دوڑنے والے اس کے پرزے اڑتے

MOHAMMAD AZEEM
www.pakistanipoint.com

دیکھ کر کسی دوسرے شکار کے لیے سمت بدل گئے۔

پیچھے سڑک پر رہ گئے محض بے وزن اور بے وقعت رنگ برنگے کاغذ کے ٹکڑے اور چند تنکے جنہیں ہوا کے آوارہ جھونکے اِدھر اُدھر اڑائے پھرنے لگے۔

اونچی اڑان کے نشے میں اپنی اوقات بھولنے والوں کا انجام شاید ایسا ہی ہوتا ہے۔

☆......☆......☆

مجنڈا کلر کے گیٹ کے سامنے ہیوی بائیک رکتے ہوئے دیکھ کر ندیم چونک گیا، وہ اس وقت اپنے گھر کی چھت پر موجود تھا، اور اپنی رنگ رنگیلی پتنگ کا ایک گڈے سے پیچ لڑا رہا تھا، جبکہ اس کے بچپن کا لنگوٹیا اور کلاس فیلو، فاروق ہاتھوں میں تھامی ہوئی چرخی کو گھما کر ڈور ڈھیلی کر رہا تھا۔

ندیم پتنگ کو ماہرانہ انداز سے بڑھا رہا تھا، پیچ انتہائی سنسنی خیز مرحلے میں داخل ہو چکا تھا، بسنت کی وجہ سے آسمان پر رنگ برنگی پتنگوں کی بہار آئی ہوئی تھی، ہر طرف اونچی آواز میں میوزک اور بوکاٹا کی ہڑبونگ مچی ہوئی تھی۔

پچھلے کئی گھنٹوں سے اسکی پتنگ ہر معرکے میں سرخرو ہوتی چلی آ رہی تھی، اب بھی صورتحال اس کے کنٹرول میں تھی، گڈے کی ڈور کسی بھی لمحے کٹنے والی تھی، وہ جوش میں ڈور ڈھیلی کرتا ہوا چھت کے کنارے پر لگی ہوئی ریلنگ تک آ گیا تھا، کہ اچانک اسکی نظر سڑک کے دوسری طرف موجود اپنے چچا قاسم کے گھر پر پڑی جہاں گیٹ کے سامنے ہیوی بائیک آ کر رُکی تھی، جس پر ہیرو ٹائپ نوجوان موجود تھا، اس کے پیچھے غزالہ چپکی بیٹھی تھی، وہ سفید شرٹ بلو جینز اور سٹیپ کٹنگ کے ساتھ قیامت ڈھا رہی تھی، وہ ایک ادا کے ساتھ بائیک سے نیچے اتری اور نوجوان سے کچھ کہا، جواب میں نوجوان نے انکار میں سر ہلایا اور ہینڈ شیک کرنے کے بعد بائیک آگے بڑھا دی۔

غزالہ چند لمحے بائیک کو دور جاتے ہوئے دیکھتی رہی اور پھر گیٹ کے ذیلی دروازے سے اندر چلی گئی۔

ندیم کا دل یہ سین دیکھتے ہی مٹھی میں آ گیا تھا، وہ ایسے ساکت ہوا تھا جیسے چلتے ہوئے کھلونے کی اچانک چابی ختم ہو گئی ہو، ڈور بڑھاتے ہوئے اسکے ہاتھ بالکل ساکت و جامد ہو گئے تھے، پتنگ گول گول گھوم کر مزید ڈور ڈھیلی کرنے کی مانگ کر رہی تھی، مگر اسے ڈھیل دینے والے ہاتھوں سے تو جیسے جان ہی نکل گئی تھی۔ پتنگ کی ڈور ایک جھٹکے سے کٹی اور وہ کچھ دیر فضا میں ڈولنے کے بعد جب اپنے لوٹنے والوں کی دسترس میں پہنچی تو ان کی بے صبری دیدنی تھی، بالآخر اس ناقابل شکست چیمپیئن کا اختتام پرزے پرزے ہونے پر ہوا تھا۔

ندیم گہری سانسیں لیتا ہوا قریب ہی موجود چارپائی پر بیٹھ گیا، غزالہ اسکی چچا زاد کزن ہونے کے ساتھ ساتھ بچپن کی منگیتر بھی تھی، چچا قاسم واپڈا میں آفیسر تھے اور غزالہ ان کی اکلوتی بیٹی تھی۔

ندیم پہلے بھی ایک دو بار ایسا سین دیکھ چکا تھا، غزالہ کو سمجھانے کی کوشش بھی کی تھی، مگر نازوں سے پلی غزالہ نے اس کے احتجاج کو ایک کان سے سُن کر دوسرے کان سے نکال دیا تھا۔

دونوں اے لیول تک ایک ہی سکول میں پڑھتے تھے، تب تک دونوں ایک دوسرے پر جان چھڑکتے تھے۔

غزالہ کو تو یہ گوارہ ہی نہیں تھا کہ ندیم ایک منٹ کے لیے بھی اس کی نظروں سے اوجھل ہو، کالج جانے کے بعد اچانک پتہ نہیں کیا ہوا کہ غزالہ کے انداز میں کچھ سرد مہری سی در آئی، ماحول کی تبدیلی

WAQAR AZEEM
www.pakistanipoint.com

تھی یا کچھ اور جسے ندیم نے بہت محسوس کیا، اُس نے جتنی بار بھی گلہ کیا غزالہ نے رٹا رٹایہ، جملہ کہ پڑھائی کا بہت بوجھ ہے کہہ کر جان چھڑالی۔

یونیورسٹی پہنچنے کے بعد تو اس کا مزاج ہی ملنا مشکل ہو گیا اور اب تو وہ کھلے بندوں اپنے بوائے فرینڈ سے ملتی تھی، آج بھی وہ اپنے کسی دوست کے ساتھ گھر آئی تھی۔

ندیم نے سوتے جاگتے صرف اسی کے بارے میں سوچا تھا، اسے لگتا تھا کہ وہ اس بے وفا کے بغیر جی نہیں پائے گا، مگر بدلتی ہوئی ہوا کا رُخ صاف بتا رہا تھا کہ بہار آنے سے پہلے ہی اس کی قسمت پر خزاں کا گرہن لگنا شروع ہو چکا ہے۔

بس اب تو حد ہو گئی، ندیم نے بڑبڑاتے ہوئے اپنی جیب سے سیل فون نکالا اور غزالہ کا نمبر ملا دیا۔

دوسری بیل پر ہی کال ریسیو کر لی گئی۔

''ہیلو.....'' ائیر پیس سے غزالہ کی آواز ابھری۔

''غزالہ میں ندیم بات کر رہا ہوں۔'' اس نے دھیمے لہجے میں تمہید باندھی۔

تمہیں اپنا تعارف کروانے کی کیا ضرورت پیش آ گئی، میرے سیل فون میں تمہارا نمبر اور نام سیو ہے، خیریت سے فون کیا، دوسری طرف سے غزالہ کی حیرت میں ڈوبی ہوئی آواز سنائی دی۔

جس رفتار سے ہمارے درمیان فاصلے بڑھ رہے ہیں، اس سے تو مجھے لگتا ہے کہ وہ دن دور نہیں جب تعارف کروانے پر بھی تم مجھے نہیں پہچانو گی۔ ندیم نے دکھی لہجے میں جواب دیا۔

میں سمجھی نہیں تم کیا کہنا چاہتے ہو، سپاٹ لہجے میں استفسار کیا گیا۔

مجھے سمجھ نہیں آ رہی کہ ہماری محبت کو کس کی نظر کھا گئی، ایک ایک کر کے تم اپنے وعدے اور دعوے بھولتی جا رہی ہو، مجھے دیکھے بغیر تو تمہاری صبح کا آغاز نہیں ہوا کرتا تھا، تم تو کہا کرتی تھی کہ.....''

دیکھو ندیم اس بارے میں ہم بعد میں بات کرتے ہیں، ابھی میں بزی ہوں، ہاں اگر کوئی اس کے علاوہ ضروری بات ہو تو بتاؤ، غزالہ نے اس کی بات پوری ہونے سے پہلے ہی اسے ٹوک دیا۔

دیکھو غزالہ ہمارے خاندان کی کچھ روایات ہیں جنہیں ہمارے بزرگ نسل در نسل نبھاتے چلے آ رہے ہیں، تمہارا اتنا ماڈرن پن اور غیر مردوں کے ہمراہ آزادانہ میل ملاپ خاندان کے علاوہ محلے والوں کو بھی ہضم نہیں ہو گا، اور کسی کا نہیں تو چچا جان کی عزت کا ہی کچھ خیال کر لو۔

اس بار ندیم بھی بنا کسی لگی لپٹی کے سیدھا مدعے پر آ گیا۔

وہ پہلے میرے پاپا ہیں بعد میں تمہارے کچھ لگتے ہیں اس لیے تمہیں ان کے غم میں گھلنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے، اور رہے محلے والے کیا سوچتے ہیں، تو میری جوتی کو بھی پرواہ نہیں ہے، ہاں البتہ تم کیا سوچتے ہو، اور چاہتے ہو، اس پر بات ہو سکتی ہے تمہارے اور میرے درمیان جو فاصلے بڑھ رہے ہیں اس کے پیچھے تمہاری اسی دقیانوسی سوچ کا ہاتھ ہے، جس سے مجھے شدید نفرت ہے، بزرگوں نے ہمیں بچپن میں ایک دوسرے سے منسوب کر دیا تھا، یہی وجہ مجھے تمہارے قریب لے آئی تھی اور سکول کے پُر جوش اور نادان دور میں کچھ وعدے وعید بھی تم سے کر بیٹھی جس کو لے کر تم کچھ زیادہ ہی سریس ہو رہے ہو، ندیم تم جذباتیت کو چھوڑ کر حقیقت کی دنیا میں واپس لوٹ آؤ تو یہ ہم دونوں کے لیے بہتر ہو گا۔

عمران میرا کلاس فیلو ہے آج یونیورسٹی کی بس خراب ہو گئی تھی تو اس نے مجھے گھر تک ڈراپ کر دیا

WAQAR AZEEM
www.paksociety.com

،اب اس میں ایسی کیا بری بات ہو گئی کہ تمہیں اپنے چچا کی عزت ڈوبنے کا خطرہ لاحق ہو گیا، غزالہ نے کاٹ دار لہجے میں پوری تقریر کر ڈالی۔

سوری محترمہ مجھے علم نہیں تھا کہ تم کسی ایسی یونیورسٹی میں پڑھتی ہو جہاں چھٹی والے دن بھی کلاسیں لگتی ہیں، ندیم نے ہونٹ چباتے ہوئے کہا تو دوسری طرف کچھ دیر خاموشی چھا گئی، جیسے کوئی مجرم رنگے ہاتھوں پکڑے جانے پر گنگ ہو گیا ہو۔

مجھے تمہارا یہ تفتیشی انداز، زہر لگتا ہے، ابھی سے تمہارا یہ حال ہے شادی کے بعد تو تم میرا سانس لینا بھی محال کر دو گے، تمہاری اطلاع کے لیے عرض ہے کہ میں کئی کمرشلز اور ڈراموں میں لیڈنگ رول کر رہی ہوں جو عنقریب آن ایئر ہوں گے، اور عمران نے ہی مجھے اس مقام تک پہنچایا ہے، تم لڑکپن کی نادانیوں اور بزرگوں کی غلطی کو مجھ پر نہیں تھوپ سکتے، اب میں بالغ ہوں اپنا اچھا برا خود سوچ سکتی ہوں، یہ میری زندگی ہے حتمی فیصلہ بھی میں ہی کروں گی کہ مجھے کس کے ساتھ زندگی گزارنی ہے، مجھے لگتا ہے کہ اب ہم مزید ساتھ نہیں چل سکتے ،اس لیے تمہارے لیے یہی بہتر ہے کہ تم خود ہی اس نام نہاد منگنی کو ختم کر کے اپنی عزت بچا لو، اگر میں نے ایسا کیا تو خاندان میں تمہاری ہی بکی ہوگی اور پلیز آج کے بعد مجھ سے رابطہ کرنے کی کوشش مت کرنا۔ غزالہ نے سرد اور دوٹوک انداز میں بات کی اور کال ڈس کنیکٹ کر دی۔

ندیم کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ بات ایسا رخ اختیار کر جائے گی اور غزالہ ایسے کورا جواب دے کر بچپن کی منگنی کو یوں لمحوں میں ختم کر دے گی۔ اس نے بے یقینی سے سیل فون کی طرف دیکھا اور گرنے کے انداز میں چارپائی پر بیٹھ گیا۔

فاروق بھی غزالہ کو اجنبی نوجوان کے ساتھ بائیک پر آتے ہوئے دیکھ چکا تھا، ندیم کا کزن اور لنگوٹیا ہونے کی وجہ سے دونوں ایک دوسرے کے ہم راز تھے۔ ندیم کی بدلتی ہوئی حالت دیکھ کر اسے خدشہ ہونے لگا کہ کہیں وہ دل برداشتہ ہو کر کوئی انتہائی قدم ہی نہ اٹھا لے وہ جانتا تھا کہ ندیم غزالہ سے بے پناہ محبت کرتا ہے اور اس کے بغیر جینے کا تصور بھی نہیں کر سکتا۔ مگر غزالہ کے رنگ ڈھنگ کوئی اور ہی کہانی سنا رہے تھے۔

"دیکھو جگر...... غزالہ اس دنیا کی آخری لڑکی نہیں ہے کہ اگر وہ تم سے شادی نہیں کرے گی تو تم کنوارے رہ جاؤ گے، ماشاءاللہ تم پڑھائی میں ٹاپر ہو تمہارا مستقبل روشن ہے ایک سے بڑھ کر ایک خوبصورت لڑکی کا رشتہ تمہیں مل سکتا ہے۔" فاروق نے قریب بیٹھ کر اسے سمجھانے کی کوشش کی تو ندیم نے چونک کر اس کی طرف دیکھا اس کی آنکھیں سرخ اور چھلکنے کو تھیں۔

تمہیں تو ہر بات کا علم ہے میں اس کے سوا کسی کا تصور بھی نہیں کر سکتا۔ میں نے سوتے جاگتے صرف اسی کے سپنے دیکھے ہیں وہ خود بھی مستقبل کے ہر آئیڈیے میں میری شراکت دار رہی ہے اور اب وہ بلا وجہ اپنے ہر وعدے سے مکرنا چاہتی ہے مگر میں اسے ہرگز ایسا نہیں کرنے دوں گا۔ میں ابھی چچی سے بات کرتا ہوں وہ ضرور اسے سمجھائیں گی۔" ندیم نے چارپائی سے اٹھتے ہوئے کہا۔

"میرے خیال میں یہ مناسب نہیں ہے غزالہ بھی اس وقت غصے میں ہے اور تم بھی جذباتی ہو رہے ہو اس طرح تو کام مزید بگڑ جائے گا ہم بزرگوں کے توسط سے اسے سمجھانے کی کوشش کریں گے۔" فاروق نے اسے روکنے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔

"نہیں مجھے ابھی بات کرنی ہے ورنہ میرا دم

WAQAR AZEEM www.pakistanipoint.com

گھٹ جائے گا۔'' ندیم نے دوٹوک انداز میں کہا اور تیزی سے سیڑھیوں کی طرف بڑھ گیا جبکہ فاروق بے بسی سے ہونٹ کاٹتا ہوا رہ گیا اس کی چھٹی حس کچھ انتہائی خطرناک ہونے کا الارم بجا رہی تھی مگر وہ محض ایک خاموش تماشائی سے زیادہ اہمیت نہیں رکھتا تھا۔

☆.....☆.....☆

وسیع و عریض ٹی وی لاونج کے فرش پر قیمتی بوٹی سینا کا پتھر اور دیواروں پر ایمپورٹیڈ فنشنگ ٹائلز لگا کر دیکھنے والے پر رعب ڈالنے اور آنکھیں چکا چوند کرنے کی کامیاب کوشش کی گئی تھی ایک دیوار پر موجود جمبو سائز کی ایل ای ڈی پر ڈرامہ چل رہا تھا۔ جسے جدید ڈیزائن کے صوفے پر براجمان مسز قاسم بڑے انہماک سے دیکھ رہی تھی اس کی گود میں بڑے سائز کی پلیٹ رکھی ہوئی تھی جس میں مختلف اقسام کے لوازمات موجود تھے اس وقت ڈرامے کا کلائمکس سین چل رہا تھا جس کے اتار چڑھاؤ کی کیفیت عذرا بیگم کے چہرے پر بھی نظر آ رہی تھی ،ناٹے قد کی گول مٹول جسامت کے ساتھ ساتھ اس کا چہرہ بھی ضرورت سے زیادہ سوجا ہوا تھا ڈبل ٹھوڑی اور گال پر گال چڑھا ہونے کی وجہ سے آنکھیں چندھائی ہوئی تھیں جو ہنستے یا روتے وقت تو بالکل بند ہو جاتی تھی ، ڈرامے کا دکھی سین دیکھ کر وہ اس وقت رونے کے قریب تھی اب پتہ نہیں وہ بند آنکھوں سے ڈرامہ دیکھ کیسے رہی تھی ڈرامے میں چلنے والے پلے بیک سیڈ سونگ کی وجہ سے فضا میں سوگواریت پھیلی ہوئی تھی دکھی سچوئشن کا پورا پورا اثر لینے کے باوجود عذرا بیگم کا ہاتھ اور منہ مسلسل چل رہا تھا۔ اچانک اس کی اکلوتی بیٹی غزالہ پیر پٹختی ہوئی ٹی وی لاونج میں داخل ہوئی اس کا چہرہ غصے کی شدت سے گہرا آتشی ہو رہا تھا۔

''کیا ہوا بیٹا.....'' عذرا بیگم نے ریموٹ سے ایل ای ڈی کی آواز کم کرتے ہوئے حیرت سے پوچھا۔

''ماما آپ لوگوں نے کس کنزرٹیو تھنکر سے میری انگیجمنٹ کر دی ہے ابھی سے میری جاسوسیاں کرتا پھر رہا ہے، شادی کے بعد تو وہ میرا جینا حرام کر دے گا۔'' غزالہ تو جیسے پھٹ پڑی۔

''ماما کی جان ہوا کیا ہے، ادھر آؤ میرے پاس ، بیٹھ کر بتاؤ کیا ہوا ہے۔'' عذرا بیگم نے اسے قریب بیٹھنے کا اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

''ہونا کیا ہے، وہی غریبوں کو جیلسی کا مرض لاحق ہے جس کا کوئی علاج نہیں ، پہلے انہیں پاپا کی ترقی ہضم نہیں ہوتی تھی ، تایا اور تائی ہر وقت پاپا کو حلال کمانے کا لیکچر دیتے رہتے تھے ، اب یہ لوگ ہاتھ دھو کر میرے پیچھے پڑ گئے ہیں ، جیسے میں نے بے حیائی کے جھنڈے گاڑھ دیے ہوں۔

''ابھی سنڈریلا سے عمران مجھے ڈراپ کرنے آیا تھا ، ندیم نے کہیں دیکھ لیا بس پھر کیا تھا لگ گئی آگ ۔'' غزالہ نے تمہید باندھنے کے بعد ندیم سے فون پر ہوئی بات اپنے انداز میں سنا دی ، اس نے ابھی اپنی بات مکمل کی ہی تھی ، جب ندیم ٹی وی لاؤنج میں داخل ہوا ، اس کا چہرہ حزن و ملال کی تصویر بنا ہوا تھا ، کرب جیسے اس کی آنکھوں میں ثبت ہو کر رہ گیا تھا۔

''لو جی آ گیا پاپا کا لاڈلا بھتیجا ، آپ خود پوچھ لیں ، یہ کس خوشی میں میری جاسوسی کرتا پھر رہا ہے۔'' غزالہ نے طنزیہ لہجے میں تیر برسایا۔

ندیم یہ میں کیا سن رہی ہوں ، اگر ہم نے اپنی پھول سی بچی تم سے منسوب کر ہی دی ہے تو اس کا ہرگز یہ مطلب نہیں کہ تم اسے ذہنی ٹارچر کر ، کر کے نفسیاتی مریض بنا ڈالو۔''

WWW.PAKSOCIETY.COM
www.pakistanipoint.com

''اب فائنلی میری بیٹی نے زچ ہو کر جو فیصلہ کر دیا ہے، تم اسے ہماری طرف سے بھی ڈن سمجھو، تم لوگوں کو ضرورت سے زیادہ عزت راس نہیں آئی۔'' عذرا بیگم نے ندیم کی کوئی بات سنے بغیر ہی چڑھائی کر دی، ایسے لگ رہا تھا، جیسے وہ پہلے سے ہی کسی موقعے کی تلاش میں بیٹھی تھیں اور اب اس موقعے کو ضائع کرنے کی بالکل بھی روادار نہیں تھیں۔

''چچی پلیز پہلے میری بات تو سن لیں، یہ میری بات کو الٹا رنگ دینے کی کوشش کر رہی ہے اور آپ بھی صرف اسی کی بات سن کر مجھ سے بدگمان ہوئی بیٹھی ہیں، میں بھلا اس کی جاسوسی کیوں کروں گا، یہ میری عزت ہے۔''

''کس عزت کی بات کر رہے ہو، جسے تم خود اچھالنے کی کوشش کر رہے ہو، تم لوگوں کو کیا پتہ عزت کسے کہتے ہیں، اب میں تمہاری کوئی وضاحت نہیں سنوں گی۔'' عذرا بیگم نے ایک بار پھر اسے بات پوری کرنے کا موقعہ دیے بغیر بات درمیان میں سے ہی اچک لی، غصے کی وجہ سے اس کی آنکھیں پوری بلکہ ضرورت سے زیادہ کھل چکی تھیں۔

''چچی پلیز آپ میری بات تو سن لیں، چلیں ٹھیک ہے غزالہ کو میری کوئی بات بری لگی ہے تو میں معافی مانگتا ہوں، آپ تو ہماری بڑی ہیں، آپ کو تو کوئی فیصلہ کرنے سے پہلے ہم دونوں کی بات سننی چاہیے، اس کے بعد.....''

''اب سننے کے لیے کچھ باقی نہیں رہ گیا بہتر یہی ہوگا کہ اب تم شرافت سے چلے جاؤ۔'' ایک بار پھر اس کی بات پوری ہونے سے پہلے عذرا بیگم نے صوفے سے اٹھتے ہوئے زبان کے ساتھ ساتھ ہاتھ کے اشارے سے بھی اسے چلے جانے کے لیے کہہ دیا۔

ندیم اپنی چچی کے تیور دیکھ کر سُن ہو گیا اسے اپنے دماغ میں کسی ہتھوڑے کی ضرب جیسی چوٹ لگتی ہوئی محسوس ہونے لگی، وہ کچھ دیر ساکت و جامد سا کھڑا رہا، پھر ایک جھٹکے سے مڑا اور باہر نکل آیا، جب گھر واپس پہنچا تو فاروق اس کے امی ابو کو لیے بیٹھا تھا، اس نے ساری صورتحال انہیں بتا دی تھی۔

''میرا پتر تو فکر نہ کر ہم قاسم بھائی سے بات کرتے ہیں۔'' ماں نے اٹھ کر اسے گلے سے لگاتے ہوئے تسلی دی تو اس کے ضبط کا بندھن ٹوٹ گیا۔ سب اسے دلاسے دینے لگے مگر اس کے دل کو قرار نہیں آ رہا تھا۔

''بیٹا تم دل چھوٹا مت کرو، میں آج ہی قاسم سے بات کرتا ہوں۔'' ارسلان صاحب نے ایک بار پھر اپنے بیٹے کو تسلی دی اور فاروق کو اشارے سے ندیم کو اس کے کمرے میں لے جانے کے لیے کہا۔ وہ سمجھ رہے تھے کہ کچھ دیر سونے سے اس کی طبیعت سنبھل جائے گی شاید وہ نہیں جانتے تھے کہ عشق کا مرض بڑھتا ہی چلا جاتا ہے جوں جوں اس ناسور کی دوا کی جاتی ہے۔

☆.....☆.....☆

یونیورسٹی ہاسٹل کے چھوٹے سے کمرے میں فرنیچر کے نام پر دو سنگل بیڈز پڑے تھے، ایک طرف دیوار میں ضم الماری تھی جس کے دروازے پر شیشہ لگا ہوا تھا دیواروں پر نجانے کب آخری بار ڈسٹمبر کیا گیا تھا جو اب جگہ جگہ سے اکھڑ کر دھبوں کی صورت اختیار کر چکا تھا ان بدنما دھبوں کو چھپانے کے لیے مختلف فلمی اداکاراؤں کے نیم عریاں پوسٹر چسپاں کیے گئے تھے، یہ پوسٹر اس وقت دھویں کے بادلوں میں دھندلے نظر آ رہے تھے، دونوں بیڈز کے درمیان ایک گھومنے والا شیشے کا حقہ رکھا ہوا تھا

WAQAR AZEEM www.pakistanipoint.com

جسے بیڈ پر موجود چار دوست حقے کی نے کے ذریعے باری باری لمبے کش لگا کر فضا میں دھویں کے مرغولے چھوڑ رہے تھے انہوں نے فلیور کے ساتھ چرس کی مکسنگ کر کے مزے کے ساتھ نشے کو دوبالا کرنے کا جدید انداز ایجاد کر رکھا تھا دھوئیں کے بھرے ہوئے کمرے میں چرس کی ناگوار بدبو میں کسی نارمل انسان کا سانس لینا مشکل ہی نہیں ناممکن تھا، مگر وہ چاروں دوست بہت پُرسکون اور مطمئن انداز میں حقے کی نے سرکل میں ایک دوسرے کی طرف بڑھا رہے تھے ان کے انہماک سے لگ رہا تھا کہ جیسے یہ لوگ دنیا میں آئے ہی نشہ کرنے کے لیے ہوں۔

''یار عمران میں نے آج تک تم سے بڑا احمق اور بھوندو انسان پہلے نہیں دیکھا۔'' جبار نے ایک لمبا کش لگانے کے بعد نے عمران کی طرف بڑھاتے ہوئے کمرے میں پھیلی ہوئی خاموشی کو توڑا تو عمران کے ساتھ ساتھ جمال اور کامی بھی چونک کر اس کی طرف دیکھنے لگے۔

''میں سمجھا نہیں تم کیا کہنا چاہتے ہو ذرا کھل کر بات کرو۔'' عمران نے حیرانی سے کہا، اس کی حیرت بجا تھی کیونکہ وہ اس گروپ میں بے تاج بادشاہ کی سی حیثیت رکھتا تھا کسی بھی مسئلے میں اسی کی بات کو فائنل اور حتمی سمجھا جاتا تھا اور آج اس کا ساتھی ہی اسے احمق کہہ رہا تھا۔

''میرے کہنے کا مطلب ہے کہ آج تک ہم لڑکیوں کو شوبز میں متعارف کروانے کے بعد ان سے اپنا معاوضہ لیتے آئے ہیں، مگر غزالہ اپنی نوعیت کا پہلا کیس دیکھنے میں آیا ہے کہ اس نے نا صرف تمہیں الو بنا کر اپنا مطلب نکالا اور تمہیں سیڑھی کی طرح استعمال کر کے شوبز کی دنیا کا اسٹار بن گئی اور تمہیں چونا لگانے کے بعد سرمد خاں کے ساتھ جاتے ہوئے ٹھینگا دکھا کر تمہاری اوقات بھی بتا گئی۔'' جبار نے تفصیل سے بات کی تو عمران کا منہ ایسے بن گیا جیسے کونین کی گولی منہ میں رکھ لی ہو۔

''جبار تم ٹھیک کہہ رہے ہو آج تک ہم نے جتنی بھی لڑکیوں کو شوبز کی دنیا میں متعارف کروایا ہے ان سے کبھی اپنا معاوضہ لینا نہیں بھولے، مگر یہ واحد لڑکی تھی جو ہمارے گُرو کو جُل دے گئی اور وہ بھی شاید اس لیے کہ عمران اس کے ساتھ مخلص تھا اور اس سے شادی کرنا چاہتا تھا، مگر وہ چلتا پرزہ نکلی اور اس وقت کے ٹاپ پروڈیوسر کو اپنے حسن کے جال میں پھانسنے میں کامیاب رہی۔'' کامی نے جبار کی تائید کرتے ہوئے بات آگے بڑھائی۔

''گُرو اب منہ لٹکا کر بیٹھنے سے کیا فائدہ میں نے اس کا پہلا ڈرامہ ہٹ ہونے پر ہی مشورہ دیا تھا کہ اپنا معاوضہ وصول کر لو مگر نہ جی ہماری سنتا ہی کون ہے کامی نے بھٹی کی چمنی کی طرح دھواں اگلنے کے بعد تبصرہ کیا۔

''واقعی تم لوگ ٹھیک کہہ رہے ہو، مجھے محبت کے چکر میں نہیں پڑنا چاہیے تھا۔ غزالہ نے مجھے ٹشو کی طرح استعمال کر کے پھینک دیا ہے۔''

''پروڈیوسر سرمد خان نے پتہ نہیں اس پر کیا جادو کیا ہے کہ وہ اب میری طرف دیکھنے کی بھی روادار نہیں ہے، ویسے اب تو غزالہ کا نام سُن کر ہی میرے تن بدن میں آگ لگ جاتی ہے، ایک وقت تھا جب میں چاہتا تھا کہ اسے میرے علاوہ اور کوئی نہ دیکھے مگر اب میرا دل کرتا ہے کہ اسے کسی بھی طرح ایک بار ہلواؤں اور خود اپنا معاوضہ سود سمیت وصول کرنے کے بعد تمہیں بھی دعوت عام دے دوں، تاکہ اسے ہمیشہ یاد رہے کہ دھوکہ دینے کا انجام کیا ہوتا ہے۔'' عمران نے دانت پیستے ہوئے کہا تو اس کے انداز سے لگ رہا تھا کہ اس موضوع کو چھیڑ کر

WAQAR AZEEM
www.pakistanipoint.com

اس کی دکھتی ہوئی رگ پر ہاتھ رکھ دیا گیا ہے۔

''نہ بابا نہ ایسا ہرگز نہ کرنا، اس کا باپ ایک اہم سرکاری عہدے پر فائز ہے، وہ ہماری کھال کھنچوا دے گا۔'' جمال نے کانوں کو ہاتھ لگاتے ہوئے کہا۔

''تم تو ہو ہی سدا کے بزدل، ذرا سوچو جب ایک ٹاپ ماڈل ہمارے جال میں پھنس کر کسی بے بس چڑیا کی طرح پھڑ پھڑائے گی تو کتنا مزا آئے گا۔'' کامی نے ایک ادا سے کہا تو کمرہ قہقہوں سے گونج اٹھا۔

''تو پھر ٹھیک ہے اس مشن میں میرا ساتھ کون کون دے گا۔'' عمران نے ہاتھ اٹھاتے ہوئے پوچھا تو کامی اور جبار نے فوراً ہاتھ اٹھا کر اپنی حمایت کا اعلان کر دیا۔ جمال نے اپنی رضامندی ظاہر نہیں کی تو سب سوالیہ انداز میں اس کی طرف دیکھنے لگے۔

''تم لوگ میری بات کو شاید سمجھ رہے ہو کہ جس کی کوئی اہمیت ہی نہیں ہے۔ اس طرح زبردستی کرنے سے تم لوگ بری طرح پھنس جاؤ گے، اگر تم لوگ اس کیس کی پلاننگ مجھے کرنے دو تو میں تم لوگوں کا ساتھ دے سکتا ہوں، ورنہ میری طرف سے جواب سمجھو۔'' جمال نے اپنی مشروط رضامندی بتائی۔

'کیسی پلاننگ ذرا کھل کر بتاؤ۔'' عمران نے الجھے ہوئے لہجے میں کہا۔

''دیکھو ہمیں یہ حقیقت ذہن میں رکھنی چاہیے کہ اس کا باپ بہرحال ایک اتھارٹی ہے جو ہمیں ناکوں چنے چبوا سکتا ہے دوسرا غزالہ اب کوئی نئی آنے والی سہمی ہوئی لڑکی نہیں رہی وہ اس کھیل کے کافی داؤ پیچ سیکھ چکی ہے، اس نے تو آتے ہی ملک کی صف اول کی اداکاراؤں کے لیے خطرے کی گھنٹی بجا دی ہے، اس لیے اپنے باپ کے بعد وہ خود بھی کافی خطرناک ثابت ہو سکتی ہے، میں چاہتا ہوں سانپ بھی مر جائے اور لاٹھی بھی نہ ٹوٹے۔ وہ خود چل کر آئے اور اسے علم بھی ہو کہ وہ کیوں عمران کے پاس آ رہی ہے اور بے بس اتنی ہو کہ اس کے پاس عمران کی بات ماننے کے سوا کوئی دوسرا آپشن ہی نہ ہو۔''

جمال نے تقریر کرنے کے انداز میں اپنا خیال بتایا۔

''اب ایسا تو کسی جادو سے ہی ممکن ہو سکتا ہے۔'' کامی نے آنکھیں پھیلاتے ہوئے کہا۔

''میرے پاس ایک آئیڈیا ہے، اگر ہم لوگ اس پر عمل کریں تو ایسا ممکن ہو سکتا ہے، جمال نے معنی خیز مسکراہٹ چہرے پر سجاتے ہوئے کہا۔

''ٹھیک ہے اس کیس کو تم لیڈ کرو۔'' عمران نے ہتھیار ڈالتے ہوئے کہا تو جمال نے بھی اپنی رضامندی ظاہر کرنے کے لیے خباثت بھری مسکراہٹ کے ساتھ اپنا ہاتھ اٹھا دیا اور پھر اپنے شیطانی دماغ میں موجود منصوبہ انہیں بتانے لگا۔

وہ جوں جوں اپنا منصوبہ بتاتا جا رہا تھا سب کی آنکھوں میں حیوانی چمک بڑھتی چلی جا رہی تھی۔

☆.....☆.....☆

ندیم پچھلے گھنٹے بھر سے مصلے پر سجدے کی حالت میں پڑا گڑگڑا رہا تھا گزشتہ کئی ماہ سے یہ اس کی روٹین بن چکی تھی کہ عشاء کی نماز کے بعد مختلف وظائف کرتا اور پھر سجدے میں گر کر مناجات کے ساتھ ساتھ دل کھول کر اپنے اللہ سے شکوے شکایات کرتا رہتا۔

مگر ابھی تک اس کی کوئی دعا قبولیت کے مقام تک نہیں پہنچی تھی۔ جب سے غزالہ نے آنکھیں پھیری تھیں، اس کی صحت دن بدن گرتی چلی جا رہی

WAQAR AZEEM www.pakistanipoint.com

تھی، پہلے والا خوبصورت اور صحت مند ندیم تو کہیں کھو گیا تھا۔

اب مصلّہ ہی وہ واحد جگہ تھی، جہاں اسے سکون میسر آتا تھا، جہاں وہ اپنے ربّ سے راز و نیاز کرتے ہوئے پہروں گزار دیتا تھا، اس کے والد ارسلان صاحب نے برادری کے بزرگوں کے توسط سمیت ہر طرح کی کوشش کر لی تھی مگر بات نہیں بنی۔

ان کا بھائی اگر کسی وقت تھوڑا نرم ہو بھی جاتا تو عذرا بیگم اس کی پیش نہ جانے دیتی، اب تو ویسے بھی ماں بیٹی کا نخرہ ساتویں آسمان کو چھو رہا تھا، کیونکہ پچھلے کئی ماہ کے دوران غزالہ بے شمار کمرشلز کے ساتھ ساتھ تواتر سے کئی ہٹ ڈراموں میں کام کر چکی تھی آج کل ہر طرف اسی کے چرچے تھے۔

اس مقام تک پہنچانے میں اس کے کلاس فیلو عمران کا ہاتھ تھا، مگر جب سے وہ پڑیوسر سرمد خان سے ملی تھی، اسی کی ہو کر رہ گئی تھی۔ سرمد خان نے اس کی شہرت کو آسمانوں کی بلندی تک پہنچایا تھا، اس وقت بھی وہ جتنے ڈراموں میں کام کر رہی تھی، وہ سب سرمد خان کے ہولڈ میں تھے۔

عمروں کے خاصے فرق کے باوجود، وہ دونوں بہت تیزی سے ایک دوسرے کے قریب ہوتے چلے جا رہے تھے۔

ندیم نے طویل سجدے کے بعد دُعا مانگی اور پھر وہ ابھی مصلّے سے اٹھ ہی رہا تھا، جب فاروق اس کے کمرے میں داخل ہوا۔

"لو جگر وظیفوں سے تو کام نہیں بنا مگر میں آج ایک ایسی ہستی کا سراغ لگا کر آیا ہوں جس کے پاس تمہارے تمام دکھوں کا علاج ہے۔" فاروق نے بیڈ پر بیٹھتے ہوئے کہا۔ تو ندیم چونک کر سوالیہ انداز میں اس کی طرف دیکھنے لگا اب تک اس نے جتنے وظیفے کیے تھے وہ سب اسی نے ہی لا کر دیے تھے۔

ہمارے شہر کے مضافات سے گزرنے والی نہر کے قریب ایک بہت ہی کرنی والے بزرگ نے ڈیرہ لگایا ہوا ہے سب انہیں نمک والی سرکار کہتے ہیں بس یوں سمجھ لو ان سے دعا کروانے کی دیر ہے اور غزالہ آ کر تمہارے قدموں میں بیٹھ جائے گی۔"

فاروق نے جذباتی انداز میں اسے بریف کیا، تو ندیم کے ہونٹوں پر دکھ بھری مسکراہٹ ابھر آئی۔

"کیا مطلب......"

"کیا تم میری بات کو مذاق سمجھ رہے ہو۔ فاروق نے منہ پھلا کر کہا۔

نہیں یار، جو انسان خود مذاق بن کے رہ گیا ہو وہ بھلا کسی کا کیا مذاق اڑائے گا، میں نے کبھی خواب میں بھی نہیں سوچا تھا کہ شہر کی دیواروں پر لکھے ہوئے جن جملوں کو پڑھ کر ہم مذاق اڑایا کرتے تھے مجھے خود ایک دن ان جادوگروں کے پاس جانے کا مشورہ دیا جائے گا، ندیم نے اپنی مسکراہٹ کی وجہ بتائی۔

پلیز یار سب ایک جیسے ڈھونگی نہیں ہوتے، کچھ واقعی پہنچے ہوئے بزرگ ہوتے ہیں، فاروق نے ایک بار پھر اپنی بات پر زور دیا۔

اچھا ذرا بتاؤ تو یہ بزرگ کہاں تک پہنچا ہوا ہے، ندیم نے بے زاری سے منہ بناتے ہوئے کہا۔

دیکھو یار تم نے میرے کہنے پر کتنے وظیفے کیے ہیں بس آخری بار میری بات مان لو، اس بزرگ کو آزما لینے میں کوئی حرج نہیں، کیا پتہ تمہارے مسئلے کا حل اسی بزرگ کے ہاتھوں ہونا ہو۔ ویسے میں خود ان سے مل کر آیا ہوں، ویرانے میں رہنے کے باوجود لوگوں کا جھمگٹا لگا رہتا ہے سب اپنے اپنے مسئلے حل کروا کر جاتے ہیں۔

فاروق نے اس کے طنز کو نظر انداز کرتے ہوئے تفصیل بتائی تو ندیم کے پاس سر اثبات میں

WAQAR AZEEM
www.pakistanipoint.com

ہلانے کے علاوہ کوئی چارہ نہیں رہ گیا۔
کل دوپہر کے وقت تیار رہنا فاروق نے اس کے رضامند ہونے پر خوش ہوتے ہوئے کہا اور جانے کے لیے اٹھ کھڑا ہوا۔
اگلے دن دونوں نمک والی سرکار کے آستانے پر جا پہنچے، آستانے کے بالکل سامنے ریل کی پٹڑی تھی جبکہ سائیڈ سے بہت بڑی نہر گذرتی تھی، جس پر سے ٹرین گزرنے کے لیے پُل بنا ہوا تھا، لکڑیوں کی بلیاں گاڑ کر آستانے کی چار دیواری بنائی گئی تھی، باہر کافی کاریں اور موٹر سائیکل کھڑے تھے جس سے لگ رہا تھا کہ باباجی کے کافی مرید ان کی خدمت میں موجود تھے۔
اس چار دیواری کے درمیان میں کافی بڑی جھونپڑی بنی ہوئی تھی جس کے باہر، ہر طرف خام نمک کے ڈھیلے جابجا بکھرے پڑے تھے، ندیم اور فاروق بھی بطور گفٹ ایک کافی بڑا نمک کا ڈھیلا لائے تھے جو انہوں نے پہلے سے لگے ہوئے ایک ڈھیر پر رکھ دیا اور جھونپڑی میں داخل ہو گئے، جہاں ایک ننگ دھڑنگ ادھیڑ عمر شخص مرد و خواتین میں گھرا بیٹھا تھا، اسے دیکھ کر ندیم ایک لمحے کے لیے ٹھٹکا۔
اگر اسے پہلے سے علم ہو جاتا کہ فاروق اسے کسی ننگ دھڑنگ شخص کے پاس لے جا رہا ہے تو وہ کبھی نہ آتا مگر اب کچھ نہیں ہو سکتا تھا، سوائے اپنی باری کا انتظار کرنے کے۔
وہ سب سے آخر میں آئے تھے، سو باری بھی آخر میں آئی، فاروق نے آگے بڑھ کر بابے کے ہاتھ چومے جبکہ ندیم نے مصافحہ کرنے پر اکتفا کیا۔
سرکار میں کل بھی آپ کی خدمت میں حاضر ہوا تھا اور اپنے اس کزن ندیم کے بارے میں تمام تفصیل عرض کی تھی، آپ کی ہدایت کے مطابق میں اسے اپنے ساتھ لے آیا ہوں، مہربانی فرما کر اسے کوئی ایسا تعویذ دے دیں کہ اس کے من کی مراد پوری ہو جائے۔'' فاروق نے التجا کی تو نمک والی سرکار غور سے ندیم کو دیکھنے لگا، اس کی داڑھی جھاڑ جھنکار کی طرح بڑھی ہوئی تھی، مونچھوں کے بال اتنے بڑھے ہوئے تھے کہ منہ کا دہانہ چھپ گیا تھا۔ کچھ دیر بعد اس نے نفی میں سر ہلا دیا۔
''ناممکن وہ لڑکی اس کے نصیب میں نہیں ہے۔'' نمکین سرکار نے واضح الفاظ میں انکار کر دیا۔
سرکار کچھ نہ کچھ تو حل نکالیں، ہم بہت امید لے کر آپ کے پاس آئے ہیں، فاروق نے ایک بار پھر ترلا کیا اور جیب سے بڑی مالیت کے کئی نوٹ نکال کر اس کے قدموں میں رکھ دیئے اس نے گہری نظروں سے نوٹوں کا جائزہ لیا اور پھر آنکھیں بند کر کے مراقبے میں چلا گیا۔
ماحول میں عجیب سی پراسراریت چھائی ہوئی تھی، کچھ دیر بعد نمکین سرکار نے جھٹکے سے آنکھیں کھول دیں۔
ویسے یہ کام ہے تو ناممکن، مگر تمہاری تابعداری مجھے مجبور کر رہی ہے کہ اس ناممکن کام کو ممکن بنا دوں۔
اس کو میرے ساتھ مل کر ایک رات کے لیے، ست چراغی کا عمل کرنا ہوگا، مگر اس عمل کے لیے تمہیں کسی مری ہوئی کنواری لڑکی کی ران کی ہڈی لانا ہوگی اور میرے موکلوں کو موکھ دینی ہوگی، تب ہی تمہارا چلّہ قبول ہوگا، نمکین سرکار نے شرائط بتا کر اپنی رضامندی ظاہر کی۔
موکھ کتنی ہوگی؟ اور سرکار کیا یہ کام کسی تعویذ وغیرہ سے نہیں ہو سکتا، آپ دیکھ سکتے ہیں کہ یہ کتنا کمزور ہو رہا ہے، جبکہ چلّے کا عمل کافی سخت ہوگا۔'' فاروق نے ہاتھ باندھتے ہوئے التجا کی۔
یہ عمل تو اسے خود ہی کرنا پڑے گا، اس کی پتلی

WAQAR AZEEM www.pakistanipoint.com

حالت دیکھ کر ہی میں نے اس کے ساتھ بیٹھنے کی حامی بھری ہے اور رہی بات تعویز کی تو، یوں سمجھ لو کہ جب ناسور بگڑ جاتا ہے تو اس کا علاج آپریشن کے سوا کچھ نہیں ہوتا، یہ کیس بھی اتنا بگڑ چکا ہے کہ اس کا حل ست چراغی کے علاوہ اور کسی طرح ممکن نہیں اور ایک بات ذہن میں رکھنا، اس عمل سے بھی سو فیصد گارنٹی نہیں دی جا سکتی، اگر عمل ٹھیک ہو گیا تو کام بن جائے گا، ورنہ اس کی قسمت۔

اب بھی اگر تم بضد ہو تو کل آدھی رات سے پہلے ہڈی اور موکھ لے کر اسے اکیلے آنا ہوگا، اچھی طرح سوچ سمجھ لو، اب تم لوگ جا سکتے ہو، نمکین سرکار نے انہیں جانے کا اشارہ کر دیا۔

فاروق نے ایک بار پھر عقیدت سے اس کے گھٹنوں کو ہاتھ لگایا اور ندیم کے ہمراہ جھونپڑی سے باہر نکل آیا۔

آئی ایم سوری یار، میں تو سمجھ رہا تھا کہ، کوئی تعویز وغیرہ مل جائے گا مگر یہاں تو معاملہ ہی کچھ اور ہے یہ چلّے والا معاملہ تو میری سمجھ سے باہر ہے تم فکر نہ کرو میں کوئی اور راستہ ڈھونڈتا ہوں۔ فاروق نے صورتحال کا تجزیہ کرتے ہوئے کہا۔

اب میں یہ چلّہ کروں گا، ہوسکتا ہے غزالہ اسی طرح میری ہو جائے، ندیم نے فاروق کے پیچھے موٹر بائیک پر بیٹھتے ہوئے جواب دیا۔

مگر ناکامی کی صورت میں تمہاری جان کو خطرہ ہوسکتا ہے، اس لیے پلیز اس خیال کو ذہن سے نکال دو، اویس نے ایک بار پھر مخالفت کی۔

اب تو میں یہ چلّہ ہر حال میں کروں گا، روز روز مرنے سے تو بہتر ہے کہ میں یہ جُوا کھیل ہی لوں۔

ندیم نے بھی حتمی لہجے میں جواب دیا، تو فاروق کا رنگ فق ہوگیا، اب اُسے احساس ہو رہا تھا کہ اس نے ندیم کو یہاں لا کر بہت بڑی غلطی کر دی تھی۔

اگلی رات ابھی آدھی ہی گذری تھی، جب ندیم اسی ویران اور سنسان راستے پر واپس آ رہا تھا، نہر کے کنارے پر موجود سرکنڈوں نے راستے کو تنگ کر رکھا تھا ہیڈ لائٹ کی روشنی میں ویران راستے پر اسے کئی طرح کے جانور اور زہریلے حشرات الارض نظر آئے، درختوں میں چھپا ہوا نمکین سرکار کا آستانہ انتہائی ڈراؤنا لگ رہا تھا۔

ندیم کو جھونپڑی کے اندر روشنی سی محسوس ہوئی، موٹر بائیک ایک طرف کھڑی کر کے جب وہ جھونپڑی میں داخل ہوا، تو ننگ دھڑنگ نمکین سرکار بابا اسی کے انتظار میں بیٹھا تھا۔

جھونپڑی کے درمیان میں سفید پاؤڈر سے سات کونے والا ستارہ بنایا گیا تھا، جس کے ساتوں کونوں پر سندور ڈال کر اس کے اوپر ایک ایک کھوپڑی رکھی گئی تھی، کھوپڑیوں پر کسی اجنبی زبان میں سرخ روشنائی سے منتر لکھے ہوئے تھے۔

ہر کھوپڑی پر ایک چراغ جل رہا تھا، جبکہ ستارے کے درمیان میں دائرے کی صورت میں سرکل بنایا گیا تھا۔

جھونپڑی کے دہشت زدہ ماحول نے کچھ دیر کیلئے ندیم کو سُن کر دیا۔

آؤ بچے ہم تمہاری راہ ہی دیکھت ہیں۔

نمکین سرکار نے اسے اندر آنے کا اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ پچھلے دن کے برعکس اس وقت اس کی آنکھوں میں چمک کئی گنا بڑھی ہوئی تھی۔

ندیم جھجکتا ہوا اس کے قریب جا کھڑا ہوا۔

بچے پتہ نہیں کیوں تم مجھے بہت اچھے لگے ہو، اسی لیے میں نے تمہیں چلّہ کروانے کی حامی بھر لی ہے، اب تم نے میری ہدایت پر عمل کرنا ہے۔

پہلے یہ بتاؤ ران کی ہڈی اور موکھ لائے ہو؟
نمکین سرکار نے اپنی جھاڑ جیسی داڑھی پر ہاتھ

WAQAR AZEEM www.pakistanipoint.com

پھیرتے ہوئے کہا تو اس کے منہ سے نکلنے والا بدبو کا بھبکا دور تک پھیل گیا۔

ندیم نے کچھ کہے بغیر جیب سے نوٹوں کی گڈی اور مخصوص ہڈی والا تھیلا بھی اس کی طرف بڑھا دیا نمکین سرکار نے نوٹوں کی گڈی بے اعتنائی سے ایک طرف اچھال دی اور تھیلے میں سے ہڈی نکال کر اسے غور سے دیکھنے لگا۔

کمال کر دیا، یہ بالکل بے داغ ہے کہاں سے مل گئی، اتنی جلدی.....'' نمکین سرکار نے پوچھا۔

ایک گورکن کو کافی بڑی رقم دے کر حاصل کی ہے۔'' ندیم نے دھیرے سے جواب دیا۔

وقت نکلا جا رہا ہے اب تمہیں اس سفید دائرے میں بیٹھنا ہے اور صرف دو لفظوں کا جاپ کرنا ہے اس نے دو حرف بتانے کے ساتھ بہت سی ہدایات بتا دی۔ ندیم کو الفاظ کچھ مانوس سے لگے۔

اور ہاں اس دائرے میں داخل ہونے سے پہلے تمہیں جڑی بوٹیوں سے بنا ہوا یہ خاص شربت پینا ہوگا۔ نمکین سرکار نے ایک طرف ڈھک کر رکھا ہوا پیالہ اٹھا کر اس کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔

ندیم نے پیالے میں جھانکا تو اسے وہ کوئی سیال سا لگا، اس کا ذائقہ تھوڑا کسیلا ہے مگر یہ تمہیں طاقت کے خزانے بخش دے گا۔ نمکین سرکار نے پیالے کے نیچے ہاتھ لگا کر زبردستی ندیم کے منہ سے لگا دیا۔

ندیم نے جیسے تیسے سیال پی تو لیا، مگر عجیب سے ذائقے کی وجہ سے کئی بار ابکائی آئی۔

بس ہو گیا چلو جلدی بیٹھو دائرے میں اور جاپ شروع کرو، نمکین سرکار نے اسے بازو سے پکڑ کر دائرے میں لے جاتے ہوئے کہا اور پھر اسے بٹھانے کے بعد ہڈی کو ایک خاص انداز سے اس کے سامنے رکھ دیا اور خود اس کے پیچھے بیٹھ گیا۔

ندیم نے اس کے بتائے ہوئے الفاظ بلند آواز سے دہرانا شروع کر دیے۔

سات کونوں والے ستارے کے ہر کونے پر ایک کھوپڑی اور ہر کھوپڑی پر جلتے ہوئے چراغ نے ماحول کو انتہائی خوفناک بنا رکھا تھا۔

جھونپڑی کی ہر دیوار پر جلتے چراغوں کی وجہ سے ان کے کئی کئی سائے پڑ رہے تھے۔

ابھی ندیم کو جاپ شروع کیے تھوڑی دیر ہی گذری تھی جب اسے اپنے عقب میں سے کوئی چیز بجلی کی رفتار سے گزرتی ہوئی محسوس ہوئی۔

نمکین سرکار نے اسے پیچھے مڑ کر دیکھنے سے منع کیا تھا، اس لیے وہ پیچھے مڑ کر نہیں دیکھ سکتا تھا، کچھ دیر بعد ایک بار پھر ویسا ہی محسوس ہوا، ندیم کے دل کی دھڑکن آخری حدوں کو چھو رہی تھی۔

اس کی تمام حسیں اس غیر مرئی چیز کو ایک بار پھر محسوس کرنے کے لیے الرٹ تھی، مگر اس بار وقفہ طویل تھا۔

اسی لمحے بادل زور سے گرجا اور جھونپڑی پر بارش برسنے لگی۔

بجلی دوبارہ اتنی زور سے کڑکی کہ ندیم کو لگا جیسے بجلی جھونپڑی پر آن گری ہو، اس کے چہرے پر خوف جیسے ثبت ہو کر رہ گیا تھا۔ اسے اچھی طرح یاد تھا جب وہ اس طرف آ رہا تھا تو مطلع صاف تھا، بادلوں کا کہیں نام و نشان تک نہیں تھا، کجا کہ اب گرج چمک کے ساتھ طوفانی بارش برس رہی تھی۔

چراغوں کے لرزتے شعلے کسی انجانے طوفان کی آمد کا پتہ دے رہے تھے، اسی لمحے جھونپڑی کا دروازہ ایک دھماکے سے کھلا اور ایک لمبے قد کا نورانی شکل والا شخص اندر داخل ہوا اس کے ہاتھ میں ایک لمبا ڈنڈا پکڑا ہوا تھا، اس کے انداز سے لگ رہا تھا کہ وہ شدید غصے میں ہے آنکھوں سے

WAQAR AZEEM
www.pakistanipoint.com

جیسے شرارے نکل رہے تھے۔ سفید لمبی داڑھی نے اس کی شخصیت کو بارعب بنا رکھا تھا۔

ندیم نے سمجھا کہ اس کے جاپ کا رزلٹ برآمد ہونا شروع ہو گیا ہے۔ یہ خیال ذہن میں آتے ہی اس کے منتر پڑھنے کی رفتار ڈبل ہوگئی، بزرگ ڈنڈا لہراتے ہوئے سیدھا اسی کی طرف آیا، تو ندیم کی عقب میں موجود نمکین سرکار اچھل کر کھڑا ہو گیا۔

''مورکھ میں نے تمہارا کیا بگاڑا ہے جو تم ہر بار میری تپسیا بھنگ کرنے چلے آتے ہو۔'' اس نے چیختے ہوئے کہا اور ندیم کے سامنے آن کھڑا ہوا۔

مگر آنے والے بزرگ نے زبان سے کوئی جواب دینے کی بجائے نمکین سرکار پر ڈنڈوں کی برسات کر دی، حملہ اتنا اچانک اور شدید تھا کہ اسے سنبھلنے کا موقعہ ہی نہیں ملا۔ جھونپڑی اس کی درد ناک چیخوں سے گونج اٹھی۔

ندیم خوف زدہ تو پہلے ہی ہو چکا تھا اب اس آفتِ ناگہانی میں وہ جاپ بھول گیا اور لاشعوری طور پر اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ بزرگ مشینی انداز میں ڈنڈر برسا رہا تھا جس کی وجہ سے گینڈے کی طرح پلے ہوئے نمک والی سرکار کو ٹھیک سے تڑپنے کا بھی موقعہ بھی نہیں مل رہا تھا وہ چیختا ہوا جھونپڑی میں چکرا رہا تھا جب اسے جان چھوٹتی نظر نہ آئی تو وہ سیدھا دروازے کی طرف ایسے بھاگا جیسے عالمی دوڑ کے مقابلے میں نمبرون پوزیشن کے لیے دوڑ رہا ہو ننگ دھڑنگ ہونے کی وجہ سے جسم پر ابھرنے والی چوٹوں کے نشان نمایاں تھے وہ جیسے ہی چیختا ہوا باہر نکلا تو بزرگ اس کے پیچھے جانے کی بجائے ندیم کی طرف پلٹ آیا اس نے ندیم کو مارنے کے لیے ڈنڈے کو فضا میں بلند کیا تو ندیم نے دہشت سے آنکھیں بند کر کے چہرے کو دونوں ہاتھوں کے پیچھے چھپا لیا، چند لمحے اسی کیفیت میں گذر گئے مگر ڈنڈا اسے نہ لگا تو اس نے ڈرتے ڈرتے دیکھا، بزرگ نے ڈنڈا تو نیچے کر لیا تھا مگر دیکھا ابھی بھی غصیلے انداز سے رہا تھا۔

کون ہو تم اور اس خبیث کے ہتھے کیسے چڑھے تفصیل بتاؤ ورنہ یار جی کو مار مار کر بھرکس نکال دوں گا، بزرگ نے جلالی انداز میں دھمکی دی تو ندیم کسی ٹیپ ریکارڈر کی طرح چل پڑا اور بلا کم و کاست تمام بات بتا دی۔

کچھ خدا کا خوف کرو، ایک ایسی لڑکی کے لیے اپنے ایمان سے ہاتھ دھو بیٹھے ہو جو تمہیں پسند تک نہیں کرتی، پتہ نہیں آجکل کے بچوں کو ہو کیا گیا ہے۔ بزرگ نے دکھ بھرے لہجے میں کہا۔

''م..... م..... میں کیوں اپنے ایمان سے ہاتھ دھوؤں گا جناب، میں مسلمان ہوں، یہ ٹھیک ہے کہ میں غزالہ سے محبت کرتا ہوں پر اتنی بھی نہیں کہ میں اسے اپنے ایمان پر ترجیح دے دوں۔'' اس نے جواب دیا تو کچھ دیر پہلے کے برعکس، اس بار اس کا لہجہ کافی مضبوط تھا۔

''ہنہ دعوے دیکھو اور اپنے کرتوت دیکھو۔'' بزرگ نے نفرت سے ہنکارہ بھر کر کہا تو ندیم کھسیانا سا ہو کر رہ گیا۔

میرا نام فضل دین ہے یہاں اردگرد میری زمینیں ہیں، اس خبیث نے یہ جھونپڑی بھی میری زمین میں بنا رکھی ہے، کئی بار اسے اس غلیظ کام سے منع کر چکا ہوں، لیکن اس پر تو اثر ہی نہیں ہوتا اور تم جیسے پڑھے لکھے بیوقوف بھی منہ اٹھائے تلبیس ابلیس میں پھنسنے کے لیے چلے آتے ہیں۔

کیا اس نے تمہیں اس دائرے میں داخل ہونے سے پہلے کچھ کھانے کو دیا تھا؟ فضل دین نے اپنے بارے میں بتانے کے بعد سوال پوچھا۔

کھانے کو تو کچھ نہیں دیا، البتہ پینے کے لیے

WAQAR AZEEM www.pakistanipoint.com

شربت کا پیالہ دیا تھا، اس نے ایک طرف پڑے خالی پیالے کی طرف اشارہ کیا۔ فضل دین نے آگے بڑھ کر وہ پیالہ اٹھایا، اسے غور سے دیکھنے کے بعد سونگھا، اگلے ہی لمحے نفرت سے دور پھینک دیا۔

''او بے وقوف انسان اس شیطان کے چیلے نے تمہارا ایمان چھیننے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی، اس پیالے میں خنزیر کا خون تھا اور یہ جو چراغ جل رہے ہیں ان کی بدبو بتا رہی ہے کہ ان میں جلنے والی چربی بھی سور کی ہی ہے اور تم جو منتر پڑھ رہے تھے جانتے ہو، وہ قرآن کے الفاظ الٹا کر کے پڑھ رہے تھے اور ابھی بھی تم مسلمان ہونے کا دعویٰ کر رہے ہو، اپنے حلق میں انگلی مار کر الٹی کرو جلدی، فضل دین نے ناگواری سے کہا۔

اس کی بات سن کر ندیم کا دماغ بھک سے اڑ گیا، اسے سیال پیتے وقت کچھ غلط ہونے کا اندیشہ تو ہوا تھا، مگر یہ تو اس کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ وہ خنزیر کا خون پی رہا ہے۔

اسے اپنے آپ سے نفرت سی محسوس ہوئی پھر جیسے ہی اس نے حلق میں انگلی ماری تو معدے میں موجود خون، الٹی کی صورت میں باہر نکل آیا پوری جھونپڑی میں تعفن پھیل گیا۔ اس نے یہ عمل کئی بار دہرایا۔

''اللہ کی پناہ کوئی شخص کسی لڑکی کو پانے کے لیے اس حد تک گر سکتا ہے۔'' فضل دین نے حقارت بھرے لہجے میں کہا تو ندیم کی آنکھوں سے آنسو ٹپ ٹپ گرنے لگے۔

''محترم میرا یقین مانیں، یہ سب لاعلمی میں ہو گیا، اگر مجھے پتہ چل جاتا کہ وہ خبیث مجھے کیا پلا رہا ہے تو میں جان دے دیتا مگر پیالے کو ہاتھ نہ لگاتا۔'' اس نے گلوگیر لہجے میں صفائی دی۔

ہمیں حکمت خداوندی پر راضی رہنا چاہیے، ویسے بھی جو چیز ہمارے لیے بہتر نہیں ہوتی وہ ہمارے نصیب میں نہیں لکھی جاتی، تمہاری محبت نے مجھے بہت متاثر کیا ہے میں دعا کرتا ہوں کہ غزالہ خود چل کر تمہارے پاس آئے اور یقین مانو ایسا ہی ہوگا کیونکہ میرا سوہنا رب میری کوئی دعا رد نہیں کرتا فضل دین نے اس بار قدرے نرم اور ہمدردانہ لہجے میں کہا اور پھر ڈنڈے سے کھوپڑیاں اور چراغ توڑنے لگا آخری چراغ کو اس نے کچھ ایسے انداز سے ڈنڈا مار کر اچھالا کہ وہ جھونپڑی کی دیوار پر جا گرا جو گھاس پھونس کی تھی اسی لیے فوراً آگ لگ گئی۔

تمہیں اپنے اندر سے اس غلیظ خون کا اثر فوری ختم کرنا پڑے گا، اس کے بعد ہی تجدید ایمان ہو سکے گا، اگر خون کا اثر ختم نہ کیا گیا تو تم شدید بیمار بھی پڑ سکتے ہو، فوراً اپنے گھر جاؤ اور پیٹ بھر کر دودھ پیو، اور پھر اسی طرح حلق میں انگلی مار کر الٹی کرو، بار بار یہی عمل دہراتے رہنا جب تک الٹی میں سرخی غالب رہے گی تب تک ایسا کرنا، جب تک دودھ اپنے اصل رنگ میں واپس نہ آ جائے۔

نصیحت کرنے کے دوران وہ اسے بازو سے پکڑے جھونپڑی سے باہر لے آئے تھے، باہر موسلا دھار بارش ہو رہی تھی۔

آپ کہاں جائیں گے؟ میں آپ کو چھوڑ آتا ہوں، اس نے بائیک اسٹارٹ کرتے ہوئے کہا۔

نہیں میں خود چلا جاؤں گا میرا ڈیرہ یہاں سے قریب ہی ہے، کبھی فرصت میں ملنے آنا ابھی جو میں نے کہا ہے جاؤ فوری اس پر عمل کرو اور ہاں معدے کی صفائی کے بعد غسل اور تجدید ایمان ضرور کرنا فضل دین نے ایک بار پھر نصیحت کی اور اپنے ڈیرے کی طرف چل پڑا۔

ندیم بائیک کی ہیڈ لائٹس کی روشنی میں کچھ دیر

WWW.PAKSOCIETY.COM
www.pakistanipoint.com

تک اس فرشتے کو دور جاتے ہوئے دیکھتا رہا اور پھر گھر واپس جانے کے لیے بائیک کا رُخ نہر کی پٹڑی کی طرف موڑ دیا۔

اس کے عقب میں آگ نے جھونپڑی کو پوری طرح اپنی لپیٹ میں لے لیا تھا برستی بارش میں جلتی ہوئی جھونپڑی نے اپنی نوعیت کا عجیب سین تخلیق کر رکھا تھا۔

☆.....☆.....☆

گہری اندھیری رات کا فسوں اپنی تمام تر حشر سامانیوں سمیت چاروں طرف پھیلا ہوا تھا۔

تنہائی پسند پروڈیوسر سرمد خان کا گھر بھی اس کی طبیعت کا عکاس تھا گھر کے سامنے ایک بڑی نہر تھی جو شاندار ویو پیش کرتی تھی، آبادی سے قدرے ہٹ کر ہونے کی وجہ سے ہر وقت خاموشی اور سکون فضا میں پھیلا رہتا تھا۔

سرمد خان اکثر ساری ساری رات شوٹنگ میں مصروف رہتا تھا اور صبح کو ہی واپس لوٹتا تھا، فنٹی پلس ہونے کے باوجود وہ ابھی بھی شادی کو جھنجھٹ سمجھتا تھا۔

اس وقت بھی وہ اپنے گھر پر موجود نہیں تھا، اندھیرے میں ڈوبا ہوا گھر اندھیرے کا حصہ ہی معلوم ہو رہا تھا، گھر کے سامنے موجود نہر کا پانی بے آواز اور پُرسکون حالت میں بہہ رہا تھا۔

اس پُرسکون ماحول میں اچانک کسی موٹر بائیک کے انجن کی ہلکی سی گھر گھر کی آواز ابھری تو ماحول پر وارد خاموشی کو جمود ٹوٹ گیا، موٹر بائیک کی ہیڈ لائٹ بند تھی اور اسے ایک نوجوان چلا رہا تھا۔

اس نے موٹر بائیک سرمد خان کے گھر کے سامنے پہنچ کر روک دی اور نیچے اتر کر اطراف کا گہری نظروں سے جائزہ لینے لگا۔

مطمئن ہونے کے بعد اس نے اپنی جیکٹ کی جیب سے چابیاں نکالی اور گیٹ کھول کر اندر داخل ہو گیا۔

اندر کے دروازے بھی آرام سے کھولتے ہوئے، وہ سرمد خان کے بیڈ روم میں جا پہنچا، اس کے انداز سے لگ رہا تھا جیسے اسے یہاں کی ہر چیز سے آشنائی ہو، کمرے میں داخل ہو کر اس نے ایک طرف موجود الیکٹرک بورڈ پر سے بٹن دبا کر لائٹ آن کی تو کمرہ روشن ہو گیا۔

کارپیٹڈ کمرہ نہایت نفاست سے سجا ہوا تھا، جمبو سائز کا چنیوٹی بیڈ کاریگروں کے فن کا منہ بولتا ثبوت تھا، بیڈ کے ایک طرف دو سیٹوں والا صوفہ موجود تھا۔

جبکہ دوسری طرف شوکیس تھا جس میں بے شمار ایوارڈز اور ٹرافیاں سجی ہوئیں تھیں۔

شوکیس کے ساتھ صندل کی لکڑی کا سنگھار ٹیبل رکھا ہوا تھا، نوجوان نے کمرے میں موجود کسی چیز کی طرف نظر اٹھا کر بھی نہیں دیکھا، وہ سیدھا سامنے والی دیوار کی طرف بڑھا جس پر ہاتھ سے بنی ہوئی کافی بڑی پینٹنگ لگی ہوئی تھی نوجوان نے اس پینٹنگ کو نیچے اتارا اور اس کے پچھلی طرف کچھ کھوجنے لگا۔ کچھ ہی دیر بعد اس نے پینٹنگ کے پیچھے خاص انداز میں فٹ کیے ہوئے ایک ڈیجیٹل کیمرے کو اتار لیا اور پینٹنگ کو واپس دیوار پر لگا دیا وہ اس کیمرے کو چند دن پہلے یہاں فٹ کر کے گیا تھا اس کام کے لیے اسے اچھا خاصا معاوضہ ملنے والا تھا اس نے اپنی جیب سے سیل فون اور ڈیٹا کیبل نکال کر ڈیجیٹل کیمرے کو فون کے ساتھ منسلک کیا اور پھر چند آپشن کلک کیے اور کیمرے میں موجود فائلوں کا ڈسپلے فون کی اسکرین پر لے لیا اور پھر فائلوں میں موجود ویڈیو کلپ دیکھنے لگا وہ جوں جوں ویڈیو دیکھتا جا رہا تھا اس کے چہرے پر خوشی کا

WAQAR AZEEM
www.pakistanipoint.com

آبشار بہتا جارہا تھا اس نے کیمرے میں موجود تمام ویڈیوز اپنے سیل فون میں کاپی کر کے محفوظ کر لی۔

اس کام سے فارغ ہو کر اس نے ایک نمبر پر کال ملالی۔

''یس.....'' چند لمحوں بعد دوسری طرف سے کسی کی خوابیدہ آواز سنائی دی۔

جبار صاحب میں عدنان بات کر رہا ہوں، آپ کا کام ہو گیا یا یوں سمجھ لیں کہ شوبز دنیا کی سب سے بڑی بریکنگ نیوز بن گئی ہے، آپ بقایا رقم میرے اکاؤنٹ میں ٹرانسفر کریں میں ویڈیوز آپ کو سینڈ کرتا ہوں۔'' نوجوان نے پُر جوش لہجے میں تفصیل بتائی۔

کیا واقعی کام ہماری توقع کے عین مطابق ہو گیا ہے، دوسری طرف سے حیرت زدہ لہجے میں پوچھا گیا؟

جناب آپ میڈم غزالہ اور سرمد خان کو جس حالت میں دیکھنا چاہتے تھے، ویڈیو بالکل ویسی ہی بنی ہے، نوجوان نے دوبارہ تصدیق کی۔

پھر تو واقعی تم نے کمال کر دیا، میں ابھی تمہارے اکاؤنٹ میں رقم بھیج رہا ہوں، تم ویڈیو سینڈ کرو، جبار نے حامی بھرتے ہوئے کہا۔ جبار صاحب آپ کو اپنا وعدہ یاد ہے نہ؟ میں نے بہت بڑا رسک لے کر سرمد کے گھر کی چابیاں ڈپلیکیٹ بنوائی اور پھر ان کی پرائیویسی کی ویڈیو بنائی اگر اسے علم ہو گیا کہ اس کام میں، میں ملوث ہوں تو وہ مجھے اپنے سیکرٹری کی نوکری سے نکال دیں گے، نوجوان نے جھجکتے ہوئے کہا۔

تم بالکل بے فکر رہو میں جانتا ہوں، اگر سرمد خان کو بھنک بھی پڑ گئی کہ تم اس کام میں ملوث ہو تو نوکری تو کیا وہ تمہاری جان لینے سے بھی دریغ نہیں کرے گا، میرا تم سے وعدہ ہے، کسی بھی مرحلے پر تمہارا نام سامنے نہیں آئے گا۔ جبار نے اسے مکمل تحفظ کی یقین دہانی کروائی۔

ٹھیک ہے جناب، میں ویڈیو سینڈ کرتا ہوں، آپ رقم بھیجیں، نوجوان نے ایک گہرا سانس لے کر کہا اور کال ڈس کنیکٹ کر دی۔ اس کے بعد وہ دروازوں کو جس طرح کھولتا ہوا اندر داخل ہوا تھا اسی طرح بند کرتا ہوا باہر آ گیا۔

اس وقت تک اس کے سیل فون پر رقم اکاؤنٹ میں آنے کے کئی میسج آ چکے تھے، اس کا دل بلیوں اچھل رہا تھا، چند دن میں اس نے اتنی بڑی رقم کمالی تھی کہ جتنی وہ سرمد خان کا کئی سال سیکرٹری رہ کر بھی نہیں کما سکتا تھا، اس نے ویڈیو جبار کے نمبر پر سینڈ کی اور بائیک کو اسٹارٹ کر کے اندھیرے میں گم ہو گیا۔

☆.....☆.....☆

وسیع و عریض قطعے پر بنے ہوئے فارم ہاؤس کے سامنے پیلے رنگ کی ٹیکسی آ کر رُکی اور اس میں سے غزالہ برآمد ہوئی، ٹیکسی والے کو کرایہ دے کر وہ گیٹ کی طرف بڑھی، اس کے چہرے پر ہوائیاں اڑ رہی تھیں، اس نے عمران کے کندھے پر پاؤں رکھ کر شوبز میں ابتدائی کامیابیاں حاصل کی تھیں اور بعد میں اسے بری طرح نظر انداز کر کے پروڈیوسر سرمد خان سے تعلقات استوار کر لیے تھے تاکہ مزید آگے بڑھنے میں آسانی رہے، اس میں وہ پوری طرح کامیاب بھی رہی تھی۔

مگر عمران اسے کیسے جانے دے سکتا تھا، اس نے جبار کی پلاننگ پر عمل کیا اور ویڈیو حاصل کر لی۔

اب عمران نے اسے دھمکی دے کر اکیلے ملنے کے لیے بلوایا تھا، غزالہ بری طرح پھنس چکی تھی، اسے علم تھا اگر یہ ویڈیو منظر عام پر آ گئی تو جس رفتار سے شہرت کی سیڑھیوں پر چڑھی تھی اس سے دوگنی

WAQAR AZEEM www.pakistanipoint.com

اسپیڈ کے ساتھ زمین پر آن گرے گی۔
وہ یہی سوچ کر بھاگی چلی آئی تھی کہ جیسے بھی ہوا وہ عمران کو راضی کر کے ویڈیو تلف کروا لے گی۔
ابھی اس نے گیٹ کو ہاتھ لگایا ہی تھا کہ گیٹ خود بخود کھلتا چلا گیا، گیٹ کھولنے والا عمران تھا وہ اسی کے انتظار میں کھڑا تھا، دونوں کی نظریں کئی لمحے ایک دوسرے سے الجھی رہیں۔
''عمران ہم بیسٹ فرینڈ رہے ہیں، پلیز اس دوستی کے صدقے میری اس غلطی کو اگنور کر دو، تم جو بھی کہو میں کرنے کے لیے تیار ہوں، اگر تم مجھ سے شادی بھی کرنا چاہو تو مجھے کوئی اعتراض نہیں ہے۔'' غزالہ نے ایک ادا سے اس کا ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لیتے ہوئے کہا۔
اس کی آفر سن کر عمران کے چہرے پر معنی خیز مسکراہٹ پھیل گئی۔
''پھر سوچ لو کیا واقعی میں جو بھی کہوں گا تم مان لو گی؟'' اس نے سیٹنگ روم کی طرف بڑھتے ہوئے کہا۔
''آزما کے دیکھ لو اور ویسے بھی میں نے تم سے کبھی جھوٹ......'' ابھی اس نے اپنی بات مکمل نہیں کی تھی جب اس کی نظر سیٹنگ روم کے صوفوں پر بیٹھے ہوئے عمران کے دوستوں پر پڑی تو لفظ اس کے حلق میں پھنس کر رہ گئے۔ وہ سب بھوکے درندوں کی طرح اسی کی طرف دیکھ رہے تھے۔
غزالہ تو یہی سوچ کر آئی تھی کہ عمران کو راضی کرنے میں اسے کوئی مشکل نہیں ہو گی، مگر آج تو عمران اپنی مہربانیوں کا قرض سود سمیت وصول کرنے کے موڈ میں نظر آ رہا تھا، خود کو اتنے بھیڑیوں کے درمیان گھرا پا کر اسے اپنا دماغ گھومتا ہوا محسوس ہوا اور اگلے ہی وہ چکرا کر فرش پر جا گری۔
''یار کیا ہماری شکلیں اتنی خوفناک ہیں جو یہ دیکھتے ہی بے ہوش ہو گئی۔'' کامی نے اپنی شکل بگاڑتے ہوئے مزاحیہ انداز میں کہا تو کمرہ غیر انسانی قہقہوں سے گونج اٹھا۔
''اس نے مجھے دھتکار کر اس بڈھے کھوسٹ کو نوازا اسے اس کا خمیازہ تو بھگتنا ہی پڑے گا اور پھر اس کے بعد ہر حال میں ویڈیو کو سوشل میڈیا پر اپ لوڈ کروں گا۔ تاکہ اسے آخری سانس تک یاد رہے کہ عمران جسے شہرت کی بلندیوں پر پہنچا سکتا ہے اسے گمنامی کی دلدل میں بھی دھکیل سکتا ہے۔'' عمران نے نفرت بھرے لہجے میں کہا اور ٹیبل پر موجود پانی کا جگ اٹھا کر غزالہ کے چہرے پر انڈیل دیا۔
چند لمحوں بعد وہ کسمساتی ہوئی ہوش میں آ گئی اور سب کو آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر ایسے دیکھنے لگی جیسے کسی معصوم ہرنی کو بیک وقت بھیڑیوں کے پورے غول نے گھیرے میں لے لیا ہو۔
☆......☆......☆
ندیم کی طبیعت میں کئی دن بعد سدھار آیا تھا، نمک والی سرکار کے ست چراغی والے عمل نے اسے ذہنی طور پر مفلوج کر دیا تھا۔
اس نامراد کے چکروں میں اس کا ایمان تک داؤ پر لگ چکا تھا وہ تو بھلا ہو اس نیک بزرگ فضل دین کا کہ اس نے بروقت آ کر اس کو مکمل برباد ہونے سے بچا لیا تھا۔
وہ اس وقت اپنے کمرے میں موجود بیڈ پر لیٹا ہوا چھت کو گھورے چلا جا رہا تھا، پچھلے واقعات سین در سین اس کے دماغ کی اسکرین پر چل رہے تھے۔
سیل فون کی اچانک بجنے والی ٹون نے اسے چونکا دیا اس نے سیل فون اٹھا کر دیکھا تو اسکرین پر فاروق کی تصویر فلش کر رہی تھی۔
WAQAR AZEEM
www.pakistanipoint.com

''اسلام وعلیکم.....'' اس نے کال رسیو کرتے ہوئے کہا۔

''جگر تم تو ہمیشہ سب کی سلامتی ہی چاہتے ہو، مگر تمہارے نصیب تمہیں زندگی کے کسی موڑ پر سلامتی اور سکھ کا سانس نہیں لینے دیں گے۔'' دوسری طرف سے فاروق کی دُکھ بھری آواز ابھری۔

''بس یار نصیب سے کون لڑ سکتا ہے، ویسے تم تو ہمیشہ میرا حوصلہ ہی بڑھاتے آئے ہو آج ایسا کیا ہو گیا کہ تم نے بھی مایوسی والی بات کی۔'' ندیم نے اٹھ کر بیٹھتے ہوئے جواب دیا۔

''آج میں تم سے بھی زیادہ اداس ہوں، رشتوں سے تو میرا اعتبار ہی اٹھ گیا ہے، میں تمہیں تمہاری زندگی کی سب سے بری خبر سنانے بلکہ دکھانے جا رہا ہوں، اس کا مجھے عمر بھر دکھ رہے گا۔''

لیکن اس میں ایک اچھا پہلو یہ ہے کہ تمہاری سراب کے پیچھے بھاگنے سے جان چھوٹ جائے گی اور تمہیں اپنی زندگی کے راستے از سر نو متعین کرنے میں آسانی ہو جائے گی۔ سوشل میڈیا پر غزالہ کی ایک ویڈیو وائرل ہوئی ہے میں تمہیں اس کا لنک سینڈ کر رہا ہوں، وہ دیکھ لو پھر بات کرتے ہیں۔'' فاروق نے نان اسٹاپ اپنی بات مکمل کی اور کال منقطع کر دی۔

تھوڑی دیر بعد ہی ندیم کو لنک موصول ہو گیا، جیسے ہی اس نے لنک کو اوپن کیا اور ویڈیو پلے ہوئی تو ندیم کا دماغ بھک سے اڑ گیا۔

وہ آج تک یہی سوچتا آیا تھا کہ غزالہ چاہے جیسی بھی ہو مگر اس کے کردار اور پاک دامنی کی وہ قسم اٹھا سکتا تھا، اس نے اپنے تخیل میں غزالہ کے کردار کا جو اونچا مینار تعمیر کیا تھا، وہ آج اس کے اوپر ہی آن گرا تھا، جس کے نیچے دب کر اسے اپنا دم گھٹتا اور دل ڈوبتا ہوا محسوس ہونے لگا۔

اس نے غزالہ سے اوس کے پاکیزہ قطروں جیسی محبت کی تھی جواب غم اور غصے کی حدت سے بھاپ بن کر اڑ رہی تھی، اس کے ذہن میں بار بار ایک ہی خیال ابھر رہا تھا، کیا میں اس لڑکی کو ساری ساری سجدوں میں گر گر مانگتا رہا ہوں۔

فضل دین نے اسے کہا تھا کہ میں دعا کرتا ہوں وہ خود چل کر تمہارے پاس آئے گی، اس کی دعا کے بعد سے اسے موہوم سی امید تھی کہ شاید نیک بزرگ کی دعا کے صدقے، ایسا ہو ہی جائے، مگر اب اسے شرمندگی ہو رہی تھی کہ وہ اس بے وفا کو پانے کے ضد میں کتنا آگے نکل گیا تھا۔

ویڈیو میں غزالہ اپنے باپ کی عمر کے سرمد خان کے ساتھ منہ کالا کرنے کی ساری حدوں کو کراس کر رہی تھی، ندیم کا حوصلہ جواب دے گیا، اس نے سیل فون کو دیوار پر اتنی زور سے مارا کہ وہ ٹکڑوں کی صورت میں بکھر گیا۔

اس کے دماغ میں سوالوں کا ہجوم اکٹھا ہو گیا اس سے پہلے کہ وہ ان کے جواب تلاشتا، کمرے کا دروازہ کھلا اور غزالہ اندر داخل ہوی، وہ اجڑی ہوئی سی لگ رہی تھی، گالوں کی گلابی رنگت پر پیلاہٹ نے قبضہ کر لیا تھا، آنکھوں کے گرد سیاہ حلقے بتا رہے تھے کہ وہ کئی راتوں سے سوئی نہیں تھی۔

اسے دیکھ کر ندیم کو ذرا بھی حیرت نہیں ہوئی وہ بس ایک ٹک اسے دیکھے جا رہا تھا، فضل دین کی دعا اس کے حق میں پوری ہو چکی تھی۔ وہ خود چل کر آ گئی تھی۔

کیا مجھ سے ناراض ہو؟ غزالہ نے قریب بیٹھ کر اس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے پوچھا۔

کچھ چیزیں بس میں نہیں ہوتی میں چاہ کر بھی تم سے ناراض نہیں ہو سکتا، ندیم نے گلوگیر لہجے میں جواب دیا، تو اس کی آنکھیں چھلکنے کو تھی۔

WAQAR AZEEM www.pakistanipoint.com

اس کا جواب سن کر غزالہ کے چہرے پر اطمینان کی لہر دوڑ گئی اور اس نے غیر محسوس انداز میں گہرا سانس خارج کیا، میں اپنے پچھلے رویوں پر معافی مانگنے آئی ہوں، یقیناً تم نے میری وائرل ہوئی ویڈیو دیکھی ہوگی، وہ ایک فیک ویڈیو ہے، دراصل میں نے جس رفتار سے ترقی کی ہے، اس سے میرے ہزاروں حاسد پیدا ہو گئے ہیں، وہی لوگ اس طرح کے اوچھے ہتھکنڈے استعمال کر کے میری شہرت کو نقصان پہنچانا چاہتے ہیں، تم نے ان کی ذرا بھی پروا نہیں کرنی، میں کام کی زیادتی کی وجہ سے تھوڑی چڑچڑی ہو گئی تھی، شاید اسی لیے تم سے مس بی ہیو کر جاتی تھی، اب میں اپنی تمام کی گئی زیادتیوں کا ازالہ کروں گی۔

اگر تم چاہو تو میں شوبز بھی چھوڑنے کے لیے تیار ہوں، غزالہ نے اس کا ہاتھ پکڑا اور مسکراتے ہوئے، اپنے گناہ کو فیک کہا اور مستقبل میں غیر مشروط ساتھ نبھانے کا عندیہ دے دیا۔

اس کی اداکاری کسی جھول سے پاک تھی اس کے انداز سے لگ رہا تھا جیسے وہ کسی ڈرامے کی شوٹنگ کے لیے سٹیج پر موجود ہو اور اس نے اپنا سین پہلے ہی ٹیک میں اوکے کروا دیا ہو۔

کیا میں نے تم سے کسی بات کی وضاحت مانگی ہے، ندیم نے اس کی تقریر کے بعد آہستہ سے پوچھا۔

غزالہ کا منہ حیرت سے کھلا رہ گیا، وہ تو یہاں آتے ہوئے سوچ رہی تھی کہ اسے شکایتوں کا پورا پنڈورا بکس کھلا ہوا ملے گا، مگر یہاں نہ کوئی شکوہ تھا اور نہ کوئی شکایت۔

ہمارا بچپن سے ساتھ ہے محبتوں اور چاہتوں کا ساتھ میری نادانی کی وجہ سے تمہیں اذیت سہنا پڑی تم تمام رنجشیں بھلا دو، ہم پھر سے پہلے جیسے ہو جائیں گے، اسکول کے زمانے جیسے، ہمارے درمیان کوئی نہیں ہو گا غزالہ نے قریب ہوتے ہوئے خوابیدہ لہجے میں کہا۔

بس یہ ایک کام اب مجھ سے کبھی نہیں ہو سکے گا، میں محبت نہیں کر سکوں گا، کبھی بھی نہیں اور کسی سے بھی نہیں تم سے بھی نہیں۔

ندیم کے منہ سے الفاظ ٹکڑوں اور ہچکیوں کی صورت میں نکلے اور اس کا رُکا ہوا آنسوؤں کا سیلاب ضبط کی دیواروں کے اوپر سے بہہ نکلا۔ غزالہ نے کچھ کہنا چاہا مگر ندیم کی پاکیزہ محبت کا رعب اس پر کچھ اس طرح سے پڑا کہ اس کے بے رونق ہونٹ کپکپا کر رہ گئے۔

ندیم کو اپنی آنسوؤں سے بھری آنکھوں سے غزالہ اس وقت اپنی اُس کٹی ہوئی پتنگ جیسی لگ رہی تھی جسے مفت کا مال سمجھ کر لوٹنے والوں کی بے صبری نے پرزہ پرزہ کر دیا تھا۔

غزالہ کو بھی لوٹنے والوں نے بے قیمت کر دیا تھا وہ بھی پتنگ کے ٹکڑوں کی طرح اب کسی کے کام کی نہیں رہی تھی۔

مجھے نماز کو دیر ہو رہی ہے، ندیم نے دھیرے سے اپنا ہاتھ غزالہ کی گرفت چھڑواتے ہوئے کہا اور جانے کے لیے اٹھ کھڑا ہوا، اب مسجد ہی وہ واحد جگہ تھی جہاں اسے سکون کے کچھ لمحے میسر آ سکتے تھے۔

غزالہ کمرے سے نکلتے ہوئے ندیم کو ایسے دیکھ رہی تھی جیسے اس کی زندگی روٹھ کر اس سے دور جا رہی ہو مگر اب کچھ نہیں ہو سکتا تھا۔

غلطی بھی اسی کی تھی اور اب کفارہ بھی اسے اکیلے ہی ادا کرنا تھا اور کفارہ ادا کرنے کے لیے اسے اپنے پاس چند سانسوں کے علاوہ اور کچھ نظر نہیں آ رہا تھا۔

❑❑.....❁.....❑❑

WWW.PAKSOCIETY.COM
www.pakistanipoint.com

ساہیوال سے بھیجی گئی خوفناک تحریر

میں رات کو آؤں گا

گندے عملیات میں پڑنے والوں کا انجام
عبرت ناک موت کے سوا کچھ نہیں.....

محسن علی طاب

اکرم چار بہنوں کا ایک ہی بھائی تھا باپ کا سایہ سر پر نہیں تھا صرف ماں تھی جو سلائی کڑھائی سے گھر چلاتی تھی بہنیں بھی ماں کا ہاتھ بٹاتی تھیں اکرم بھی زمیندار کے کھیتوں میں کام کرتا تھا مگر تنخواہ اچھی نہیں ملتی تھی۔

اکرم کی ماں بڑی بیٹی جو 24 سال کی تھی کے ہاتھ پیلے کرنے کی فکر میں تھی۔ مگر اس کی لڑکی کے سسرالیوں نے جہیز مانگا تھا ان کا تو اپنا گزارا مشکل سے چلتا تھا اکرم کی ماں شادو بی بی روز نماز کے بعد رو رو کر رب سے دعائیں مانگتی۔ اکرم کا دل ان حالات کو دیکھ کر کرتا کہ اس کے ہاتھ قارون کا خزانہ لگ جائے اور وہ اپنی بہنوں کو بیاہ سکے مگر خواب تو خواب ہوتے ہیں۔

ایک دن اسے ایک کتاب ملی عملیات کی وہ پڑھنے لگا۔ سب عمل ہی چالیس ستر یا اکیس دن کے تھے وہ نہیں کر سکتا تھا اتنا محنتی نہیں تھا وہ تو شارٹ کٹ کی تلاش میں تھا۔ آخر کار اس کی نظر ایک صفحہ پر جم گئی۔ یہ عمل آسان تھا مگر اتنا بھی آسان نہیں تھا۔ اسے ایک جنازے کے مردے کے کان میں دفنانے سے پہلے کہنا تھا میں رات کو آؤں گا میرا انتظار کرنا..... اس نے یہ عمل کرنے کا فیصلہ کر لیا اور وہ روز جہاں بھی جنازے میں جاتا موقع کی تلاش میں رہتا مگر اس کا کام نہ بنتا۔

ایک دن اسے پتہ چلا اس کا نوجوان دوست انتقال کر گیا ہے ایکسیڈنٹ میں..... اس دن وہ ان کے گھر جا کر ٹھہر گیا۔ جب مردے کو نہلانے کے لیے کانوں میں روئیاں رکھیں تب وہ ہی رکھ رہا تھا۔

جب وہ دائیں کان میں رکھنے لگا تو آہستہ آواز میں مردے کے کان میں کہہ دیا۔

''میرا انتظار کرنا رات کو روٹی لے کر آؤں گا۔'' یہ کہہ کر روئی مردہ کے کان میں لگا دی۔ دوسروں کو اس بات کا علم نہ ہو سکا۔ عصر کی نماز کے بعد جنازہ اٹھا..... نماز کے بعد جنازہ پڑھ کر گھر آ گیا۔

اکرم تھوڑا خوفزدہ تھا مگر جب گھر کے حالات

WWW.PAKSOCIETY.COM
www.pakistanipoint.com

نظروں کے سامنے سے گزرے تو اس نے ہمت پکڑ لی۔

ٹھیک رات بارہ بجے وہ قبرستان کے مین گیٹ سے اندر داخل ہوا اس کا دل زور زور سے دھڑک رہا تھا ہر طرف خوفناک خاموشی تھی ایسا لگتا تھا ابھی سب مردے قبریں پھاڑ کر نکل آئیں گے اور اکرم کی چیر پھاڑ کریں گے مگر اکرم ہمت کر کے چلتا رہا اور اپنے دوست کی قبر پر آ کر رک گیا۔ جیسے ہی وہ رُکا۔ اچانک قبر میں سے کوئی سفید کفن میں چھلانگ لگا کر باہر آیا۔

اکرم ڈر کے مارے کئی قدم پیچھے ہٹ گیا اس کا تو ہارٹ ہی فیل ہو جانا تھا اس کا مردہ دوست زندہ ہو کر سامنے کھڑا تھا۔ مردہ دوست نے اکرم کو مخاطب کیا۔

"روٹی لائے ہو؟" وہ عجیب سی آواز میں بولا تھا۔ اکرم تھوڑا ڈرا ہوا تھا اسے کتاب میں عمل کی لکھی باتیں یاد آئیں۔

"ہاں مگر تمہیں میں جب بلاؤں تمہیں آنا ہوگا اور میرا کام کرنا ہوگا ہر رات تمہیں روٹی دوں گا......" مردہ دوست نے اقرار کر لیا۔ اکرم نے پہلے اس سے آنے کا منتر پتہ کر لیا۔ پھر اسے روٹی دے کر واپس چل پڑا۔ اب اس کا اصل امتحان شروع ہوا...... اسے پیچھے پلٹ کر نہیں دیکھنا تھا وہ ہمت کر کے چلتا رہا۔ پیچھے سے آوازیں آ رہی تھیں۔

"اکرم جانو میں تمہارا انتظار کر رہی ہوں آؤ تو میری طرف دیکھو تو......" آواز بہت سریلی تھی۔ مگر اکرم پلٹنے کا انجام جانتا تھا۔ کبھی شیر کے گرجنے کی آواز آتی کبھی فائرنگ کی کبھی کبھی وہ ڈر بھی جاتا مگر پلٹ کر نہ دیکھتا کیونکہ پلٹنے کا مطلب بھیانک موت تھا۔ پھر مردہ دوست اس کی دعوت اڑاتا...... وہ ہمت کر کے گھر پہنچ ہی گیا گھر داخل ہوتے ہی آوازیں آنا بند ہوئیں۔ اکرم نے سکون کا سانس لیا اور اتنی ٹھنڈ میں نہایا اور وضو کر کے نفل پڑھنے لگا نفل پڑھ کر سو گیا۔

دوسرے دن اس نے کمرے میں مردہ

WAQAR AZEEM
www.pakistanipoint.com

دوست کو منتر کے ذریعے طلب کیا تو وہ آ گیا۔ اکرم نے اس سے مدد لی اور مختلف طریقوں سے دولت اکٹھی کرنے لگا۔ بہنوں کی شادیاں بھی دھوم دھام سے کیں۔ اب اس کا پانچ مرلے کا گھر پکا اور خوبصورت بن چکا تھا۔ اب اسے لوگ پیر سائیں کہتے تھے وہ جو کہتا تھا پورا ہو جاتا تھا۔ اس کے کئی عقیدت مند تھے۔ جن کی گھر والیوں سے اس کے تعلقات تھے وہ ہر روز ایک نئی عورت کے ساتھ رات گزارتا اب تک تو معاملات ٹھیک چل رہے تھے۔

وہ مردہ دوست کو شرط کے مطابق روٹی دے دیتا تھا۔ آج صبح سے ہی اسے لگ رہا تھا کہ آج کچھ ہونا ہے مگر وہ اسے اپنی وہمی طبیعت کا حصہ سمجھتا تھا اور سر جھٹک دیتا۔

آج کی رات وہ اپنی من پسند عورت کے ساتھ گزارنے والا تھا جو کہ بہت خوبصورت تھی اکرم نے اس کی مراد پوری کر کے اسے حاصل کر لیا تھا۔

وہ آنے والے لمحات کے سحر میں کھویا ہوا تھا آخر کار رات ہو گئی۔ اور وہ عورت جس کا نام ریحانہ تھا اس کے پاس پہنچ گئی۔ اکرم کو بارہ بجے کے قریب یاد آیا اس نے مردہ دوست کو روٹی دینی ہے۔ کچھ اس پر گزرے لمحات کی خماری چھائی تھی۔

''جانم میں ابھی آتا ہوں تم میرا انتظار کرنا۔'' وہ نکل آیا باہر اس کے ہاتھ میں روٹی تھی۔ اس نے چھت پر آ کر مردہ دوست کو طلب کیا اسے روٹی دی تو مردہ دوست غائب ہو گیا وہ واپس آ کر ریحانہ میں کھو گیا ٹھیک آدھے گھنٹے بعد پورا گھر اکرم کی خوفناک چیخوں سے گونج اٹھا اور گھر والوں نے دروازہ توڑا اور اندر داخل ہوئے اندر کا منظر دل کو دہلا دینے والا تھا۔ ریحانہ اس وقت اکرم کا کلیجہ چبا رہی تھی اب وہ ایک خوبصورت عورت کی جگہ ڈائن لگ رہی تھی۔

گھر کی خواتین چیخیں مارتی وہاں سے بھاگیں۔ ریحانہ نے چونک کر انہیں دیکھا اور ڈھے گئی۔ اکرم کی موت نہ جانے کب کی ہو چکی تھی۔

اس نے بھیانک غلطی کی تھی وہ خمار میں بھول گیا کہ اپنے ہاتھ کی روٹی یعنی خود پکائی روٹی مردہ دوست کو دینی ہے یہ شرط تھی پکائی تو اس نے تھی مگر وہ غلطی سے دوسری روٹی لے گیا اور عبرت ناک انجام سے دوچار ہوا۔ ریحانہ کو پولیس کے حوالے کر دیا گیا۔

جو لوگ بغیر استاد کے اور بغیر ہدیہ ادا کیے عمل کرتے ہیں ان کا انجام ایسا ہی ہوتا ہے۔

دو خوبیاں

سیلز مین نے ہیئر کریم کی تعریف میں زمین و آسمان کے قلابے ملا دیئے مگر گاہک اسے خریدنے پر آمادہ نہ ہوا۔ یہ سیلز مین گاہک کو ہاتھ سے نکلتا دیکھ کر کافی مایوس ہوا۔ عین وقت پر اسے نہ جانے کیا خیال آیا' اس نے گاہک کو آواز دیتے ہوئے کہا۔ ''جنابِ عالی! اِس ہیئر کریم کی دو عظیم خوبیاں اور بھی ہیں' ایک تو یہ کہ اسے لگانے سے مچھر قریب نہیں آتے' دوسرے اس کی خوشبو سونگھ کر حسین لڑکیاں کھنچی چلی آتی ہیں۔''

گاہک واپس مڑ کر بولا۔ ''رات بھر مچھر بہت تنگ کرتے ہیں' ایک درجن شیشیاں پیک کر دو۔''

مرسلہ: اریب محسن۔ کراچی

WWW.PAKSOCIETY.COM
www.paksociety.com

دوسری خصوصی تحریر

ابلیس پرستی

وہ معصوم بچی کی قبر پر روز آتی اور
گھنٹوں سر جھکائے بیٹھی رہتی.....

جاوید راہی

گورکن پیشہ تو نہیں مگر ہم باپ دادا سے یہی کام کرتے چلے آرہے ہیں۔ پہلے یہ قبرستان قصبہ کا تھا اور میرے دادا رضا کارانہ مرنے والوں کی قبریں تیار کرتے تھے پھر قصبہ کے رہائشیوں نے باقاعدہ میرے دادا کرم الٰہی کو قبرستان کی دیکھ بھال کے لیے ملازم رکھ لیا۔ پہلے صرف ہمدردی کے طور پر میرے دادا مرنے والے کے لواحقین سے مل کر قبر تیار کر دیا کرتے تھے لیکن جب بڑی مسجد کے امام شاہ جی نے جمعہ کی نماز پڑھاتے سب نمازیوں کے ذمہ ایک روپیہ گورکن کی اُجرت کے نام پر مقرر فرما دیا جو مسجد کے خزانچی کے پاس جمع ہوا کرے گا اور مہینہ ختم ہونے پر جو بھی گورکن کے نام پر دیا گیا ہوگا وہ گورکن کرم الٰہی میرے دادا کے سپرد کر دیا جائے گا۔ میرے والد سمیت دادا جان کی چار اولادیں تھیں یعنی تین بیٹے اور ایک بیٹی۔ میرے والد سب سے بڑے تھے، قصبہ کے باہر آخری کونے میں ہمارا چھوٹا سا کچا گھر تھا۔ میں نے اسی گھر میں آنکھ کھولی تھی۔ جب ذرا بڑا ہوا تو اپنے والد سمیت گھر کے سبھی لوگوں کو قبروں پر کام کرتے دیکھا۔ کوئی لپائی کر رہا ہے تو کوئی صفائی میں مصروف، میں بھی اپنی پھوپھی کے ساتھ قبروں پر لگائے گئے پھول پودے اور درختوں کی دیکھ بھال میں ہاتھ بٹاتا۔ جوں جوں آبادی بڑھ رہی تھی یہاں قبروں کی تعداد میں بھی اضافہ ہو رہا تھا۔ قصبہ اب شہر کی شکل اختیار کر چکا تھا۔ جہاں بہت ساری تبدیلی ہوئی وہاں پھوپھی بیاہ کر دوسرے شہر چلی گئی اور دونوں چچا بھی اپنے اپنے گھر والے ہو گئے۔ دادا جی فوت ہو گئے اُن کی جگہ میرے والد فرزند علی کو ڈیوٹی مل گئی۔ میری عمر اب چودہ پندرہ سال کی ہو چکی تھی اور میں بھی سب کے ہمراہ قبروں کی لپائی، صفائی ستھرائی اور دیکھ بھال میں حصہ لینے لگا تھا۔ قبرستان میں درختوں کی بہتات کے باعث کسی کسی حصہ میں دن کو بھی مدھم تاریکی چھائی رہتی تھی اور میرے ابا مجھے کاپا دے کر درختوں کی چھٹائی پر لگا

WWW.PAKSOCIETY.COM

دیتے تھے۔ میں ایسے درختوں کی ٹہنیاں جو قدرے نیچے جھکی ہونے کے باعث اپنے اردگرد باہر سے آنے والے دن کے اُجالے کو نیم تاریکی میں بدلے رکھتی تھیں، ان جھکی شاخوں کو کاٹ کاٹ کر اُدھر ہی سوکھنے کے لیے چھوڑ دیتا۔ دو چار روز میں وہ خشک ہو جاتیں تو ان کو اکٹھا کر کے میں گھر میں باہر خالی پڑی زمین پر رکھتا جاتا۔ یہ خشک ٹہنیاں جلانے کا کام کر دیتی جن سے گھر کے لوگ کھانا وغیرہ بناتے تھے۔ والد صاحب نے مجھے آواز دے کر بلایا اور چار پانچ سال کے بچے کی قبر بنانے کا کہا جو دو پہر کے بعد دفن ہونا تھا۔ ساتھ میں جگہ کی نشاندہی کی جو قبرستان کے آخری کونے میں جہاں اوکاں کے درختوں کا جھنڈ تھا کیونکہ ادھر ہی مرنے والے بچے کے دیگر لوگوں کی بھی قبریں تھیں۔ میں نے قبر بنانے کا سامان اور پینے کے پانی کا ڈول سنبھالا اور اس طرف چل پڑا۔ کسّی سے گھاس پھوس اور جھاڑیاں ہٹا کر زمین ہموار کی اور قبر بنانے کے لیے کدال سے مٹی کو ہٹانے لگا۔ قبر بن کر تیار ہو گئی تھی اور میں ایک درخت سے ٹیک لگا کر جنازے کا انتظار کرنے لگا۔ قبرستان کے داخلی حصہ کی ایک سائیڈ میں جنازگاہ تھی جہاں نمازِ جنازہ ادا کی جاتی تھی۔ جس جگہ میں بیٹھتا تھا ادھر سے نظر دور تک جاتی تھی۔ میں نے چھ سات لوگوں کو دیکھا جو ایک مرد بچے کے جنازے کو دونوں ہاتھوں پر اٹھائے آگے آگے چل رہا تھا۔ باقی چند لوگ اس کے پیچھے آ رہے تھے۔ جنازگاہ میں انہوں نے بچے کی میت رکھی اور وضو سے فارغ ہو کر مولوی صاحب نے نمازِ جنازہ پڑھائی اور وہ لوگ بچے کی میت اٹھا کر قبرستان میں داخل ہو گئے۔ میرا والد اور

میرا چچا بھی میرے پاس پہنچ گئے تھے۔ قبر تیار تھی، بچے کا جنازہ قبر کے قریب آ گیا تو معلوم ہوا کہ مرنے والا بچہ لڑکا نہیں لڑکی تھی۔ میرے والد نے قبر کے دونوں جانب اپنے گھٹنے ٹیک کر بچی کی میت کو لحد میں اُتارا۔ اینٹیں لگا کر قبر کا دہانہ بند کرتے درزوں میں اوکاں کے لچھے رکھتے مٹی ڈال دینے کا اشارہ کیا تو میں نے اور چچا نے مل کر قبر کا پاٹ بھر دیا۔ چھوٹی سی قبر تیار تھی پھول اور اگر بتیاں سلگا کر حاضرین جنازہ نے آخری رسوم ادا کیں دیا اور لڑکی کے والد نے قبر کی مزدوری والد صاحب کے ہاتھ پر رکھی اور واپسی کے لیے چل پڑے۔

میں اپنا سامان اٹھا کر کھولی کی طرف آ گیا تاکہ ڈول وغیرہ رکھ کر آرام کے لیے گھر کے اندر چلا جاؤں۔ قبر بنانے کی مشقت خاصی جان مارنی کے مترادف عمل ہوتا ہے۔ ویسے بھی ہم میں سے جو بھی قبر کی کھدائی کرتا اسے دو چار گھنٹے آرام کی اجازت تھی۔ سامان رکھ کر میں نے نہانے کے لیے تولیہ اٹھایا اور اینٹوں کی بنی چار دیواری کے سامنے لٹکتا پردہ ایک طرف کرتے پھر سے کپڑا درست کیا اور بالٹی میں بھرے پانی سے نہانے لگا جو والدہ صاحبہ نے میرے لیے پہلے سے بھر رکھا تھا۔ نہانے سے طبیعت میں تازگی پھیل گئی۔ ماں نے کھانا دیتے پوچھا ''کتنا بڑا بچہ تھا؟''

''بچی تھی تین چار سال کی۔'' میں نے نوالہ توڑتے اپنی والدہ کے سوال کا جواب دیا۔ پھر آرام کی غرض سے چارپائی پر لیٹ گیا ابھی اونگھ آئی ہی تھی کہ والدہ نے چائے کے لیے اٹھا دیا کیونکہ اس وقت گھر میں سب کے لیے چائے بنتی تھی یہاں تک کہ باہر بیٹھے مجاور اور آس پاس کے بے فکر بھی شامل ہوتے تھے۔ والدہ صاحبہ دیگچی بھر کر چائے بناتی تھیں، آنے والے گڑ چینی پتی اور حسب توفیق ڈیرے کے لیے کچھ نہ کچھ لے آتے تھے۔ کبھی کبھار قبرستان کی دیکھ بھال کرنے والوں کو نیاز اور شادی بیاہ کی خوشی میں بھی یاد رکھا جاتا تھا اگر کوئی جانور ذبح کیا جاتا تو ہمارا حصہ بھی ضرور پہنچا دیا جاتا۔ اس لیے کھانے پینے کی کوئی کمی نہیں تھی۔ میں نے اٹھ کر منہ ہاتھ دھویا اور چائے پی کر شاخیں کاٹنے والا کاپا اور رنبہ اٹھایا اور باہر آ گیا۔ ڈیرے پر رونق تھی، بھنگ رگڑی جا رہی تھی، ان پڑھ طبقہ کے عالم اپنی اپنی ہانک رہے تھے۔ تھا تو میں انہی میں سے ایک مگر جب سے ہوش سنبھالی تھی ان سب عادتوں میں سے ایک بھی مجھ پر قبضہ نہ کر پائی۔ کسی نشہ کی لت نہیں تھی ماسوائے دن میں دو چار بار چائے پینے کے۔ والد صاحب نے مجھے دیکھتے ہی پکارا کہ ''اشرف لاوارث قبروں میں سے دو تین قبریں بیٹھ چکی ہیں ان پر دو چار ٹپے مٹی کے ڈال آنا۔''

''جی ابا جی۔'' کہتے میں دوبارہ کھولی میں گیا اور کسی اٹھا کر کندھے پر رکھ لی۔ شام تک میں کام میں مصروف رہا۔ ویسے بھی دن ٹھنڈا ہوتے ہی قبرستان میں گہما گہمی ہو جاتی۔ لوگ اپنے عزیزوں کی قبروں پر پھول چڑھانے اور تلاوت کرنے آتے رہتے تھے۔ یہیں ہمارا روزی کا سامان بھی ہو جاتا تھا۔ قبروں پر آنے والے خود چل کر ہمارے ہاتھ پر کچھ نہ کچھ رکھ جاتے تھے اور ساتھ میں تاکید بھی کرتے کہ قبر کا خیال رکھا کرو۔ کام ختم کر کے میں نے سامان سنبھالا اور گھر کی طرف چل پڑا۔

☆.....☆.....☆

آنکھ قبرستان میں ہی کھولی تھی اس لیے قبرستان کا سکوت اور خوف ہم پر کوئی اثر نہیں

WAQAR AZEEM www.paksociety.com

چھوڑتا تھا۔ دو قبروں کے گرد چبوترا بنانا تھا اس لیے میں جلدی اُٹھ گیا اور چاچے کو بھی اٹھا دیا کہ چل کر میرے ساتھ کام کروائے۔ ویسے بھی چاچا قدیر اور میں آپس میں دوستوں کی طرح تھے۔ والدہ نے روٹی تیار کر رکھی تھی۔ ہم دونوں نے مل کر ناشتہ کیا اور اوزار اٹھا کر قبرستان کی اس سائیڈ پر چل پڑے جہاں دو روز پہلے ایک ہزار کچی اینٹیں اور مٹی مرنے والوں کے وارث قبروں کے قریب اُتروا گئے تھے۔ دوپہر تک ہم دونوں نے مل کر تین سو سے اوپر کچی اینٹیں قبروں کے گرد گارے سے چُن دی تھیں۔ چاچے نے منہ ہاتھ دھوتے مجھے روٹی لانے کا کہا اور خود زمین صاف کرتے اپنے کندھے کا صافہ نیچے ڈالتے لیٹ گیا۔ میں بھی ہاتھ منہ دھو کر گھر کی جانب چل پڑا۔ جب قبروں کی اس طرف آیا جہاں چند روز پہلے میں نے اوکاں کے جھنڈ میں بچی کی قبر تیار کی تھی' اس پر ایک عورت کو بیٹھے پایا جو قبر پر دوزانو جھکی بیٹھی کچھ تلاوت کر رہی تھی۔ مجھ پر نگاہ پڑتے اس نے اپنی نظریں پھیر لیں اور پڑھنے کی سپیڈ ذرا مدھم کر لی' میں رُکے بغیر آگے بڑھ گیا۔ والدہ نے کھانا پہلے ہی باندھ رکھا تھا، میں رُکے بغیر پوٹلی اٹھا کر اُلٹے قدموں واپس ہو گیا۔ وہ عورت اسی انداز میں بیٹھی آہستہ آواز میں پڑھائی کر رہی تھی۔ میں اس کے قریب سے بچی نگاہیں کیے گزر گیا۔

بھوک کے معاملے میں ہم چاچا بھتیجا بے صبرے تھے۔ مجھے آتے دیکھ کر وہ اٹھ کر بیٹھ گیا، میں نے کھانے کی پوٹلی نیچے رکھ دی اور گلاس دھونے لگا۔ پانی ڈول میں موجود تھا۔ کھانے کے دوران صرف قبروں کی حد بندی کے بارے میں گفتگو ہوئی۔ خالی برتن اسی کپڑے میں باندھ کر درخت کی جھکی ڈال پر لٹکا دیے اور اِدھر اُدھر کی باتوں میں مصروف ہو گئے۔ دن ڈھلنے سے پیشتر ہم نے کام بند کیا اور اوزار سنبھال کر گھر کی جانب چل پڑے۔ جب اوکاں کے جھنڈ کے پاس آئے تو وہ عورت اسی انداز میں پوزیشن بدلے چھوٹی سے قبر کے سرہانے بیٹھی کچھ پڑھنے میں مصروف تھی۔ میں نے اپنے چاچے کو مخاطب کرتے کہا کہ ''یہ کب سے بیٹھی ہے اس قبر پر ابھی تک پڑھے ہی جا رہی تھی۔''

''ہو گی بچی کی والدہ۔'' اس نے قدم آگے بڑھاتے میری بات کا جواب دیا۔

ہر جمعرات عشاء کے بعد تکیہ پر آس پاس کے بہت سارے لوگ آ جاتے تھے جن میں شوقیہ نعت خواں اور قوال بھی ہوتے رات گئے تک محفل جاری رہتی تھی۔ میں نے نہا کر کھانا کھایا اور باہر تکیہ پر آ بیٹھا۔ والد صاحب بھی موجود تھے۔ کافی رونق تھی، سائیں شیر علی حسبِ سابق چائے کا بڑا دیگچہ آگ پر دھرے بیٹھا تھا کیونکہ یہ ڈیوٹی وہ کئی سالوں سے کرتا آ رہا تھا۔ کسی بزرگ کا تذکرہ جاری تھا پھر نعت کا دور شروع ہو گیا۔ دو چار نعت خواں آئے ہوئے تھے۔ چائے کا دوسرا راؤنڈ چل رہا تھا کہ میری نظر قبروں کے درمیان سے گزرتی اُسی عورت پر پڑی جو صبح سے اس بچی کی قبر پر بیٹھی پڑھ رہی تھی۔ ابھی نیم تاریکی کا ماحول تھا ویسے اور بھی لوگ تھے قبرستان میں اِدھر اُدھر قبروں پر فاتحہ خوانی کرتے ہوئے۔ میں صبح سے دو تین بار اسے دیکھ چکا تھا اس لیے میرا اس کی جانب متوجہ ہونا بنتا تھا۔ اب میرا دھیان اس کی طرف گھوم چکا تھا۔ کئی ایسے سوالات تھے میرے ذہن میں جن کا جواب دو حصوں میں تقسیم ہو گیا تھا۔ اگر یہ عورت جس کی عمر اتنی زیادہ نہیں بچی کی

WWW.PAKSOCIETY.COM
www.pakistanipoint.com

والدہ تھی تو سارا دن اس کی قبر پر گزار دیا جو بچی سے بے پناہ محبت کا اظہار تھا مگر لوگ اپنے پیاروں کی قبروں پر فاتحہ خوانی کرنے آتے تھے زیادہ سے زیادہ گھنٹہ آدھا گھنٹہ رُکتے مگر یہ عورت صبح سے شام تک قبر پر بیٹھی پڑھتی رہی۔ میرے تسلسل کو سائیں شیر علی نے توڑ دیا جو چائے کی پیالی پکڑے میرے سر پر کھڑا تھا۔ میں نے پیالی اس کے ہاتھ سے پکڑتے دوبارہ اس عورت کی طرف دیکھا تو وہ تیز تیز چلتی جنازگاہ کا موڑ مڑ چکی تھی۔

قوال اپنا اپنا ساز سنبھالتے اس کی لے اور سُر کی دیکھ بھال میں لگے ہوئے تھے۔ قبرستان کے پرسکون ماحول میں ہارمونیم اور طبلہ کی آواز نے سماں باندھ دیا۔ اس عورت کی طرف سے میرا دھیان یکسر گھوم کر قوال پارٹی کی طرف ہو گیا تھا۔ سرکار بلھے شاہؒ کا کلام شروع کر رکھا تھا قوال پارٹی نے، چاروں طرف وجدان کی بارش ہو رہی تھی، قوال پارٹی کی سنگت کے سب لوگوں کی آوازیں آپس میں گھی شکر کا مزہ دے رہی تھیں۔

رات گئے تک یہ سلسلہ جاری رہا۔ آہستہ آہستہ سبھی لوگ تکیہ سے اٹھ کر اپنے اپنے گھروں کی طرف چلے گئے۔ والد صاحب تکیہ پر ہی سوتے تھے۔ نیم کے درخت کے نیچے تنے کے ساتھ ٹیک لگائے سارا دن گزار دیتے اور رات زمین پر بچھی دری کے اوپر بستر ہوتا تھا ان کا۔ ہمیشہ سے عبادت گزار تھے، شروع دن سے آس پاس کے مرد و خواتین اپنی اپنی حاجات کے لیے ان کے پاس آتے جاتے رہتے تھے۔ رات چارپائی پر پڑے پڑے مجھے اس عورت کا خیال آ گیا جو اپنی بچی کی قبر پر سارا دن گزار کر دن ڈھلے قبرستان سے واپس اپنے گھر گئی تھی۔ خدا جانے میں اس کے بارے اتنا کیوں سوچ رہا تھا۔ چہرہ تو اس کا میں نہیں دیکھ پایا تھا مگر جسم کی بناوٹ چادر کے اندر لپٹی دل آویز دکھائی دیتی تھی۔ رات گئے تک میں اس کے بارے میں طرح طرح کے خیالات سوچتا رہا' پتہ نہیں کب نیند کی آغوش میں گم ہو گیا۔ صبح اٹھ کر روزمرہ کے کاموں کو لے کر اپنا سامان اٹھا کر اپنے چچا کے ساتھ قبروں کا ٹھڑہ مکمل کرنے چل پڑا۔

جب ان او کاں کے درختوں والے راستہ پر پہنچا تو مجھے زبردست جھٹکا لگا۔ وہ عورت بچی کی قبر کے پیروں کی طرف اسی انداز سے سر جھکائے بیٹھی تھی اس کی پیٹھ ہماری جانب تھی اس لیے وہ ہمیں دیکھ نہ پائی۔ ہم آگے پیچھے چلتے اس کے قریب سے گزر کر قبروں کی تیاری میں آ لگے۔ چچا کو تو اس سے کوئی لینا دینا نہیں تھا مگر دو روز سے میں اس کی پراسرائیت کے ہاتھوں خاصا اُلجھا ہوا تھا۔ پانی لانے کے بہانے میں خالی کنستر اٹھا کر ہینڈ پمپ کی جانب چل پڑا۔ اصل میں پانی تو میں نے جان بوجھ کر مٹی میں سارا انڈیل دیا تھا تاکہ میں اس عورت کا جائزہ لے سکوں جو اُس بچی کی قبر پر آج بھی آئی ہوئی تھی۔ میں نے دور سے دیکھا تو اب وہ بچی کی قبر کے سرہانے دوزانو اس طرح جھکی ہوئی تھی جیسے نماز کی ادائیگی میں بندہ مسجد میں بیٹھا ہوتا ہے۔

میں نے اپنی رفتار تیز کر لی تاکہ میں اس کے قریب سے گزرتے اس کا بھرپور جائزہ لے سکوں۔ وہ مجھ سے بے خبر سر جھکائے دوزانو بیٹھی پڑھنے میں مصروف تھی۔ میں نے جان بوجھ کر زور سے کھانسی کی مگر وہ اسی انداز میں جھکی رہی۔ اس کے چہرے پر نقاب نہیں تھا۔ میں نے اپنی رفتار قدرے دھیمی کرتے اس کے چہرے کا جائزہ لیا۔

WAQAR AZEEM
www.pakistanipoint.com

تیکھے نقوش، رنگ کھلتا ہوا، موٹی آنکھیں جو بند ہونے کے باوجود اپنی ساخت بیان کر رہی تھیں۔ چہرے سے چالیس پینتالیس سالہ دکھائی دے رہی تھی۔ ہاتھوں کی مخروطی انگلیاں اور نیل پالش سے بے نیاز تراشے ہوئے ناخن اس کی پرہیز گاری کا پتہ دے رہے تھے۔

یہ سب کچھ جائزہ میں نے اپنی یادداشت میں رکھ لیا اور ہینڈ پمپ کی طرف ہو گیا۔ پانی بھرنے کے بعد جب میں نے اوکاں کے جھنڈ کی طرف دیکھا تو وہ اسی انداز اور حالت میں بیٹھی پڑھ رہی تھی۔ جب تک تو وہ مجھے نظر آتی رہی میری آنکھیں اس پر ہی ہیں۔ میں نے پانی رکھتے ہوئے اپنے چچا کو مخاطب کیا کہ ''وہ عورت دو دن سے اسی بچی کی قبر پر کبھی سرہانے اور کبھی پیروں کی جانب بیٹھی پڑھتی رہتی ہے۔''

''یار چھوڑو اسے پڑھنے دو۔ بیٹھی ہو گی اس کی روح کے ثواب کے لیے، سبھی اپنے اپنے لوگوں کی قبروں پر آ کر پڑھتے ہیں تم اپنا کام کرو۔''

چچا نے اینٹوں کو ایک دوسرے پر رکھتے ہوئے میری بات کو ہوا میں اُڑا دیا۔ شام تک ہم دونوں نے قبروں کے چاروں جانب تھڑا مکمل کر لیا اور جانے کی تیاری کرنے لگے۔ جب ہم اس اوکاں کے جھنڈ کے پاس آئے تو وہ عورت قبر کے درمیانی حصہ پر اپنا ہاتھ رکھے پڑھنے میں مشغول تھی۔ چچا نے غور سے اس عورت کا جائزہ لیا اور مجھے آگے بڑھنے کا اشارہ کیا۔ چند قدم آگے آ کر انہوں نے مجھے مخاطب کیا اور بولے۔

''یار میں ایک عرصہ سے ان قبروں کے لواحقین کو آتے جاتے دیکھتا آ رہا ہوں مگر یہ عورت ان قبروں پر پہلے کبھی نہیں دیکھی۔ جہاں تک اس فیملی کا تعلق ہے یہ شہر میں کپڑے کا کاروبار کرتے ہیں ان کا ایک بھائی سرکاری ملازم بھی ہے شاید یہ بچی اسی کی ہے جس کی قبر تم نے تیار کی تھی۔ سمجھ نہیں آ رہی کہ کیا ماجرا ہے؟'' چلتے ہوئے چچا نے مرنے والی بچی کے بارے میں مجھے بتایا۔

چچا ہر جمعرات کو شہر میں چکر لگانے جاتے تھے۔ جن دکانداروں کے رشتہ داروں اور اپنے پیاروں کی قبریں اس قبرستان میں تھیں وہ کچھ نہ کچھ ضرور دیتے رہتے تھے۔ میں چچا کی زبانی سب تفصیل سن کر خاموش ہو گیا بظاہر میں نے یہی عمل دہرایا کہ سب ٹھیک ہے مگر اندر سے جو آواز آئی وہ غیر یقینی کی تھی۔ گھر آ کر میں نہایا اور کام والے کپڑے اتار کر صاف جوڑا پہنا اور یہ کہہ کر باہر کی طرف چل پڑا کہ آ کر کھانا کھاتا ہوں۔

اب میرا رُخ تکیہ کی بجائے دوسری طرف تھا جہاں قبرستان کی حد ختم ہو جاتی تھی۔ دراصل میں گھوم کر اوکاں کے درختوں کی بیک سائیڈ کی طرف جانا چاہتا تھا جہاں سے میں اس عورت کی تمام حرکات پر نظر رکھ سکتا اور اس کی نظروں سے پوشیدہ بھی رہ سکتا تھا۔ قدموں کی آہٹ تک کو میں نے کنٹرول کر رکھا تھا۔ لمبا چکر کاٹ کر میں نیم کے موٹے تنے کی اوٹ میں چھپ کر کھڑا ہو گیا۔ ابھی دن کی روشنی میں عورت کی پشت پر کھڑا اسے دیکھ رہا تھا۔ وہ بچی کی قبر کے سرہانے دوزانو بیٹھی کچھ پڑھنے میں مصروف تھی۔

آج وہ جس کپڑے پر بیٹھی ہوئی تھی اس کا رنگ گہرا سرخ تھا اور اس قبر کے درمیان سفید رنگ کی موم بتیاں قبر کی مٹی میں سیدھی کھڑی کر رکھی تھیں جن کی تعداد کا صحیح طور پر پتہ نہیں لگ رہا تھا۔ شاید ابھی تک اس نے ان کو روشن نہیں کیا تھا۔ وہ آس پاس کے ماحول سے بے خبر سر

WAQAR AZEEM
www.pakistanipoint.com

جھکائے بدستور پڑھنے میں مشغول تھی۔ یہ تو مجھے اندازہ ہو چکا تھا کہ وہ جو کوئی بھی ہے مگر اس کے ارادے ٹھیک نہیں کیونکہ میں نے جب سے ہوش سنبھالی تھی آج تک لوگوں کو اس طرح یکسوئی سے کبھی قبر کے درمیان اور کبھی سرہانے اور کبھی پیروں کی طرف جگہ بدل بدل کر دو زانو گھنٹوں کے حساب سے پڑھتے نہیں دیکھا تھا۔ میں اس کی ہر حرکت پر نظر رکھے ہوئے تھا۔

دن نیم تاریکی کی طرف گامزن تھا کہ اچانک اس عورت نے اپنا جھکا ہوا وجود اوپر اٹھایا اور قریب پڑی ماچس اٹھا کر موم بتیاں روشن کرنے لگی۔ جتنی بھی موم بتیاں قبر کی کچی مٹی میں پیوست تھیں وہ سب روشن ہو چکی تھیں۔ اب اس نے بچی کی قبر کا سرہانہ چھوڑ کر پیروں کی طرف کھڑے ہو کر کچھ بڑبڑانا شروع کر دیا۔ اس کی آواز قدرے مدھم تھی مگر قبرستان کی گھمبیر خاموشی میں مجھے قدرے سنائی دے رہی تھی۔ جہاں تک میں سن رہا تھا وہ بار بار ایک ہی ورد کر رہی تھی۔ ہلکے اندھیرے کی چادر چاروں جانب پھیل چکی تھی مگر وہ بغیر کسی ڈر اور خوف کے اسی تواتر سے پڑھنے میں گم تھی۔ موم بتیوں کی روشنی میں اس کا چہرہ دمک رہا تھا اس کی خوبصورتی نے پل بھر میں میرے اندر ایک عجیب سی کیفیت پیدا کر دی تھی مگر میں دم سادھے اس کی ہر حرکت کو نوٹ کر رہا تھا۔

اس نے قریب پڑا اپنا پرس کھول کر اس میں سے ایک چھوٹی سے بوتل نکالی، اس کا ڈھکن ہٹایا اور جو کچھ بھی اس میں تھا وہ جلتی موم بتیوں پر انڈیل دیا۔ یکدم موم بتیوں کی روشنی گہری سرخ ہو گئی جیسے خون کی رنگت ہو۔ جو دھواں موم بتیوں سے اٹھا تھا اس کی ناگوار بُو آس پاس پھیل گئی۔ عجیب طرح کی بدبو تھی جیسے کسی مردار جانور کے تعفن زدہ گلے سڑے گوشت سے اٹھ رہی ہے۔ بڑی مشکل سے میں نے خود کو کنٹرول کیا ہوا تھا ورنہ تو بدبو جو میرے آس پاس دھواں کی شکل میں پھیل رہی تھی اس سے مجھے قے ہو جاتی مگر میرے تجسس نے مجھے ہر طرح کے احساس سے عاری کر رکھا تھا۔ بس میں یہ دیکھنا چاہتا تھا کہ آخر یہ عورت کیا کرنا چاہتی ہے اگر وہ بچی کی والدہ ہے تو اس کی قبر پر یہ پراسرار جنتر منتر کا الاپ کیوں کرنے آ رہی ہے۔ اگر اس مرنے والی بچی کی والدہ نہیں تو ضرور کوئی ایسا عمل کر رہی ہے جو انسانی فطرت کے بالکل برعکس ہے۔

میں اس ناگوار دھویں کے اثرات سے بچنے کے لیے اپنے دونوں ہاتھ منہ اور ناک پر رکھے ہوئے تھا اور ہر ممکن حد تک برداشت کر رہا تھا۔ جب تک موم بتیاں پگھل کر قبر کی مٹی پر پھیل کر ٹھنڈی نہ ہو گئیں اس کا نہ سمجھ آنے والا منتر جاری رہا پھر اس نے قبر کی مٹی اپنی مٹھی میں لے کر اپنے پرس سے سرخ رنگ کی تھیلی نکالی اس میں مٹی ڈالی اور تھیلی کی زپ بند کر دی پھر دوبارہ پرس بند کرتے زمین پر بچھا سرخ کپڑا اٹھا کر تہہ کیا اور قبر پر پڑی اپنی جوتی پہن کر قبروں کے اِردگرد بنے راستے پر باہر کی طرف چل پڑی۔

جب تک وہ کافی دور نہ چلی گئی میں بدستور نیم کے تنے کے نیچے کھڑا اسے جاتے دیکھا رہا۔ واپس گھر آتے میرے دل میں کئی طرح کے وسوسے اٹھ رہے تھے۔ اگر مرنے والی بچی اس عورت کی بیٹی تھی تو اس کی قبر پر موم بتیاں جلا کر ان کی جلتی لو پر بوتل میں سے کوئی ایسی چیز انڈیلنا کیا معنی رکھتا تھا جس کی بدبو سے آس پاس کا ماحول اس قدر تعفن میں ڈوب گیا تھا کہ خدا پناہ۔ لوگ تو اپنے پیاروں کی قبروں پر مشک، اگر بتیاں

NAQAB AZEEM
www.pakistanipoint.com

اور پھول چڑھاتے تھے مگر اس پراسرار عورت نے بوتل میں سے پتہ نہیں کیا پھینکا تھا جس کی وجہ سے میرا سانس لینا محال ہو گیا تھا۔ بہرحال اب اس سارے بھید کا پتہ لگانا میں نے خود پر فرض کر لیا تھا۔

گھر آ کر کھانا کھایا اور باہر تکیہ پر والد صاحب کے پاس آ بیٹھا۔ روز مرہ کی طرح اَن پڑھ دانشوروں کی کانفرنس جاری تھی جو طرح طرح کے بیان ایک دوسرے پر داغ رہے تھے۔ چائے کا دور شروع ہو کر ختم ہوتے ہی میں اُٹھ کر سونے کے لیے گھر کے اندر آ گیا۔

کچھ تو اس بچی کی قبر پر ہونے والے سارے معاملات کو لے کر میں خاصا دلبرداشتہ تھا کچھ تھکاوٹ تھی قبروں کے گرد ٹھڑا بنانے کی اس لیے بستر پر پڑتے ہی نیند میں ڈوب گیا۔ صبح ناشتہ وغیرہ کر کے اکیلا ہی کام پر نکل پڑا کیونکہ آج جمعرات تھی اس لیے چاچا شہر کی پھیری لگانے کے لیے تیار ہو رہے تھے۔ ویسے بھی میری جلدی نکلنے کی وجہ وہ عورت تھی۔ جب میں اوکاں کے جھنڈ سے ذرا پیچھے ہی تھا کہ مجھے وہ بچی کی قبر کے قریب آلتی پالتی مارے بیٹھی ہوئی دکھائی دی۔ اس کا چہرہ بالکل میری آنکھوں کے سامنے تھا۔ اس کی پشت قبلہ رُخ تھی وہ مجھے اپنی طرف آتے دیکھ کر پہلے سنبھلی پھر اس نے خود کو ڈھیلا چھوڑ دیا۔ اس کا انداز بتا رہا تھا کہ وہ مجھ سے مخاطب ہونا چاہتی ہے۔ میں اسے نیم وا آنکھوں سے دیکھتا ہوا قریب سے گزرا تو اس نے آواز دے کر مجھے روک لیا۔ ''سنو۔'' اس کی آواز میرے کانوں سے ٹکرائی۔

میرے بڑھتے ہوئے قدم اپنی جگہ رُک گئے۔ میں نے واپس پلٹتے ہوئے اس کو غور سے دیکھا وہ خاصی خوبصورت عورت تھی۔ ''جی۔۔۔''

میں نے براہِ راست اس کی موٹی موٹی آنکھوں میں جھانکا۔

''کیا نام ہے تمہارا؟'' میں اس کے سوال کرنے کے انداز سے جو کسی اعلیٰ آفیسر کی طرز کا تھا کو محسوس کرتے ہوئے ذرا گڑبڑا گیا اور جھٹ بولا۔ ''جی میرا نام اشرف گورکن ہے۔''

''تمہاری رہائش کدھر ہے؟''

''جی اسی قبرستان میں۔''

''کیا مطلب اسی قبرستان میں؟'' اس نے طنزیہ انداز میں میری بات دہرائی۔

''جی یہاں کام کرتے ہماری تیسری پیڑھی ہے۔ ہم اس قبرستان میں گورکنی کرتے ہیں، میں پیدا بھی ادھر ہی ہوا ہوں۔'' میں نے بڑے فخر سے سینہ پھیلاتے ہوئے اس کے سوال کا جواب دیا۔

''وہ ڈیرے کے پیچھے جو بڑا سا احاطہ نما کچا گھر ہے اس میں رہائش ہے تمہاری؟''

''جی اسی گھر میں ہم سارے لوگ رہتے آ رہے ہیں۔'' میں نے اپنے گھر کی جانب اشارہ کر کے اس کی پیازی رنگت والی آنکھوں میں دیکھتے اُسے بتایا اور ساتھ ہی اس پر سوال کر دیا۔ ''یہ آپ کی بیٹی کی قبر بھی میں نے تیار کی ہے۔''

''اچھا بہت خوب۔ کتنی گہرائی ہو گی قبر کی؟''

''یہی کوئی ساڑھے تین فٹ گہری ہو گی۔''

میں نے اندازے سے اسے بچی کی قبر کے بارے میں بتایا۔ اسی دوران اس نے قریب پڑے پرس سے چیزیں اِدھر اُدھر کرتے دو نوٹ سو والے نکالے اور میری طرف بڑھائے جو میں نے شکریہ کہتے ہوئے پکڑ لیے۔

WWW.PAKSOCIETY.COM
www.pakistanipoint.com

''ٹھیک ہے تم اب جاؤ۔'' اس نے کہا اور میں سر ہلاتا ہوا آگے بڑھ گیا۔

نوٹوں کی گرمی نے پل بھر میں میرے اندر اٹھنے والی قیاس آرائیاں دل سے نکال دیں۔ جو تھوڑا بہت کام میں اکیلے میں کر سکا وہ کیا اور سارا سامان سمیٹ کر واپسی کے لیے چل پڑا۔

جب بچی کی قبر کے قریب آیا تو وہ عورت میری طرف کمر کیے دو زانو بیٹھی سر جھکائے کچھ پڑھنے میں مشغول تھی۔ میں اچٹتی ہوئی نظر ڈالتا قریب سے گزر گیا مگر آج میرے اندر اس کے لیے کوئی بھی ردِعمل نہیں تھا۔

اکیلے کام کرنے کی وجہ سے تھکاوٹ ہو رہی تھی، اس لیے نہا کر لیٹ گیا' پڑتے ہی نیند آ گئی۔ شاید ابھی سویا رہتا اگر والدہ صاحبہ مجھے شانہ ہلا کر جگا نہ دیتیں۔ دن کا اُجالا اندھیرے کی چادر اوڑھ چکا تھا۔ والدہ نے کھانا میرے آگے رکھتے ہوئے پانی لانے کے لیے گلاس اٹھایا اور ہینڈ پمپ کی جانب چلی گئی۔ کھانے سے فارغ ہو کر میں نے ہاتھ دھوئے اور برتن اٹھا کر ایک طرف رکھے اور گھر سے باہر آ کر میرے قدم خود بخود اوکاں کے جھنڈ کی طرف اُٹھ گئے۔

وہاں گہرا سکوت تھا جیسے ہر قبرستان میں ہوتا ہے۔ لوگوں کو تو شاید اس ماحول سے خوف آتا ہوگا مگر ہمارے لیے یہ ماحول کوئی بھی حیثیت نہیں رکھتا تھا۔ مجھے یاد ہے نا سمجھی کے زمانے میں کئی بار اپنے والد اور چاچو کے ساتھ کسی آنے والے جنازے کی قبر کی تیاری کے دوران کبھی پانی یا چائے دے کر والدہ مجھے بھیج دیتی تھیں۔ وہ قبر تیار کرتے رہتے اور میں اِدھر اُدھر قبروں پر پھرتا رہتا۔ تھک جانے پر کسی پکی قبر کے فرش پر لیٹ کر سو جاتا۔ کئی بار میرے والد نے مجھے سوتے میں اٹھا کر کندھے پر اٹھایا اور گھر لا کر اسی طرح چارپائی پر لٹا دیا۔ قبرستان کا سکوت ہماری رگوں میں سما چکا تھا۔ زندہ تو ہم لوگ بھی تھے مگر شہر خموشاں کا حصہ بن کر ڈر اور خوف سے بے نیاز۔ جب میں بچی کی قبر کے قریب پہنچا تو آس پاس کی فضا میں وہی ناگوار بدبو پھیلی ہوئی تھی جو میں چھپ کر پہلے بھی محسوس کر چکا تھا۔

آج پھر اسی نے شاید وہ عمل دہرایا تھا۔ قبر کے قریب چند پل رُک کر جائزہ لیتا ہوا میں واپس چل پڑا۔ گھر میں سب لوگ مل کر بیٹھتے تھے میں بھی ایک کونے میں آ بیٹھا۔ کافی دیر سونے کی وجہ سے طبیعت خاصی چوکس تھی اس لیے بیٹھا سب کی باتوں میں دلچسپی لیتا رہا۔

یہ اگلے روز کی بات ہے' میں دیر تک سونے کا عادی تھا، اس وقت بھی سو رہا تھا کہ بڑی بہن نے مجھے آواز دے کر بلایا اور کہنے لگی۔

''تم سے کوئی بیگم صاحبہ ملنے آئی ہیں۔''

میں جلدی سے آنکھیں کھول کر چارپائی پر سیدھا ہو گیا۔ کمرے کے آگے خاصا بڑا صحن تھا جہاں بڑے سے عارضی چھپر کے نیچے کھانے پکانے کا انتظام تھا اور ایک طرف دو تین چارپائیاں پڑی رہتی تھیں' ان میں سے ایک پر وہی عورت بیٹھی نظر آئی جو قبرستان میں پراسرار عمل کرتی نظر آتی تھی۔ اسے دیکھ کر میں چونکا اور کچھ دیر سوچتا رہا۔ اس کے یہاں آنے سے میں کچھ پریشان سا ہو گیا تھا۔ بہر حال کچھ دیر غور کرنے کے بعد جلدی سے میں نے اپنا حلیہ درست کیا اور اٹھ کر کمرے سے باہر نکل آیا۔

میرے چہرے پر برستی پریشانی کو شاید اس نے بھانپ لیا تھا اس لیے وہ اٹھتے ہوئے بولی۔

''میں قبر پر آئی تھی، سوچا آپ لوگوں سے ملتی

WWW.PAKSOCIETY.COM
www.pakistanipoint.com

جاؤں۔''

اس نے دو بڑے بڑے شاپنگ بیگ جو چارپائی پر پڑے تھے اٹھا کر میری بہن اور والدہ کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔

''اشرف بڑا محنتی لڑکا ہے، میں دو چار روز سے مسلسل قبر پر آ رہی ہوں اسے میں ہر وقت کام ہی کرتے دیکھ رہی ہوں۔''

پھر وہ میری طرف متوجہ ہوئی اور بولی، ''تم ذرا قبر پر آ جانا کچھ کام کرنا ہے قبر کا۔''

یہ کہہ کر اس نے سب کو سلام کیا اور پھر خاموشی سے باہر نکل گئی۔

میں تو گھبرایا ہوا تھا کہ اس نے پتہ نہیں والدہ سے کیا کہا ہوگا اور میری عدم موجودگی میں کیا باتیں کرتی رہی ہوگی لیکن میری والدہ نے اس کے جانے کے بعد کہا۔

''بہت اچھی عورت ہے۔ کچھ روپے بھی تمہاری بہن کو دیئے ہیں۔'' والدہ نے ہاتھ میں پکڑے تین نوٹ سو سو کے میرے سامنے لہرائے۔ اب میں سب سمجھ گیا تھا اور سر ہلاتا باتھ روم کی طرف ہو گیا۔

کچھ دیر بعد حسبِ معمول میں تیار ہو کر اپنا سامان سنبھالتا ہوا گھر سے باہر نکل آیا۔ پہلے میں تکیہ پر رُک کر والد صاحب کی اجازت سے قبروں کی دیکھ بھال کے لیے جاتا تھا۔ آج میں گھر سے نکل کر سیدھا اس عورت کے ٹھکانے کی طرف چل پڑا۔ وہ مرنے والی بچی کی قبر پر روز پڑھنے آتی تھی۔ آج بھی وہ مجھے قبر کے قریب ہی بیٹھی مل گئی۔ میں اپنا سامان قریب والی پکی قبر کی حد بندی پر رکھتے ہوئے اس کے پاس آ گیا۔

''جی آپ نے بلایا تھا؟''

''ہاں۔۔۔'' اس نے مختصر سا جواب دیتے ہوئے ہاتھ کے اشارے سے بیٹھنے کو کہا۔

''مجھے تمہاری مدد کی ضرورت ہے۔۔۔ جس کے بدلے میں تمہیں منہ مانگی رقم دوں گی۔''

اس کے لہجے میں کوئی پراسراری بات تھی۔

''جی اگر میرے بس میں ہوا تو میں ضرور آپ کی مدد کروں گا۔'' میں نے ہمت جمع کر کے اسے جواب دیا۔

''دراصل یہ قبر جس پر میں بیٹھی ہوں اس میں موجود مرنے والی بچی کو میں اپنے علم کے زور پر زندہ کرنے کی کوشش کر رہی ہوں۔''

میں اس کی بات سُن کر ایک پل کے لیے تو گھبرا گیا۔ بات تھی بھی گھبرانے کی اور سمجھ میں نہ آنے والی۔ بھلا ایک کئی روز پہلے مر چکی لڑکی کو کوئی کیسے دوبارہ زندہ کر سکتا ہے۔ یا تو وہ پاگل تھی یا جنون کی حد تک اس قدر آگے بڑھ گئی تھی کہ اسے خود نہیں سمجھ آ رہی تھی کہ وہ کیا کہہ اور کر رہی ہے۔

میرے اندر خوف کی شدید لہر اٹھی مگر فوراً اپنے آپ پر قابو پاتے میں نے اسے مخاطب کر کے کہا۔

''دیکھیں ایسا ناممکن ہے، خدا کے سوا کوئی مرے ہوئے انسانی جسم کو زندہ کرنے کی قدرت نہیں رکھتا۔''

''ابھی میں اس بارے میں کوئی بات یقین سے نہیں کہہ سکتی ہوں لیکن میں نے اکیس روز تک یہ چلہ کاٹنا ہے۔ اگر میں کامیاب ہو گئی تو اس بچی کی روح میرے کنٹرول میں ہو جائے گی۔ اس کا جسم اگر گیارہ دن کے بعد صحیح سلامت قبر میں موجود ہوا تو میں اس پر کنٹرول کر لوں گی۔ اس کا وجود میرے تابع ہو جائے گا۔ پھر میں جو چاہوں گی اس کی روح سے کروا لوں گی۔ مطلب یہ کہ

WAQAR AZEEM www.pakistanipoint.com

بچی کی لاش زندہ ہو جائے گی۔ زندہ تو نہیں کہا جاسکتا مگر میں جب چاہوں گی اس کو حاضر کرسکوں گی۔''

اس نے بڑے اعتماد سے اپنی اس بات پر زور دیا۔ اس کا قبر پر روز آنے اور عمل کرنے کا مقصد مجھ پر واضح ہو چکا تھا۔ وہ بڑے خطرناک ارادے رکھتی تھی۔

''مجھ سے کیا چاہتی ہیں؟''

''یہی کہ گیارہویں رات تمہیں میرے پاس ہی رُکنا ہوگا اور جب چلہ مکمل ہو جائے تو قبر کھول کر بچی کی لاش کا جائزہ لینا ہے۔'' اس نے پر امید انداز سے میری طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

اسے شاید امید تھی کہ جس طرح اس نے مجھے اور میرے گھر والوں کو چند سو روپے دے کر متاثر کیا ہے، ان کی وجہ سے میں قطعاً اسے انکار نہیں کر سکتا۔

میں سوچ میں پڑ گیا تھا۔ قبرستان میں قبریں کھودتے پھر انہیں دوبارہ مٹی ڈال کر بناتے ہوئے میرے دل سے قبرستان کا خوف نکل چکا تھا لیکن یہ حقیقت ہے کہ اس عورت کے ارادوں نے مجھے خوف میں مبتلا کر دیا تھا۔

کئی بار ایسا ہوا کہ نئی قبر بناتے ہوئے ساتھ والی قبر کی دیوار گر گئی اور قبر میں پڑی میت کی باقیات دکھائی دینے لگتی تھیں جسے ہم فوراً کچی اینٹیں لگا کر دوبارہ درست کر دیتے مگر کوئی قبر کھول کر اندر پڑی لاش کو دیکھنا' یہ کام میں نے پہلے کبھی نہیں کیا تھا۔

مجھے سوچ میں پڑے دیکھ کر اس نے اپنا پرس کھولا اور کافی سارے نوٹ نکال کر میرے طرف بڑھا دیئے۔ اس کا یہ وار کارگر تھا۔ اتنے سارے نوٹ پہلی بار دیکھ کر میری آنکھیں چمک اٹھیں۔

غربت کی زندگی میں انسان کے لیے صحیح غلط کی تمیز کہاں رہ جاتی ہے۔ میں نے نوٹ اس کے ہاتھ سے لے کر جیب میں رکھتے ہوئے اس کا ساتھ دینے کی حامی بھر لی۔

کچھ دیر بیٹھنے کے بعد میں سلام کر کے وہاں سے اُٹھ آیا۔

اب میرا معمول بن گیا تھا کہ روز اس کے آس پاس ہی رہتا۔ وہ بھی سمجھدار تھی جاتے ہوئے کچھ نہ کچھ میرے ہاتھ پر رکھ جاتی تھی۔ میں نے کسی پر بھی یہ راز آشکار نہیں کیا تھا کہ یہ عورت اس قبر میں دفن بچی کی کچھ نہیں لگتی تھی بس اس قبر پر کوئی سفلی شیطانی عمل کرنے روز آرہی تھی، ساتھ میں اس نے مجھے بھی اپنا آلہ کار بنا رکھا تھا۔

جو کوئی بھی اسے قبر پر بیٹھے دیکھتا یہی سمجھتا کہ وہ اپنے کسی قریبی عزیز کی قبر پر بیٹھی کچھ پڑھ رہی ہے۔

آج اس کے عمل کا گیارہواں دن شروع ہو چکا تھا، ویسے بھی ننگل کو لوگ قبرستان میں کم ہی آتے تھے۔ اپنے پیاروں کی قبروں پر کوئی ایک آدھ شخص آ بھی جاتا تو فاتحہ پڑھ کر فوراً واپس چلا جاتا۔ صبح سے میرا دل عجیب کیفیت میں مبتلا تھا، جب سے قبرستان میں ہوش سنبھالا تھا کسی قبر کو میت کے دفن کے بعد دوبارہ کھولنے کا اتفاق نہیں ہوا تھا۔

والد صاحب نے میری ہوش سے پہلے کسی مرنے والے کی قبر کشائی کی تھی، سرکاری اہلکاروں اور ڈاکٹروں کی موجودگی میں، یہ قبر کشائی کا معاملہ تھا۔ کوئی بڑا آدمی تھا جو ملک سے باہر کاروبار کرتا تھا، اس کی بیوی پیچھے تھی کیونکہ اسے ویزہ نہیں مل رہا تھا ساتھ لے جانے کا اس لیے وہ دو تین ماہ بعد واپس آجاتا تھا۔ خدا معلوم کیا ہوا

MAQAR AZEEM
www.pakistanipoint.com

کہ اس کی بیوی وفات پا گئی پیچھے گھر والوں نے اسے پندرہ بیس روز بعد اطلاع دی کہ تمہاری بیوی کا انتقال ہو گیا تھا تمہیں اس لیے نہیں بتایا کہ تمہیں گئے زیادہ دن نہیں ہوئے تھے۔

مرنے والی کے خاوند کو اپنے گھر والوں پر شاید پہلے بھی شک تھا کہ وہ اس کی بیوی سے اچھا سلوک نہیں کرتے تھے۔ یہ شادی اس نے گھر والوں کی رضامندی کے بغیر اپنی مرضی سے کی تھی جبکہ اس کی والدہ اپنی بھانجی کو گھر میں لانا چاہتی تھی۔ اس مرنے والی لڑکی کے خاوند نے واپس آتے ہی پولیس میں رپورٹ درج کروائی کہ میری بیوی اپنی طبعی موت نہیں مری بلکہ اسے مارا گیا ہے۔ عدالت نے حکم دیا کہ مرنے والی کی قبر کشائی کر کے اس کی باقیات کا طبی معائنہ کروایا جائے کہ موت کی وجوہات کیا تھیں۔

پولیس اور مرنے والی کے شوہر کی موجودگی میں میرے والد نے قبر کشائی کی اور جب ڈاکٹروں نے میت کو باہر نکال کر کفن میں بوسیدہ لاش کا معائنہ کیا تو میرے والد صاحب ان کے ساتھ ساتھ رہے تھے۔

اس بارے میں والد صاحب بتایا کرتے ہیں کہ دو تین ماہ بعد قبر سے نکالی گئی لاش کے ناخن بڑھے ہوئے تھے سر کے بال کہیں کہیں سے اس طرح جگہ چھوڑ چکے تھے جیسے ان کو جلد سے کھینچ کر باہر نکالا گیا ہو۔ لاش کی رنگت کے بارے میں اتنا ہی بتایا تھا انہوں نے کہ جیسے خمیر لگا آٹا اُبل کر اوپر والے حصہ میں کئی طرح کے نشانات بنا لیتا ہے بالکل اسی طرح کے نشان مرنے والی کے پھولے ہوئے جسم پر موجود تھے۔ دونوں ڈاکٹرں کی گفتگو سے معلوم ہو رہا تھا کہ مرنے والی کو زہر دے کر مارا گیا تھا۔

آج میں بھی رات کے کسی پہر اس بچی کی لاش قبر سے نکالنے جا رہا تھا اور یہ سوچ کر ہی میرا دل گھبرا رہا تھا۔ ایک دل کرتا تھا کہ اسے جواب دے دوں مگر دل میں پھیلے لالچ نے میرے سارے خدشات ہوا کر دیئے۔

میں دو تین چکر لگا چکا تھا مگر وہ بدستور بیٹھی پڑھائی کرتی نظر آئی۔ اندھیرا پھیلنے پر میں قبروں کے بیچ چلتا ہوا اس بچی کی قبر پر آیا تو وہ قبر کے درمیانی حصہ پر دونوں ہاتھ رکھے کچھ پڑھنے میں مصروف تھی۔ میں ایک طرف ہو کر بیٹھ گیا اور اس پر نظریں مرکوز کر دیں۔

کچھ دیر بعد اس کے وجود میں حرکت ہوئی اور اس نے آنکھیں کھول کر اندھیرے میں میری طرف دیکھا۔ میں اس کی آنکھوں کی چمک دیکھ کر گھبرا گیا، اس کی آنکھیں کسی بلی کی طرح چمک رہی تھیں۔

کچھ پل وہ مسلسل میری طرف دیکھتی رہی اور گہری نظروں سے دیکھنے کے بعد بولی:

''اشرف میں آج رات گئے تک یہاں رکوں گی، تم اگر چاہو تو میرے پاس چلے آنا اور یہ یاد رہے کہ کسی کو میرے پاس آنے کی خبر نہ ہو۔''

''جی بہتر! اب میں بیٹھوں یا جاؤں؟ میرا مطلب ہے کہ میری کوئی ضرورت تو نہیں۔''

''میری طرف سے تو تم ساری رات میرے پاس رہو۔'' اس کے لہجے میں عجیب طرح کی اپنائیت تھی۔ میں نے اپنی نگاہیں جھکاتے ہوئے کہا کہ ''میں اپنی مرضی کا مالک ہوں۔ ویسے بھی گھر والوں کو زیادہ فکر نہیں ہوتی۔ اگر میں تمام رات ادھر آپ کے پاس بھی رک جاؤں تو ان کو یہی لگے گا کہ آج رات میں باہر تکیہ پر ہی پڑ کر سو گیا ہوں۔''

WAQAR AZEEM
www.pakistanpoint.com

یہ میں نے جان بوجھ کر کہا تھا' صرف اپنی بات کا ردِعمل محسوس کرنے کے لیے۔ میرے اس جواب پر وہ مسکراتے ہوئے بولی۔

''تو ٹھیک ہے تم میرے ساتھ ادھر رہو۔ تم میرے ساتھ میرے گھر چلو گے منظور ہے؟''

''مجھے تو کوئی فکر نہیں ۔ کیا آپ کے گھر والے اعتراض تو نہیں کریں گے؟''

''والدہ ہوتی ہیں گھر میں میرے ساتھ اس لیے مجھے کسی کو جواب نہیں دینا۔''

وہ کچھ دیر خاموش رہی پھر بولی ''ٹھیک ہے اشرف تم نے فیصلہ کرلیا ہے میرے ساتھ چلنے کے لیے تو ٹھیک ہے ادھر میرے قریب ہی بیٹھے رہو ورنہ بارہ بجے سے پہلے میرے پاس چلے آنا قبر کشائی کے لیے۔''

''جی میں جا کر ایک تو گھر والوں کو اپنی شکل دکھا آتا ہوں تا کہ ان کو یہی محسوس ہو کہ میں باہر تکیہ پر ہوں اور والد صاحب کو یہ تسلی ہو جائے گی کہ میں گھر پر ہوں۔۔۔۔ چپکے سے قبر کھودنے والے اوزار اٹھا کر آپ کے پاس چلا آؤں گا۔''

''یہ ٹھیک ہے۔'' اس نے میری بات کی تائید کی ۔ میں نے قبر کے قریب سے اٹھتے ہوئے پوچھا کہ ''کوئی چیز چاہیے تو بتائیں میں لیتا آؤں گا۔''

''نہیں سب کچھ میں ساتھ لے کر آئی ہوں۔'' اس نے میری بات کا جواب دیا اور پھر سے پڑھائی میں مصروف ہو گئی۔ میں واپس گھر کی جانب چل پڑا۔ گھر کی جانب چلتے ہوئے اس کے بارے میں طرح طرح کے خیالات میرے ذہن میں اٹھ رہے تھے۔ کیا وہ اس بچی کو طلسمی حصار میں لے جائے گی وغیرہ وغیرہ۔

گھر کے اندر آ کر کھانا کھانے سے پہلے منہ ہاتھ دھویا اور کھانا کھانے لگا۔ پھر باہر آ کر والد صاحب کے قریب آ بیٹھا جو وہاں موجود لوگوں سے باتوں میں لگے ہوئے تھے۔ کچھ دیر بیٹھنے کے بعد میں اُٹھ کر اس کمرے کی طرف چل پڑا جس میں قبریں بنانے والے اوزار پڑے رہتے تھے۔

قبر چھوٹی تھی اس لیے ایک دو ضروری اوزار اٹھائے اور چپکے سے دوسرے راستے سے ہوتا ہوا قبرستان کے اس حصہ کی جانب چل پڑا جہاں اس بچی کی قبر موجود تھی۔ وہ عورت قبر کے سرہانے دو زانو بیٹھی پڑھنے میں مصروف تھی۔ میں اس سے ذرا دوری پر اوزار رکھتے بیٹھ گیا۔ اسے میرے آنے کی خبر ہو گئی تھی مگر اس نے اپنی پوزیشن بدستور وہی رکھی جس پر وہ بیٹھی ہوئی تھی۔ نیم تاریکی میں اس کا وجود جو اس نے سیاہ چادر میں ڈھانپ رکھا تھا اندھیرے کا حصہ دکھائی دے رہا تھا۔

وہ اتنی دلیر اور قوت برداشت کی حامل تھی کہ میں یہ سوچ کر پریشان ہوا بیٹھا تھا کہ جانے کب سے وہ قبر پر اسی حالت میں بیٹھی ہوئی تھی۔ میرے پاس تو گھڑی نہیں تھی مگر اندازہ کر کے میں نے حساب لگا لیا۔ اس وقت گیارہ سے اوپر ہی ٹائم تھا۔ کچھ دیر بعد اس کے جسم میں لغزش ہوئی اور وہ سیدھی ہو کر بیٹھ گئی۔ اس کی آنکھیں صاف طور پر چمک رہی تھیں۔ اکثر رات کو آوارہ پھرنے والی بلیوں کی آنکھیں تاریکی میں اسی طرح روشن ہوتی تھیں۔ اس کی مدھم اور تھکی ہوئی آواز میری سماعت سے ٹکرائی۔ ''اشرف تم تیار ہو؟''

''جی میں آپ کے حکم کا منتظر ہوں۔'' میں نے سعادت مندی سے جواب دیا۔

اس نے اپنے پرس سے گھڑی نکال کر ٹائم دیکھا اور بولی ''ابھی بیس منٹ باقی ہیں۔''

WAQAR AZEEM
www.pakistanipoint.com

''تو میں پھر شروع کروں؟''

''نہیں جب پورے بارہ کا وقت ہوگا تو تم نے قبر کی مٹی ہٹانے کے لیے پہلی ضرب لگانی ہے۔''

اس نے پرس سے بوتل نکالی اور جو کچھ بھی اس میں تھا اسے قبر کے چاروں جانب انڈیل دیا اور خالی بوتل دوبارہ اپنے بڑے سے ہینڈ پرس میں ڈال لی اور ایک چھوٹی سی چھڑی کی مدد سے جو اس نے پرس سے نکال کر ہاتھ میں لے لی تھی قبر کے گرد دائرہ سا کھینچ دیا۔ پھر وہ چھڑی اس نے بچی کی قبر کے پیروں والی سائیڈ پر زمین میں گاڑ دی اور پڑھنے بیٹھ گئی۔

میرا دھیان اس کے ہاتھوں کی جانب تھا کہ وہ کب مجھے قبر سے مٹی ہٹانے کا اشارہ کرتی ہے۔ لکڑی اس نے قبر کے اوپر اپنی نگاہوں کے سامنے رکھ چھوڑی تھی۔ میں نے اپنا کرتہ اُتار کر پاس والی قبر پر رکھ دیا اور مٹی کو کھودنے والا کھرپہ ہاتھ میں لے لیا۔ جونہی اس نے اپنا دھیان توڑتے ہوئے مجھے مٹی ہٹانے کو کہا تو میں نے بھرپور ٹپ مارتے ہوئے پیروں کی طرف سے مٹی ہٹانا شروع کر دی۔ اس قبرستان کی زمین نرم تھی۔ قبرستان بننے سے پہلے یہ رقبہ سرکاری ملکیت تھا اور اس کا ٹھیکہ ہر پانچ سال بعد نیلام ہوتا تھا مگر بعد میں محکمہ مال نے یہ رقبہ اربن قبرستان کے کھاتے میں درج کروا کر پٹوار خانہ میں انتقال چڑھا دیا۔ تب سے مقامی کمیٹی نے میرے دادا کو قبرستان کا انتظام سونپ دیا جو آج تک ہمارے پاس خاندانی وراثت کے طور پر چلا آ رہا تھا۔ میں تیزی سے مٹی ہٹانے میں لگا ہوا تھا اور وہ منہ میں بڑبڑا رہی تھی۔

کچھ دیر بعد میں مٹی کو اتنا ہٹا چکا تھا کہ لحد کی کچھ اینٹیں نظر آنے لگی تھیں۔ میں نے گھوم کر اس کی طرف دیکھا تو اس نے ہاتھ کے اشارے سے اینٹیں ہٹانے کو کہا۔ آج پہلی بار میرے دل کی دھڑکن تیز ہوئی تھی۔ میں نے خود پر کنٹرول کرتے اپنی مردانگی دکھاتے ہوئے پہلی اینٹ ہٹائی۔ قبر سے نکلنے والی کافور کی تیز بو ماحول میں پھیل گئی۔ وہ چھوٹی سی ٹارچ جو اس نے ہاتھ میں پکڑ رکھی تھی لے کر قبر کے اندر جھک گئی۔

ٹارچ کی روشنی میں باقی کی ساری اینٹیں میں نے ہٹا دیں۔ روشنی میں بچی کی میت کفن میں لپٹی ہوئی تھی اور پر گہرے سرخ رنگ کا دوپٹہ اسی حالت میں ابھی تک موجود تھا۔

پہلی بار میں یہ سب کر رہا تھا۔ مجھے ایسا کچھ بھی علم نہیں تھا کہ مرنے کے بعد میت کی کیا پوزیشن ہوتی ہے۔ وہ مجھے باہر آنے کا کہہ کر خود کھدی قبر میں اُتر گئی۔ میں اس کی دیدہ دلیری پر ششدر رہ گیا۔ وہ واقعی ڈر اور خوف جیسے الفاظ سے آشنا نہیں تھی۔

شاید وہ قبر میں بیٹھی پڑھ رہی تھی۔ جب فارغ ہو کر اوپر نکلی تو اس کی آنکھیں چمک رہی تھیں۔ ''اینٹیں اسی ترتیب سے لگا کر قبر بند کر دو۔'' اس نے دھیمی آواز میں مجھے مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ میں اوپر نیچے رکھی اینٹیں ایک ایک کرتے لحد کے منہ پر جمانے لگا۔ پھر میں نے باہر نکل کر قریبی درخت کی نرم ٹہنیاں توڑ کر لحد کے چاروں جانب جما دیں تاکہ مٹی تعویذ کے اندر نہ جا سکے۔ پھر ساری مٹی گڑھے کے اندر احتیاط سے بھر دی۔ اچھی طرح آس پاس سے مٹی اکٹھی کر کے قبر کو دوبارہ اسی حالت میں کر دیا اور کرتہ پہن کر ایک طرف جا بیٹھا۔ وہ بیٹھی ابھی تک کچھ پڑھنے میں گم تھی۔ جب وہ فارغ ہوئی تو اس

WAQAR AZEEM
www.pakistanipoint.com

وقت رات کے ایک بجے سے زیادہ کا وقت ہو چکا تھا۔

''چلو گے میرے ساتھ؟'' اس نے عجیب انداز میں مجھے دیکھتے پوچھا۔

میں نے بغیر سوچے سمجھے اپنا سر ہلا دیا۔

وہ اپنا بیگ وغیرہ سنبھالتی اٹھی، میں بھی اپنا سامان اٹھا کر اس کے ساتھ بچی کی قبر سے دوسری طرف یہ کہتے گھوم گیا کہ ''میں سامان رکھ کر آپ کو باہر سڑک پر ملتا ہوں۔''

''ٹھیک ہے۔'' اس نے قبروں کے درمیان بنے راستے پر آگے بڑھتے جواب دیا۔ میں تیزی سے چلتا ہوا تکیہ کے پچھواڑے پہنچا اور سامان رکھ کر سب سے نظریں بچاتا ہوا قبرستان سے باہر جانے والی پگڈنڈی پر ہو گیا۔

وہ سڑک کے کنارے درخت کے نیچے کھڑی نظر آ گئی۔ میں نے قریب پہنچ کر اخلاقاً پوچھا ''دیر تو نہیں لگی؟'' اس نے انکار میں سر ہلاتے قدم آگے بڑھا دیئے۔

چاروں جانب ہو کا عالم تھا۔ میں ساتھ ساتھ چلتے شہر کی ایک بستی میں پہنچ گیا جو نواحی بستی کے نام سے جانی جاتی تھی۔ دو چار گلیوں کے بعد وہ ایک واجبی سے گھر کے پاس آ کر رُک گئی۔ ہینڈ بیگ سے اس نے چابی نکالتے باہر لگے تالے میں لگائی اور اسے کھول لیا۔ پھر دروازے کی کنڈی کھولتے مجھے اپنے پیچھے آنے کا اشارہ کیا۔ نیچے والے حصہ میں دو تین کمروں میں سے ایک کی لائٹ روشن تھی۔ مجھے برآمدے میں کھڑا کر کے وہ اس کمرے میں داخل ہو گئی۔

''آج اتنی دیر لگا دی تم نے؟'' اندر سے کسی عورت کی آواز آئی۔

''بس ماں آج کام زیادہ تھا اس لیے چھٹی دیر سے ملی۔'' اس نے جواباً پوچھنے والی کو مطمئن کرتے ہوئے کہا۔

''اچھا اماں سو جاؤ۔ میں بھی سونے جا رہی ہوں۔'' یہ کہتے ہوئے وہ کمرے سے باہر آ گئی۔

پھر وہ مجھے اشارہ کرتے ہوئے اوپر جانے والی سیڑھی کی طرف بڑھ گئی۔ میں بھی اس کے پیچھے پیچھے چلتا ہوا اوپر والے پورشن پر آ گیا۔ اس کا کمرہ بڑی نفاست سے آراستہ تھا۔

برتن اِدھر اُدھر کرنے کی آوازوں سے پتہ چل رہا تھا کہ وہ کھانے کا بندوبست کر رہی ہے۔ میں کرسی پر بیٹھا کمرے کی سجاوٹ کا جائزہ لینے کے ساتھ ساتھ اس کی حیثیت کا انداہ لگا رہا تھا۔ اسی دوران وہ ٹرے سنبھالے کمرے میں داخل ہوئی۔ جتنی جلدی اس کی واپسی ہوئی تھی وہ یہ ظاہر کر رہی تھی کہ اس نے پہلے سے تیار کھانے کو گرم کیا ہے اور صرف روٹیاں پکائی ہیں۔ اس نے دوسری کرسی کھینچ کر اسے درمیان میں رکھا اور میز کو بھی دونوں کرسیوں کے بیچ سیدھا کر دیا۔ پھر اس پر کھانے کی ٹرے رکھ کر پلیٹیں آمنے سامنے کیں اور ان میں سالن نکالتے ہوئے مجھے کھانے کا اشارہ کیا۔

میں سر ہلاتا اٹھا اور واش روم میں جا کر منہ ہاتھ دھو کر کھانے کے لیے آ بیٹھا۔ کھانے سے فارغ ہو کر اس نے برتن سمیٹتے ہوئے چائے کا پوچھا تو میں نے سر ہلا کر پینے پر آمادگی کا اشارہ کر دیا۔ کچھ دیر بعد وہ دو کپ چائے کے لے آئی اور میز پر رکھتے بولی ''تم بھی حیران ہو رہے ہو گے، دراصل میں یہ سب کچھ لوگوں کو بھلائی کے لیے کر رہی ہوں۔''

''لوگوں کی بھلائی؟ اتنا بڑا کام جس میں تمہاری جان تک جانے کا بھی اندیشہ ہے۔ اگر

WAQAR AZEEM
www.pakistanipoint.com

اس مرنے والی بچی کے لواحقین کو اس سب کچھ کی خبر ہو جائے وہ تمہیں زندہ نہیں چھوڑیں گے۔''
میں نے اپنے دل میں چھپے خدشے کا اظہار کیا۔
''ان کو بتائے گا کون اس سارے معاملے کا صرف تمہیں علم ہے یا مجھے اب تو تم خود بھی میرے شریک کار ہو نا۔'' اس نے چائے کا گھونٹ بھرتے ہوئے بڑے معنی خیز انداز میں مجھے باور کروا دیا کہ میں بھی اس کے ساتھ اس کے شیطانی عمل میں شامل ہوں۔
میں اس کی بات سُن کر قدرے گھبرا گیا۔ اس نے بھی میرے چہرے کا رنگ تبدیل ہوتا محسوس کر لیا اور کہنے لگی:
''اچھا چھوڑو ان ساری باتوں کو مجھے صرف یہ بتاؤ کہ کیا تم مجھے سہارا دے سکو گے؟''
میں نے اس کی باتیں سن کر پل بھر میں یہ فیصلہ کر لیا کہ مجھے اب اس کی ہر بات ماننا پڑے گی۔
''دیکھو، یہ بات اتنی آسان نہیں جتنا تم سمجھ رہی ہو۔ مجھ پر سارے گھر کا بوجھ اور ذمہ داری ہے۔ ظاہری سی بات ہے تم تو میرے ساتھ قبرستان میں رہ نہیں پاؤ گی اور میں ابھی اپنے والدین کو چھوڑ نہیں سکتا مگر تم سے میرا وعدہ ہے کہ میں تمہاری ہر طرح سے مدد کرتا رہوں گا۔''
میں نے اپنے اندر کی پریشانی جو اس کی باتوں سے میرے دل میں اچانک اٹھی تھیں پر قابو پاتے اسے مطمئن کیا۔
''تو پھر تم ادھر نہیں رکو گے؟''
''نہیں بس تمہارا گھر دیکھ لیا، تمہارے گھر کا نمک بھی کھا لیا جس کی لاج رکھنا اب مجھ پر فرض ہو گیا ہے۔'' میں نے خالی کپ کرسی پر چھوڑ دیا۔
''اب میں چلتا ہوں۔'' میں نے جانے کی اجازت مانگی۔
''ٹھیک ہے۔'' اس نے اٹھتے ہوئے بیڈ کی سائیڈ ٹیبل کا دروازہ کھول کر چھوٹا سا پرس نکالا اور اس میں سے ہزار کے تین نوٹ نکال کر میرے ہاتھ میں دے دیئے۔ ''یہ رکھو میں تمہاری مدد کرتی رہوں گی۔'' پھر وہ اٹھ کر میرے ہمراہ سیڑھیاں اُتر آئی۔ باہر کے دروازے پر پہنچ کر میں نے ہمت کرتے اس کو مخاطب کیا۔ اس نے استفہامیہ نظروں سے میری طرف دیکھا۔ ''آپ نے ابھی تک مجھے اپنا نام نہیں بتایا۔''
''میرا نام شہناز ہے مگر سارے مجھے شنو باجی بلاتے ہیں۔'' اس نے ہلکی سی مسکراہٹ میں اپنا نام بتایا۔ میں اجازت لیتا ہوا گیٹ سے باہر آ گیا۔
جب میں واپس گھر پہنچا تو رات کافی بیت چکی تھی تکیہ پر دو چار بے فکرے اب بھی جاگ رہے تھے۔ میں خاموشی سے ایک طرف پڑ کر سونے کی کوشش کرنے لگا۔ صبح اٹھ کر گھر کے اندر آیا اور صحن میں پڑی چارپائی پر دراز ہو گیا۔ ابھی تک گھر کے سارے لوگ اپنے اپنے بستر پر ہی تھے، کسی کو کوئی خبر نہ ہوئی میرے اندر آنے کی۔
چار دیواری کے درمیان گزرنے والے راستے کے دونوں جانب رسی باندھ کر آگے کپڑا لٹکا دیا تھا جو دروازے کا کام دیتا۔ ساری رات زمین پر پڑے پڑے جسم دکھ رہا تھا چارپائی پر دراز ہوتے آنکھ لگ گئی۔ مجھے جگانے والی میری بہن تھی جو ناشتہ لیے میرے سر پر کھڑی تھی۔ میں نے اٹھ کر اس کے ہاتھ سے روٹی اور چائے پکڑتے ایک طرف رکھی اور منہ ہاتھ دھونے ہینڈ پمپ کی طرف ہو گیا۔
شنو اپنے ٹائم پر اس بچی کی قبر پر موجود تھی مگر

WAQAR AZEEM www.pakistanipoint.com

آج اس کے بیٹھنے کا انداز پہلے سے ذرا مختلف تھا۔ وہ قبر سے ذرا ہٹ کر آلتی پالتی مارتے یوں بیٹھی تھی جیسے وہ بچی کی قبر پر بیٹھی فاتحہ پڑھ رہی ہے۔ مجھ پر نظر پڑتے ہی وہ ذرا سا مسکرائی جیسے میرا خیر مقدم کیا ہو۔ میں بھی اس سے ذرا فاصلہ رکھ کر یونہی ایک قبر پر اگا جھاڑ جھنکار ہاتھوں کی مدد سے نوچنے لگا مگر چور نظروں سے شنو کی طرف ہی متوجہ تھا مگر وہاں جو کچھ مجھے دکھائی دیا وہ میرے لیے حیرت سے کم نہیں تھا۔

قبروں کے درمیان مجھے ایک چھوٹی سی لڑکی دکھائی دی جس نے خود کو سفید لبادے میں چھپا رکھا تھا۔ وہ کبھی ایک قبر پر تو کبھی دوسری قبر پر یوں گھوم رہی تھی جیسے وہ کسی تفریحی پارک میں سیر کر رہی ہو۔ میرا دل اندر سے سخت ہونے کے باوجود بُری طرح دھڑک رہا تھا۔ بچی پر سے نظریں ہٹا کر میں نے شنو کی طرف توجہ کی تو اسے آنکھیں بند کیے منہ میں کچھ بڑبڑاتے ہوئے پایا۔ میں اس پراسرار بچی کو اپنی کھلی نظروں سے دیکھ رہا تھا جو اب ایک قبر کی پختہ منڈھیر پر بیٹھی ٹانگیں ہلا رہی تھی۔

پہلے میں نے سوچا کہ اس بچی کے قریب جا کر اس سے کوئی بات کروں مگر دل میں آئے اس خیال کو میں نے دبا کر شنو کی طرف دیکھا جو اُٹھ کر کھڑی ہو چکی اور اس بچی کی جانب متوجہ تھی۔ میری ٹانگوں کو جیسے زمین نے جکڑ لیا ہو، مجھ میں اٹھنے کی ذرا برابر سکت نہیں تھی۔ میری آنکھیں متحرک تھیں مگر پورا جسم اپنی جگہ برف کی مانند جم چکا تھا۔ زبان خشک اور گلے میں لعاب کی جگہ کانٹے چبھ رہے تھے۔

شنو قبروں سے بچتی ہوئی اس بچی کے عین سامنے پہنچ کر رُک گئی۔ میں نے غور کیا تو مجھے پتا چلا کہ اس لڑکی کے جسم پر لپٹا سفید کپڑا دراصل اس کا کفن تھا جو اس نے چادر کی طرح اپنے گرد لپیٹ کر خود کو ڈھانپ رکھا تھا۔ شنو نے اس بچی کا ہاتھ تھام کر اسے قبر کی منڈھیر پر سے نیچے اتار لیا اور واپس اسی قبر پر لا کھڑا کیا اور خود زمین پر بچھائے سرخ کپڑے پر رکوع کی مانند جھک گئی۔ بالکل اس حالت میں جیسے سجدہ ریز ہونے جا رہی ہو۔

چند پل وہ اسی حالت میں رہی پھر سیدھا ہو کر اس نے اپنے پرس کو کھولا اور اس میں سے ایک چھوٹی سی بوتل نکالی اور اس کا ڈھکن اتار کر جو اس میں سیال مادہ بھرا ہوا تھا اس کے سر پر انڈیل دیا۔ یکدم اس بچی کا وجود ہوا میں تحلیل ہونے لگا۔ ایک ناگوار بدبو آس پاس پھیل گئی جیسے کچا گوشت جلتی تیز آگ پر پھینک دیا گیا ہو۔

پہلے بھی شنو نے ایسی ہی بوتل سے قبر پر کچھ انڈیلا تھا جس کی ناگوار بدبو اس وقت بھی آئی تھی اور آج بھی اس نے وہی عمل دہرایا تھا۔

کچھ دیر بعد وہ دھواں فضا میں مدغم ہو گیا تو شنو اسی پوزیشن میں دوبارہ بیٹھ گئی۔ میں قبروں کی طرف آتے کچھ لوگوں کو دیکھ کر شنو کے قریب سے اٹھ کر دوسری طرف چل پڑا جیسے میں قبروں کا جائزہ لیتا گھوم رہا تھا۔

جادو ٹونہ کی باتیں تب سے سنتا آ رہا تھا جب سے میں نے یہاں اس ماحول میں ہوش سنبھالا تھا مگر یہ سب دیکھنے کا اتفاق مجھے شنو کی موجودگی میں ہوا۔ آج کا واقعہ تو میں نے خود اپنے سامنے آنکھوں سے دیکھا اور مجھے جادو کی طاقت کا اندازہ ہو گیا کہ انسان اپنی شیطانی طاقت سے کیا کچھ نہیں کر سکتا۔ ایک کمزور اعصاب کی عورت قبرستان کی ہولناکی سے بے نیاز اپنا شیطانی عمل کر رہی تھی۔ جو کچھ میں نے دیکھا وہ ناقابلِ یقین

WAQAR AZEEM
www.pakistanipoint.com

تھا اور میں خود کو اس حیرت انگیز واقعہ کے اثر سے نکال نہیں پا رہا تھا۔

قبروں پر آنے والی فیملی فاتحہ خوانی کے بعد واپس چلی گئی تو میں دوبارہ شنو کے قریب آ بیٹھا جو ابھی تک اسی کیفیت میں دنیا مافیا سے بے خبر اور بے نیاز بیٹھی اپنے عمل میں مصروف تھی۔ اس دھویں کی ناگوار بو ابھی تک آس پاس کی فضا میں رچی ہوئی تھی۔ کچھ سوچ کر میں اٹھا اور گھر کی طرف چل پڑا۔ صاف برتن میں پانی بھرا اور گلاس سمیت لے کر دوبارہ بچی کی قبر کی جانب چل پڑا۔

سامنے شنو اب ساتھ والی قبر کی تختی کے ساتھ ٹیک لگائے ریلیکس انداز میں آنکھیں موندے بیٹھی تھی۔ میرے قدموں کی آہٹ پا کر اس نے آنکھیں کھولیں اور سیدھی ہو کر بیٹھ گئی۔ میں قریب پہنچ کر ایک قبر کی پختہ منڈھیر پر ہاتھ رکھتے کھڑا ہو گیا۔

''تم نے آج جو دیکھا اس کا ذکر کسی سے مت کرنا۔'' شنو نے اپنا آپ چادر میں ڈھانپتے ہوئے مجھے تنبیہ کی۔ جواباً میں نے سر ہلاتے اسے مخاطب کیا۔ میں کچھ کہنا چاہتا تھا لیکن الفاظ جیسے اٹک سے گئے تھے۔

''ہاں بولو میں سن رہی ہوں۔'' شنو نے کہا۔

''کیا اس بچی کو زندہ کر کے تم اس کے گھر والوں کے سپرد کر دو گی؟''

''نہیں بدھو، ابھی تو صرف اس کی روح کو بلایا ہے۔''

''جب سارا کام مکمل ہو جائے گا تو اس سے کام لیا کروں گی۔'' شنو نے اپنا پرس وغیرہ سمیٹتے چلنے کے لیے اپنا جوتا پہنا جو ایک طرف پڑا تھا۔

''آج جلدی واپسی ہے؟''

''نہیں یہ بات نہیں دراصل پڑھائی کا سلسلہ گھٹتا جا رہا ہے اس لیے باقی کا عمل اپنے گھر پر پورا کرنا ہو گا پھر حسبِ توفیق شنو نے کچھ روپے میری طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔'' ابھی ان پر ہی گزارہ کرو جب اس کی روح مکمل طور پر میرے قبضہ میں آ جائے گی تو کسی چیز کی کمی نہیں ہو گی۔'' یہ کہتے ہوئے وہ قبرستان سے باہر جانے والے راستے کی طرف چل پڑی۔

میں اسے تب تک دیکھتا رہا جب تک وہ میری نظروں سے اوجھل نہ ہو گئی۔ میں نے اس بد نصیب بچی کی قبر پر آ کر اچھی طرح سے جائزہ کہ کہیں سے بچی کی قبر کھلی ہوئی تو نہیں۔ مجھے اچھی طرح غور کے بعد کوئی بھی دراڑ تک نظر نہ آئی۔ میں دل میں پشیمانی لیے واپس تکیہ کی جانب چل پڑا۔ میں خود کو ملامت کرتے چلا جا رہا تھا کہ میں اسے اس گناہ کے کام سے باز رکھتا مگر میں تو چند سکوں کے عوض اس کے مکروہ فعل میں خود بھی شامل ہو چکا تھا اور باقاعدہ اس بد بخت کا آلہ کار بن گیا تھا۔

تکیہ پر دو چار لوگ ہمہ وقت موجود رہتے تھے' اس وقت بھی دو تین مرد وہاں بیٹھے اپنی اپنی ہانکنے میں محو تھے۔ میں ایک طرف ہو کر اس بچی کے بارے میں سوچنے لگا۔ مجھے کسی طرف سے بھی کوئی ایسی سبیل دکھائی نہیں دے رہی تھی جس پر میں عمل کر کے اس بدنصیب بچی کی قبر کی بے حرمتی سے عورت کو روک سکوں۔ اسی سوچ بچار میں اٹھ کر گھر کے اندر آ کر چارپائی پر دراز ہو گیا۔

مجھے معمول کی نسبت خاموش اور پریشان دیکھ کر پہلے ماں نے خیریت پوچھی پھر بہن فکرمند ہوتے ہوئے قریب آ بیٹھی۔ چونکہ میں پہلے کبھی اس وقت پر گھر نہیں آیا تھا اس لیے اُن کا فکرمند

ہونا فطری تھا۔
میں نے سر درد کا بہانہ بناتے دونوں کو مطمئن کر دیا اور کروٹ بدل کر منہ دیوار کی جانب پھیر لیا۔ اس پریشانی میں میری آنکھ لگ گئی۔ جب آنکھ کھلی تو دن ڈھلنے کے آثار شروع ہو چکے تھے۔
اٹھ کر منہ ہاتھ دھویا او گھر سے نکل کر تکیہ پر آ بیٹھا۔ عجیب سی کیفیت تھی میری، پورے وجود پر ایک الجھن سوار تھی۔ رات کی تاریکی میں مجھے جو دکھائی دیا اس نے میرے ہوش گم کر دیئے۔
ماں نے مجھ سے کچھ سودا سلف منگوایا تھا جو میں شہر سے لے کر واپس قبرستان کی طرف آ رہا تھا۔ راستے میں پڑنے والے ویرانے حصے کا تھوڑا سا فاصلہ طے کیا تھا کہ میرے سامنے وہی بچی جس کو میں پہلے بھی دیکھ چکا تھا آ کھڑی ہوئی۔ اس کا چہرہ نمایاں دکھائی دے رہا تھا۔ میں اسے اپنے سامنے پا کر یکدم گھبرا گیا اور وہاں سے بھاگ نکلنے کا سوچ رہا تھا کہ اسی لمحے میرے کانوں میں آواز آئی۔
''انکل...... مجھے بچالیں، مجھے بچالیں۔''
انکل، میں آپ کی منت کرتی ہوں، آپ میری حفاظت کریں اور مجھے اس شیطان عورت سے بچائیں۔'' وہ بول رہی تھی اور میں بُت بنا ہونقوں کی مانند اپنی آنکھوں کے سامنے لہراتے اس بچی کے ہیولے کو دیکھ رہا تھا جو آہستہ آہستہ دور ہوتا جارہا تھا اور اس کی آواز بھی مدھم ہوتی جارہی تھی۔
''انکل! میری مدد کریں، انکل میری مدد کریں۔'' بچی کی آواز میں بلا کا درد تھا جو مجھ سے مدد کی استدعا کر رہی تھی۔ جب وہ میری نظروں سے اوجھل ہوگئی تو مجھے احساس ہوا کہ میں اس ویران راستے پر اکیلا ہی کھڑا ہوا تھا۔ اپنے حواس درست کر کے میں تیزی سے وہاں سے آگے بڑھ گیا۔ تمام راستے اس بچی کی کربناک آواز میرے کانوں میں گونجتی رہی۔ گھر پہنچ کر میں نے سارا سامان باہر پڑی چارپائی پر رکھا اور اُلٹے پاؤں باہر نکل آیا۔
میرا رُخ بچی کی قبر کو جانے والے راستے کی جانب تھا۔ میرے اعصاب پر وہ فقرے ہتھوڑے کی مانند پڑ رہے تھے۔ ''انکل، مجھے بچالیں۔'' میں قبر پر پہنچ گیا۔
آج پہلی بار مجھے آس پاس کے ماحول سے ڈر محسوس ہو رہا تھا جیسے سارے قبرستان کی قبروں کے مکین اپنی اپنی قبر سے باہر نکل کر میرا محاسبہ کرنے کے درپے ہوں۔ میں اس بچی کی قبر کے قریب بیٹھتے بڑی ندامت سے پاؤں کی جانب ہاتھ رکھتے ہوئے بولا۔
''بیٹی! مجھے معاف کر دینا۔ وقتی طور پر لالچ کی آگ میں گر پڑا تھا۔ تم سے وعدہ کرتا ہوں چاہے مجھے کچھ بھی کرنا پڑے میں اس بدبخت کے ارادے پورے نہیں ہونے دوں گا۔''
مجھے ایسا محسوس ہوا جیسے میرا سارا وجود کسی بھاری بوجھ سے آزاد ہو گیا۔ میں نے محبت اور شفقت سے اس کی پوری قبر پر ہاتھ پھیرا اور اُٹھ کر واپس گھر کی طرف روانہ ہو گیا۔ کئی دن سے مسلسل انتظار کے بعد جب میں نے شنو کو قبرستان میں نہ دیکھا تو خود اس کے گھر جانے کا اردہ کر لیا۔
اگلی صبح اُٹھ کر روزمرہ کے کام نپٹائے اور گھر آ کر نہانے کے بعد لباس تبدیل کیا اور خاموشی سے سب سے آنکھ بچا کر شہر کی جانب چل پڑا۔
ایک آدھ گلی میں بھٹکا لیکن آخر کار شنو کے دروازے پر پہنچ گیا۔ گھنٹی کا بٹن دبا کر باہر کھڑے

WAQAR AZEEM www.pakistanipoint.com

ہو کر اس کا انتظار کرنے لگا۔ قدموں کی آہٹ ہوئی پھر میری آنکھوں کے سامنے شنو کھڑی تھی۔ مجھ پر نگاہ پڑتے ہی وہ مسکرا کر ایک جانب ہوتے بولی۔ ''اندر آجاؤ۔''

میں دروازے سے گزر کر اندر داخل ہو گیا تو اس نے اندر سے کنڈی چڑھاتے مجھے اپنے پیچھے واپس سیڑھیوں کی طرف چلنے کا اشارہ کیا۔ آگے پیچھے چلتے ہم اوپر کمرے میں آ گئے۔ مجھے بیٹھنے کا کہہ کر وہ فریج کی طرف چلی گئی۔ میرے سامنے اس نے فروٹ اور شربت رکھتے سوال کیا۔

''خیر تو ہے، بغیر کسی پروگرام کے چلے آئے؟''

''نہیں، وہ آپ کئی دن سے قبرستان نہیں آرہی تھیں، میں نے سوچا خود جا کر آپ کی خیریت پوچھ آؤں۔''

''شکریہ، دراصل میرے چلہ کا ایک حصہ مکمل ہو چکا ہے۔ دوسرا اور آخری حصہ نوچندی کو شروع ہونا تھا اس لیے کئی دن کا ناغہ پڑ گیا۔'' اس نے شربت کا گلاس میرے آگے کرتے دوسرا خود اٹھا لیا۔

میں شربت پینے کے ساتھ ساتھ کوئی بہانہ بھی تلاش کر رہا تھا کہ اس بچی کی بات چھیڑوں مگر اس نے خود ہی مجھے مخاطب کرتے بتانا شروع کر دیا کہ ابھی میں نے چلہ چھوڑا ہوا ہے، جونہی اندھیری راتیں شروع ہوں گی میری پڑھائی شروع ہو جائے گی پھر اس نے گلاس خالی کرتے ہوئے سیب کاٹنا شروع کر دیا اور چائے بنانے کا پوچھا مگر میں نے یہ کہتے انکار کر دیا کہ ''مجھے واپس جانا ہے، زیادہ دیر ٹھہرا تو ابا ناراض ہو جائے گا۔ ویسے بھی بارشیں شروع ہونے والی ہیں اس لیے قبروں کی مرمت کا کام نکلتا رہتا ہے۔''

کچھ دیر بیٹھنے کے بعد میں کھڑا ہو گیا تو اس نے اٹھتے ہوئے میز کی دراز کھول کر کچھ روپے نکالے اور میری طرف بڑھائے۔ میں نے نہ چاہتے ہوئے بھی پکڑ لیے کہ کہیں وہ میرے ارادوں سے واقف نہ ہو جائے اور مجھ پر اپنا یقین بحال ہی رکھے پھر میں سلام کرتا ہوا سیڑھیاں اُتر آیا۔

وہ میرے پیچھے دروازے تک آئی۔ میں سر ہلاتا ہوا سڑک پر آ گیا۔ اب میرا رُخ بازار کی جانب تھا۔ اس کے دیئے کچھ روپے جو میری جیب میں تھے میں ان سے چھٹکارا پانے کی نیت سے گھر واپس جانے کی بجائے شہر کی طرف جا رہا تھا۔ کچھ سامان گھر کے لیے اور کچھ تکیہ پر موجود بے فکروں کے لیے خریدا اور رکشہ لے کر قبرستان کی طرف چل پڑا۔

چاند تنکے کی مانند باریک ہو چکا تھا جس کے باعث قبرستان کا ماحول نیم تاریک تھا۔ ہمارے لیے تو یہ اندھیرا کوئی اہمیت نہیں رکھتا تھا مگر دوسرے لوگوں کے لیے اندھیرے میں اس طرف آنا بڑے حوصلہ کی بات تھی۔

رکشہ چھوڑتے خریدا ہوا کھانے پینے کا سامان سنبھالا اور گھر کی طرف جانے کے لیے قبرستان والی کچی سڑک پر مُڑ گیا۔

جب سے شنو اور مرنے والی بچی سے واسطہ پڑا تھا ذرا سی آہٹ پر دل مچل کر منہ میں آ جاتا۔ اس لیے چاروں طرف دھیان ہوتا۔ چلتے پھرتے گھر کا سامان رکھتے تکیہ پر بیٹھنے والوں کے لیے لایا کھانے پینے کا شاپنگ بیگ پکڑ کر باہر آ گیا۔ وہ شاپنگ بیگ والد صاحب کے آگے رکھ کر خود ایک کونے میں آ بیٹھا۔ کافی دیر اِدھر اُدھر کی باتوں میں اُلجھا رہا پھر اُٹھ کر بظاہر تو گھر کی طرف

WAQAR AZEEM www.pakistanipoint.com

سب کے سامنے مڑا مگر دروازے کے آگے سے گزر کر بچی کی قبر پر جانے والے راستے پر ہو گیا۔
اندھیری رات اور ہو کا عالم، قبر کے قریب بیٹھ کر قبر کے تعویذ پر محبت سے ہاتھ پھیرتے اپنے آپ سے مخاطب ہوا۔ "اشرف تم پر بطور گورکن یہ فرض ہے کہ یہاں اس قبرستان کی ہر قبر کی حفاظت کرنا۔ اب اس مرحومہ بچی کی روح کو شیطانی ہتھکنڈوں کی زد سے بچانا تمہاری سب سے اہم ذمہ داری ہے۔"
پھر میں ایک عزم لیے اٹھا اور سونے کی غرض سے گھر کی جانب چل پڑا۔
دو دن سے مجھے شنو کا شدت سے انتظار تھا۔ سارا دن اور رات گئے تک میں اسی ٹوہ میں رہتا کہ وہ آئے گی کیونکہ اندھیری راتیں شروع ہوئے آج چوتھا روز تھا۔
دوپہر کو ایک میت کو دفنانے کی اطلاع پر میں اور میرے چچا مل کر قبر تیار کر چکے تھے۔ میں چائے لانے گھر کی طرف جا رہا تھا۔ واپسی پر مجھے شنو، بچی کی قبر کے پاؤں کی جانب کھڑی نظر آئی۔ وہ کچھ پڑھ رہی تھی۔ میں قریب آ کر رک گیا۔ وہ مجھے دیکھ لینے کے باوجود بدستور پڑھنے میں مگن رہی۔
میں چند منٹ رکا اور اسے پڑھتے ہوئے چھوڑ کر گھر کی جانب چل پڑا۔
جب میں واپس آیا تو وہ قبر کے درمیان والی جگہ پر آنکھیں بند کیے بیٹھی اسی کام میں لگی ہوئی تھی جو میں کئی ہفتوں سے دیکھتا آ رہا تھا۔ وہ واقعی اپنی دھن کی پکی تھی اور اس مکروہ کام کو انجام تک پہنچانا چاہتی تھی۔
میں نے اس کی طرف زیادہ توجہ نہیں دی اور اس کے پاس بغیر رکے برتن اٹھائے نئی بنائی قبر کی طرف بڑھتا رہا۔ میت دفناتے دن غروب ہونے جا رہا تھا۔ مرنے والے کے لواحقین جا چکے تھے۔
ہم دونوں اپنے اوزار اٹھائے تکیہ کی طرف جا رہے تھے، میں جان بوجھ کر اپنے چچا کو لے کر اس بچی کی قبر سے دوسری طرف ہو گیا تھا کہ وہ شنو کو دیکھ نہ پائے۔
دراصل میں نہیں چاہتا تھا کہ چچا کو ذرا بھی شبہ ہو کہ میری اس عورت کے ساتھ شناسائی ہے۔ اگر وہ مجھے اس کی طرف متوجہ پاتے یا شنو کی آنکھوں میں میرے لیے شناسائی دیکھ لیتے تو میرے لیے مشکل کھڑی ہو سکتی تھی۔ اس لیے میں نے چچا کے ساتھ کام مکمل کرنے کے بعد سیدھا گھر کا رخ کیا۔
اسے بچی کی قبر پر چلہ پورا کرتے تیسرا روز ہو چکا تھا۔ میں اس کی سرگرمیوں پر نظر رکھے ہوئے تھا لیکن جان بوجھ کر اس سے تھوڑا فاصلہ رکھ رہا تھا۔
میں بس واجبی سا اس کے پاس رکتا اور جان بوجھ کر کوئی نہ کوئی بہانہ بنا کر کے اٹھ جاتا۔
دراصل میں جو فیصلہ کر چکا تھا وہ تھا تو بڑا جگرے کا کام مگر اس بچی کی روح کو بے سکون ہونے سے بچانے کا بس یہی ایک راستہ بچا تھا کہ میں شنو کا پتا ہی صاف کر دوں۔ اس دن کے لیے میں نے قبرستان کے آخری کونے میں ایک لاوارث قبر کا انتخاب کر رکھا تھا کیونکہ اس قبر کی حالت ابتر ہو چکی تھی اور کم از کم میں نے کئی سالوں سے اس قبر پر کسی کو فاتحہ پڑھنے آتے جاتے نہیں دیکھا تھا۔
وہ عورت ایک گھناؤنا کھیل کھیل رہی تھی اور اس کی وجہ سے ایک معصوم بچی کی روح اذیت میں تھی۔ میں اگرچہ وقتی لالچ اور لاعلمی کی وجہ سے

WAQAR AZEEM www.pakistanipoint.com

اس کی مدد کرتا رہا تھا لیکن اب میں نے فیصلہ کرلیا تھا کہ اس شیطان کی پیروکار عورت کو اس کے انجام تک پہنچاؤں گا۔ میں شاید اس حد تک کبھی نہ جاتا لیکن بچی کی روح کی پکار ہر وقت میرا پیچھا کر تی تھی۔ مجھے ہر لمحہ یہ محسوس ہوتا جیسے وہ بچی مجھ سے کہہ رہی ہو ''انکل پلیز میری مدد کریں۔۔۔ انکل پلیز میری مدد کریں۔'' اسی لیے اب میں نے فیصلہ کیا تھا کہ اس عورت کا کام تمام کردوں گا چاہے مجھے کچھ بھی کرنا پڑے۔

شنو آج سورج غروب ہونے سے قبل واپس جا چکی تھی۔ میں نے کدال اور سل اٹھائی اور اس قبر کی طرف چل پڑا۔ قبر جنگلی گھاس پھوس سے اٹی پڑی تھی۔ میں نے قمیض اتار کر قریبی درخت کی ٹہنی پر لٹکائی اور قبر پر سے گھاس وغیرہ ہٹانے لگا۔ جب اچھی طرح صفائی ہوگئی تو میں نے کدال سے اوپر والا تعویذ ہٹایا تاکہ وہ ساری مٹی باہر نکال سکوں جو لحد کے اوپر موجود تھی۔

جب ساری مٹی قبر کے گڑھے سے اٹھا کر اوپر اِدھر اُدھر پھیلا دی تو لحد کو بند کرنے کے لیے رکھی گئی کچی اینٹیں دکھائی دینے لگیں۔ کچھ دیر آرام کے بعد میں نے ایک ایک کر کے ساری اینٹیں ہٹا دیں۔ لحد کے اندر جھانک کر دیکھا تو کفن اور ہڈیاں خستہ حالت میں لحد کے اندر موجود تھیں۔ میں نے کدال کی مدد سے کچھ چیزیں جمع کیں اور قبر سے باہر آ کر وہی گھاس پھوس جو قبر کے آس پاس سے ہٹایا تھا اسی سے قبر کو اچھی طرح ڈھانپ دیا جیسے وہ پہلے نظر آ رہی تھی۔ دیکھنے والے کو وہ باقاعدہ قبر ہی لگتی۔

واپس آ کر نہانے کے لیے میں بالٹی میں پانی بھرنے لگا۔ اچھی طرح خود کو صاف کیا اور کپڑے بدل کر والدہ سے کھانا مانگا۔ فارغ ہو کر تکیہ پر آ بیٹھا۔

میرے اندر عجیب کشمکش جاری تھی۔ جھوٹ سچ کا مقابلہ جاری تھا، میں فضول باتوں میں کم ہی حصہ لیتا۔ میرے ذہن اور دل میں ہر وقت ایک ہی معاملہ زیرِ غور رہتا کہ اس بچی کی روح کو کیسے اس عورت کی طرف سے پہنچنے والی اذیت سے بچاؤں؟ اسی سوچ میں آنکھ لگ گئی۔

صبح والد صاحب نے جگایا کہ ایک قبر تیار کرنی ہے اپنے چچا کو ساتھ لے کر چلے جاؤ۔ دو بجے میت آ جائے گی۔ آج کافی دنوں بعد نئی قبر بنانے کا پیغام آیا تھا۔ میں نے اُٹھ کر منہ ہاتھ دھویا۔

چائے پراٹھا تیار تھا' جلدی جلدی ختم کر کے چچا کو ساتھ لیا اور اوزار نکال کر اسی طرف ہو گئے جدھر مرنے والے کے رشتہ داروں کی قبریں پہلے سے موجود تھیں۔

بچی کی قبر کے قریب سے گزرتے ہوئے میری طبیعت بوجھل ہونے لگی۔ یوں لگا جیسے بچی مجھے پکار رہی ہے اور مجھے مدد کے لیے کہہ رہی ہے۔ دل چاہا کچھ دیر وہاں رُک جاؤں مگر میں کوئی بھی اظہار کیے بغیر آگے نکل آیا۔ ہم دونوں نے مل کر قبر تیار کی اور ایک طرف ہو کر آرام کی نیت سے بیٹھ گئے۔ والد صاحب نے آ کر قبر کا جائزہ لیا اور مطمئن ہو کر واپس چلے گئے۔ میت کے آنے تک ہم چچا بھتیجا وہیں رُکے رہے۔ جب جنازہ دفنا کر سب چلے گئے تو ہم نے اپنے تمام اوزار اکٹھے کیے اور واپسی کے لیے چل پڑے۔

جب چچا ساتھ ہوتا تو جان بوجھ کر دوسری طرف سے تکیہ پر جاتا تھا، اس ڈر سے کہ کہیں چچا شنو کو دیکھ کر الرٹ نہ ہو جائے کیونکہ اس کا کوئی

WAQAR AZEEM
www.pakistanipoint.com

وقت مقرر نہیں تھا۔ اسے بے وقت قبرستان میں دیکھ کر چچا کو شک ہو سکتا تھا۔

سارا سامان رکھ کر میں اندر آ گیا کیونکہ صبح کا صرف ناشتہ ہی کیا تھا۔ نہا کر کھانا کھایا اور آرام کی غرض سے چار پائی سنبھال لی۔ تھکاوٹ کی وجہ سے بستر پر پڑتے ہی آنکھ لگ گئی جب جاگا تو دن ڈوبنے کی تیاری کر رہا تھا۔ اُٹھ کر منہ ہاتھ دھویا اور باہر آ کر بچی کی قبر کی طرف چل پڑا۔ دور سے ہی مجھے شنو قبر کے پاس بیٹھی نظر آ گئی۔ میں دبے قدموں درختوں کی آڑ لیتا ایسی پوزیشن میں آ گیا جہاں سے میں آسانی سے اس پر نظر رکھ سکتا تھا۔ وہ قبر کے سرہانے میری طرف پیٹھ کیے کھڑی ہاتھ میں پکڑی درخت کی ٹہنی سے بچی کی قبر پر کچھ تحریر کر رہی تھی۔

آس پاس ناگوار بد بو پھیلی ہوئی تھی۔ یک دم قبر کے اوپر ہلکا دودھیا سا دھواں لہرانے لگا۔ مجھے اس ناگوار دھویں اور بُو سے بہت الجھن ہوتی تھی۔

کچھ دیر میں نے سانس روکے رکھا پھر اچانک میری نظر اٹھی تو میں نے ایک سفید روشنی سی دیکھی جو دیکھتے ہی دیکھتے بچی کی شکل اختیار کر گئی۔ وہ بے بسی سے میری طرف دیکھ رہی تھی۔ اچانک شنو کا ہاتھ لہرایا اور گیلی شاخ اس نے بچی کے جسم پر کوڑے کی طرح ماری۔ وہ بلبلا کر تھوڑا دور ہو گئی۔

میرے دل پر ایسا اثر ہوا کہ میں تیزی سے پلٹا اور تکیہ کی طرف چل پڑا۔ سامان والے کمرے سے کدال اور کلہاڑی اٹھائی اور واپس قبر کی طرف تیز تیز قدم اٹھاتا چل پڑا۔

قریب پہنچ کر میں نے اپنے قدموں کی آہٹ قدرے مدھم کر لی۔ میرا اور شنو کا فاصلہ برائے نام رہ گیا تو کدال نیچے رکھ کر میں نے کلہاڑی کا دستہ مضبوطی سے پکڑ لیا۔ اب میں پوری طرح تیار تھا، میں نے اپنے جسم کو کس لیا۔ میری آنکھوں کے سامنے بچی کا خاکہ فضا میں روشنی کی طرح لہرا رہا تھا اور شنو ہاتھ میں پکڑی درخت کی گیلی ٹہنی سے اس کے وجود پر پے در پے ضربیں لگا رہی تھی۔

خدا معلوم مجھ میں اتنی جرأت اور طاقت کہاں سے آ گئی، میں چیتے کی سی پھرتی سے آگے بڑھا، کلہاڑی والا ہاتھ فضا میں بلند ہوا اور شنو کا سر تن سے جدا ہو کر دور تک لڑھکتا چلا گیا۔

یہ سب چند سیکنڈ میں ہوا، شنو کا سر کٹا جسم قبروں کے درمیان تڑپ تڑپ کر ٹھنڈا ہو گیا۔ میں نے کلہاڑی رکھ کر شنو کی لاش کو ٹانگوں سے پکڑا اور گھسیٹتا ہوا اس پرانی قبر کی طرف بڑھنے لگا جو میں نے پہلے سے تیار کر رکھی تھی۔ قبر پر سے گھاس پھوس ہٹایا اور جسم کو پیروں کی مدد سے قبر میں رکھ دیا۔

پھر میں دوبارہ شنو کا کٹا ہوا سر لینے بچی کی قبر کی طرف گھوم گیا۔ ایک قبر کے پاس اس کا کٹا ہوا سر مٹی میں لتھڑا پڑا تھا۔ اسے میں نے بالوں سے پکڑ کر اٹھایا اور کلہاڑی کا سہارا بنا کر اسے اٹھائے قبر کی طرف آ گیا۔ کٹا ہوا سر بھی دھڑ کے اوپر پھینکا اور آس پاس سے قبر کی مٹی کو اکٹھا کر کے اسے پھر سے قبر ہی کی شکل دی اور دونوں اوزار سنبھال کر واپس چل پڑا۔

بچی کی قبر کے قریب پہنچ کر میں چند سیکنڈ کے لیے رُکا۔ کچھ دیر وہاں کھڑا رہا پھر جیسے خود بخود میرے منہ سے نکلا ”لو بیٹی! آرام کرو، اب تمہیں کوئی بھی اذیت نہیں دے گا۔“

□□......❀......□□

WADAR AZEEM
www.pakistanipoint.com

مسئلہ یہ ہے

خلقِ خُدا کی بھلائی کے لیے مفید و معلوماتی سلسلہ

محترم قارئین! ''مسئلہ یہ ہے'' کا سلسلہ خلقِ خُدا کی بھلائی اور رُوحانی معاملات میں اُن کی رہنمائی کے جذبے کے تحت ماہنامہ ''سچی کہانیاں'' کے اوّلین شمارے سے شاملِ اشاعت ہے۔ گزشتہ برسوں میں ان صفحات پر تحریر و تجویز کردہ وظائف اور دُعاؤں سے بلاشبہ لاکھوں افراد نے نہ صرف استفادہ کیا بلکہ اس مادّی دنیا میں آیاتِ قرآنی اور ان کی رُوحانی طاقت کے حیران کر دینے والے معجزے دیکھے۔ جیسے جیسے لوگوں کو اِن وظائف سے فائدہ ہوتا رہا، اُسی تناسب سے ہر ماہ موصول ہونے والے خطوط کی تعداد میں اضافہ ہوتا گیا، پھر صورتِ حال یہ ہوگئی کہ اگر ماہنامہ ''سچی کہانیاں'' میں خطوط کے جوابات دینے پر اکتفا کیا جاتا تو قارئین کو اپنے جوابات کے لیے کئی کئی ماہ انتظار کرنا پڑتا، کیوں کہ پرچے میں صفحات کی تعداد بہرحال محدود ہے۔ اِن ہی حقائق کو دیکھتے ہوئے فوری نوعیت کے مسائل کے جوابات براہِ راست ارسال کرنے کا سلسلہ شروع کیا گیا، لیکن اتنے زیادہ خطوط کو سنبھالنا، اُن کا ریکارڈ مرتب کرنا اور انہیں سپردِ ڈاک کرنا خاصا وقت طلب کام ہے جو مجھ ایسے آدمی کے لیے کسی طور ممکن نہیں۔ اِن صفحات کی ترتیب و تدوین اور براہِ راست جوابات کے لیے میرا معاوضہ پاکستان کی سلامتی، قومی یکجہتی کی دُعا اور مسلمین و مسلمات (خواہ وہ زندہ ہوں یا مُردہ) کے لیے دُعائے خیر ہے۔ حقیقت تو یہ ہے کہ دُعائے خیر سے بڑا معاوضہ اور قیمتی تحفہ کوئی کسی کو کیا دے سکتا ہے؟ قارئین کے خطوط کی بڑھتی ہوئی تعداد کے پیشِ نظر ادارے کو باقاعدہ اسٹاف رکھنا پڑا ہے جو خطوط کا ریکارڈ مرتب کرنے اور انہیں سپردِ ڈاک کرنے کا ذمے دار ہے۔ اگر آپ اپنے مسئلے کا فوری جواب چاہتے ہیں تو ازراہِ کرم جوابی لفافے کے ساتھ =/500 روپے کا منی آرڈر یا بینک ڈرافٹ ماہنامہ ''سچی کہانیاں'' کے نام ارسال کر دیں۔ یہ رقم اُن افراد کی تنخواہ کی مد میں آپ کی امداد ہوگی جو اس شعبے سے متعلق ہیں۔ منی آرڈر کی رسید اور ڈرافٹ بھیجنے کے علاوہ خط میں منی آرڈر کی رسید اور بینک ڈرافٹ نمبر ضرور تحریر کریں۔ صاحبِ استطاعت حضرات ٹوکن منی =/500 روپے کو آخری حد نہ سمجھیں، وہ حسبِ استطاعت اِس رقم میں اضافہ کر سکتے ہیں۔ یہ رقم اُن خواتین کے کام آئے گی جو ملک کے دور دراز علاقوں میں رہتی ہیں اور جن کے لیے منی آرڈر یا بینک ڈرافٹ بھیجنا ممکن نہیں ہے۔ خطوط بھیجنے سے پہلے درج ذیل باتوں کا خیال رکھیں۔

(1)..... مسئلے کے ساتھ اپنا اور اپنی والدہ کا نام ضرور تحریر کریں۔ اصل نام کی اشاعت مقصود نہ ہو تو خط فرضی نام سے شائع کیا جائے گا۔ فرضی ناموں سے جھوٹے خطوط نہ بھیجیں ورنہ فائدے کے بجائے نقصان کا احتمال ہے۔

(2)..... منی آرڈر، بینک ڈرافٹ ماہنامہ ''سچی کہانیاں'' کے نام ارسال کریں۔

(3)..... اپنا مسئلہ صاف اور واضح الفاظ میں کاغذ کے ایک طرف تحریر کریں۔

C II 88- خیابانِ جامی۔ ڈیفنس ہاؤسنگ اتھارٹی۔ فیز-7، کراچی

WWW.PAKSOCIETY.COM

دانتوں کی دوا

دانتوں کے جملہ امراض کے لیے اکسیر دوا ہر عمر اور ہر جنس کے افراد کے لیے دستیاب ہے' اپنا آرڈر سچی کہانیاں کے دفتر فون کر کے نوٹ کروائیں۔

بچو! وبا کے دنوں میں احتیاط لازم ہے۔ اپنے اپنے گھروں میں رہنا چاہیے لوگوں سے میل جول بالکل ختم کر کے زیادہ وقت اللہ تعالیٰ کے حضور گڑگڑا کر دعائیں مانگتے گزارنا چاہیے۔ اکثر بچے پوچھتے ہیں کہ کوئی دعا بتایئے کہ یہ وبا نقصان نہ پہنچائے میں سب سے یہی کہتا ہوں کہ نماز اور قرآن کی تلاوت میں ہی حفاظت ہے اور کامیابی بھی ہے۔

اپنے ارد گرد موجود لوگوں کے بارے میں معلومات ضرور رکھیں کیونکہ سفید پوش کبھی بھی ہاتھ نہیں پھیلاتا' اللہ تعالیٰ اپنے بندوں سے خوش نہیں ہے اسی لیے وبائیں' ٹڈی دل' سیلاب' قحط یہ سب ایک ایک کر کے چلے آ رہے ہیں۔ بیشتر وقت توبہ میں گزاریں میرا رب رحمٰن ہے رحیم ہے وہ ضرور ہم ناعاقبت اندیشوں کو معاف فرما دے گا' اللہ کی رضا حاصل کرنے کا سب سے آسان نسخہ ہے کہ اس کے محبوب پر خوب درود و سلام بھیجیں' میں اپنے تمام بچوں کے لیے دعا گو ہوں۔ اللہ سب کا حامی و ناصر ہو۔

□ عدنان گیلانی۔ مسقط۔

○ پیارے بابا جی! السلام علیکم! پیارے بابا جی! میں آپ کو یہ خط مسقط سے ارسال کر رہا ہوں۔ ہمارا مسئلہ یہ ہے کہ ہمارے حالات بہت خراب ہیں۔ ایک وقت کا کھاتے ہیں۔ ہمارا اسکول جانا بھی بند ہو گیا ہے۔ ایک کمرے میں رہتے ہیں۔ ایسے حالات نہیں کہ ہم تعلیم حاصل کر سکیں۔ بابا جی! میرے ابو نے ایک پارٹنر کے ساتھ بزنس کیا تھا' اس نے میرے ابو کے ساتھ دھوکا کیا۔ اب ابو اکیلے ہیں' کبھی اُن کا کام چلتا ہے تو کبھی نہیں چلتا اور جب چلتا بھی ہے تو میرے ابو اس میں نقصان اٹھاتے ہیں۔ بابا جی! ہمیں کوئی ایسا وظیفہ بتائیں کہ جس کی مدد سے ہمارے حالات یعنی ابو کا کام خوب چلے۔ بابا جی! ایک اور وظیفہ بھی چاہیے کہ جس کی مدد سے ہمیں یہاں کا پاسپورٹ ملے۔ میرے والد یہاں پر چالیس سال سے رہ رہے ہیں۔ اِس دوران میں ہم نے یہاں کا پاسپورٹ حاصل کرنے کی بہت کوشش کی لیکن ناکام رہے۔ ہمارے پاس اس سلسلے میں نہ

اطلاعِ عام

قارئین بھائی' بہنوں سے گزارش ہے کہ مسئلہ بھیجنے کے لیے ہمارا نیا پتا نوٹ فرمالیں اور آئندہ اپنا مسئلہ دیے گئے۔ اس نئے ایڈریس پر روانہ کیجیے۔

نیا پتا: II-C-88۔ فرسٹ فلور۔ خیابانِ جامی کمرشل۔ ڈیفنس ہاؤسنگ اتھارٹی۔ فیز-7' کراچی

مسئلے سے متعلق معلومات کے لیے رابطہ کیجیے۔ 021-35893122-35893123

چہرے پر رونق نہیں ہے' کیل مہاسے' جھائیاں
ان سب سے نجات حاصل کرنے کے لیے خالص
جڑی بوٹیوں سے تیار دوا سچی کہانیاں کے دفتر سے
حاصل کی جاسکتی ہے۔

کوئی سفارش ہے اور نہ ہی ایسے حالات ہیں کہ ہم رشوت دے پائیں۔ برائے کرم ہمیں کوئی ایسا وظیفہ دے دیں کہ جس کے پڑھنے سے ہمیں یہاں کا پاسپورٹ ملے۔ ہم آپ کا یہ احسان زندگی بھر نہیں بھولیں گے۔ اللہ آپ کو اِس کا اَجر اِس دنیا میں بھی دے گا اور آخرت میں بھی۔ (آمین!)

☆ بیٹا.....! احسان کرنے والی ذات صرف اللہ کی ہے لہٰذا اسی سے مانگو۔ نمازِ فجر کے بعد سورۃ بقرہ آیت 76' 99-99 بار پڑھو اور دُعا کرو۔ خیال رہے' دورانِ وظیفہ نماز قضا نہ ہو۔ مدت ایک ماہ ہے۔

□ طاہرہ بیگم۔ پنڈی۔

o باباجی! السلامُ علیکم! امید کرتی ہوں کہ آپ بالکل خیریت سے ہوں گے۔ باباجی! ہمارا آپ کے پاس گزشتہ دو تین مہینوں کے دوران میں یہ تیسرا خط ہے۔ باباجی! ہم نے آپ سے استخارہ کروایا تھا اور وہ حق میں تھا۔ باباجی! اب جو میں مسئلہ لکھ رہی ہوں' اس کا بھی آپ مہربانی کر کے جلدی جواب دیجیے گا۔ باباجی! بچی کی بات جب سے ماموں کے بیٹے سے طے ہوئی ہے' تب سے آج تک وہ بیمار رہتی ہے' سانس بند ہونے لگتا ہے اور رات کو ہاتھ' پیر ٹھنڈے اور پھر گرم ہو جاتے ہیں۔ باباجی! ہمیں کسی نے بتایا ہے کہ بچی پر بندش کروائی گئی ہے کہ اس کا رشتہ ختم ہو جائے۔ اب ہمارے گھر میں اکثر جھگڑے بھی ہوتے رہتے ہیں۔ باباجی! آپ ہمیں بتائیں کہ ایسا کیوں ہے؟ اور ہمیں کوئی ایسا وظیفہ بتا دیں جس سے بچی کی شادی خیریت سے ہو جائے اور وہ اپنے سسرال میں بھی خیریت سے زندگی گزارے۔

☆ بیٹی طاہرہ.....! یاد رکھو' جو لوگ صرف اللہ سے پناہ مانگتے ہیں' وہ دنیا میں بھی ناکام نہیں ہوتے۔ کوئی کچھ بھی چاہے' کچھ نہیں ہوتا۔ صرف وہی ہوتا ہے جو خدا چاہتا ہے لہٰذا لوگوں کی باتوں میں مت آؤ۔ ایسی باتیں وہم پیدا کرتی ہیں فوری طور پر مجھ سے تعویذ تیار کروالو اللہ کا کلام پاس ہوگا تو کچھ نہیں ہوگا۔

□ سنبل۔ دودریا۔

o محترم بزرگوار! اللہ آپ کو صحت' تندرستی سے نوازے۔ (آمین!) محترم! میں نے تین ماہ قبل آپ سے کاروبار میں برکت کے لیے وظیفہ منگوایا۔ آپ نے سورۃ واقعہ بعد نمازِ عشاء 21 روز پڑھنے کو کہا تھا جو کہ میں نے پڑھی تھی۔ محترم! اللہ کے فضل و کرم سے میرے شوہر اور جیٹھ نے مل کر دکان ڈالی ہے مگر محترم جی! وہاں دکان پر اتنا کام نہیں آتا۔ آئے دن تو لاک ڈاؤن رہتا ہے۔ صبح جاتے ہیں' شام ہاتھ جھاڑ کر آجاتے ہیں۔ محترم! آپ مجھے کوئی ایسا وظیفہ دیں کہ ہماری دکان خوب چلے۔ خدا آپ کا بھلا کرے گا۔

☆ بیٹی سنبل! وظیفہ مستقل مزاجی کے ساتھ جاری رکھو۔ انشاء اللہ' ضرور کرم ہوگا۔ شوہر سے کہو' جب دکان کھولیں' تب ایک بار سورۃ مزمل ضرور پڑھ

بے اولاد جوڑوں کے لیے شرطیہ علاج' بانجھ پن یا کسی اور وجہ سے اگر اولاد نہ ہوتی ہو تو فوری رابطہ کریں۔ اور
چند ماہ کے علاج کے بعد اپنی اولاد کو اپنے ہاتھوں میں کھلائیں۔

www.pakistanipoint.com

لیا کریں۔ کرم ہوگا۔

□ رضوانہ جمیل۔ سیالکوٹ۔

o محترم بابا جی! السلامُ علیکم! میری شادی ہوئے تقریباً چھے سال ہوگئے ہیں اور جب سے ہی معاشی پریشانی ہے۔ میرے شوہر کو کوئی ڈھنگ کا کام نہیں ملتا ہے اور اگر ملتا بھی ہے تو تنخواہ اتنی کم ہوتی ہے کہ اس سے گزارہ ناممکن ہوتا ہے جبکہ میرا ذہن بھی اتنا کمزور ہے کہ کچھ یاد نہیں رہتا ہے۔ کوئی آ کر مجھ سے کچھ کہتا ہے تو مجھے سمجھ میں نہیں آتا ہے کہ اسے کیا جواب دوں؟ دماغ کام نہیں کرتا ہے۔ ان مسائل کی وجہ سے مجھے اپنے سسرال میں کافی پریشانی اٹھانی پڑتی ہے۔ میری ساس کا بھی مجھ سے ہر وقت منہ بنا رہتا ہے۔ میں انہیں خوش رکھنے کی ہر ممکن کوشش کرتی ہوں لیکن اس کے باوجود بھی ان کا رویہ مجھ سے صحیح نہیں رہتا' وہ ہر وقت مجھے ذہنی ٹینشن دیئے رکھتی ہیں۔ ان مسائل کی وجہ سے میں بہت پریشان ہوں۔ بابا جی! آپ کی بڑی مہربانی ہوگی آپ مجھے ان تینوں مسائل کے لیے کوئی ایک ہی حل بتا دیں۔ آپ کی یہ دکھی بیٹی آپ کو بہت دُعائیں دے گی۔

☆ بیٹی رضوانہ! اللہ تمہیں زندگی کی ہر سہولت عطا فرمائے۔ ایک تو نماز کی پابندی کی عادت ڈالو۔ دوسرے جس قدر ممکن ہو یَا مُقِیتُ کا وِرد بہت کیا کرو۔ مدت ایک ماہ ہے۔

□ مہناز۔ کوٹ ادو۔

o محترم و بزرگوار بابا جی! السلامُ علیکم! بابا جی! عرصۂ دراز سے ''سچی کہانیاں'' پڑھ رہے ہیں لیکن آج پہلی مرتبہ شرکت کر رہے ہیں۔ امید ہے' مجھ

بالوں کا گرنا' خشکی' بے جان بال ان سب کے لیے جڑی بوٹیوں سے تیار 150 سو سال پرانا نسخہ..... اب آپ بھی حاصل کر سکتے ہیں۔ رابطہ

.....35893121-35893122

ناچیز کو اپنی بزم میں جگہ دیں گے۔ بابا جی! بندہ جب ہر طرف سے مایوس ہو جاتا ہے تو اپنے رَب کو ہی یاد کرتا ہے لیکن بابا جی! میں نے تو کبھی بھی اپنے رَب کو بھلایا نہیں۔ مختصر یہ کہ ہم لوگ معاشی طور پر بہت کمزور ہیں۔ میں' شوہر اور دو بچے ہیں۔ میرے میاں بہت اچھے ہیں' بہت ایماندار' دو دو جاب کرتے ہیں لیکن اس مہنگائی کے دور میں پوری نہیں پڑتی اور پھر اب دو ماہ سے کام بھی نہیں ہے۔ ہم لوگ کرائے کے مکان میں رہتے ہیں' آمدنی کا زیادہ حصہ کرائے اور بلز وغیرہ میں چلا جاتا ہے۔ مختصر یہ کہ ہم لوگ بہت زیادہ پریشان رہتے ہیں۔ میں نے گھر میں ٹیوشن سینٹر کھولا لیکن کرونا کی وجہ سے بچے بھی نہیں آ رہے۔ بابا جی! شدید پریشان ہو کر آپ کے پاس مسئلہ لے کر آئی ہوں شاید آپ کی ہی دُعائیں سوہنے رَب تک پہنچ جائیں۔ بابا جی! کوئی ایسا وظیفہ بتائیں جس سے ہمارے آگے آنے والی تمام رکاوٹیں دور ہو جائیں۔ میرا سینٹر چل جائے اور میاں کو یا تو بہت اچھی جاب مل جائے یا پھر وہ ملک سے باہر چلے جائیں۔ میرے میاں بہت ہنرمند ہیں اور رِزقِ حلال کو اپنا نصب العین سمجھتے ہیں۔ بابا جی! میرے خط کا جواب آپ ''سچی کہانیاں'' میں ضرور دیجیے گا۔ کوئی ایسا وظیفہ ہو۔ ہماری ڈوبتی کشتی پار لگ جائے۔ آپ کے لیے ڈھیروں دُعائیں! اللہ

وہ بچے اور بچیاں جو دبلے پن سے پریشان ہیں اور لوگوں کے ہتک آمیز جملوں کا نشانہ بنتے ہیں فوری طور پر رابطہ کریں 2 مہینے کے علاج سے اس مسئلے سے جان چھوٹ جائے گی۔

www.pakistanipoint.com

اندرونی اور بیرونی زخموں' آپریشن کے بعد ٹانکوں کا کچارہ جانا یا کسی بھی قسم کی چوٹ کے لیے دوا دستیاب ہے۔ جن گھروں میں چھوٹے بچے ہیں وہاں اکثر کھیل کود کے دوران سر پر چوٹ لگ جاتی ہے ایسے میں یہ دوا سر میں خون جمنے نہیں دیتی' دوا حاصل کرنے کے لیے سچی کہانیاں کے دفتر فون کریں۔

آپ کو صحت دے اور لمبی عمر عطا فرمائے۔ (آمین!)

☆ بیٹی مہناز! اللہ رزق میں برکت بھی دے گا۔ ایک تو بعد نمازِ عشاء سورۃ واقعہ کو عادت میں شامل کرلو۔ یہ وظیفہ ہر شخص کرسکتا ہے۔ تم خود چند دنوں میں تبدیلی دیکھو گی' خوش رہو۔

□ ز۔ظ۔لاہور۔

☆ بیٹی.....! تمہارا خط طوالت کے باعث شائع نہیں کیا جارہا۔ ویسے تمہارا خط پڑھ کر بے انتہا تکلیف ہوئی۔ تم نے جس صبر اور ہمت کے ساتھ وقت گزارا ہے' اللہ تعالیٰ تمہیں اس کا صلہ تمہاری اولاد سے دے گا۔ بیٹی! شک اصل میں ذہنی بیماری ہے اور ایسے لوگ بیمار ہوتے ہیں' ان پر ترس کھانا چاہیے۔ بے شک ایسے انسان کے ساتھ زندگی گزارنا بہت مشکل ہے۔ تمہاری اولاد' تمہارے ملنے والے سب جانتے ہیں کہ تم ایک پاکباز عورت ہو۔ اللہ تعالیٰ سے دُعا کرو کہ وہ تمہیں مزید صبر عطا فرمائے۔ (آمین!) نمازِ فجر کے بعد ایک مرتبہ سورۃ یٰسین پڑھ کر اپنے اوپر دَم کرلیا کرو۔ یہ وظیفہ نہایت اعتقاد کے ساتھ 21 روز تک کرو۔ کرم ہوگا۔

□ صائمہ' راجن پور۔

o باباجی! السلامُ علیکم! ہماری شادی کو پانچ سال ہوگئے ہیں۔ میرا مسئلہ یہ ہے کہ شادی کے بعد تیسرے دن جھگڑا ہوگیا پھر یہ جھگڑے معمول بن گئے جو اب تک جاری ہیں۔ دراصل میرے شوہر کے شب و روز آوارہ عورتوں کے ساتھ گزرتے ہیں۔ پچھلے سال سے وہ کہہ رہے ہیں کہ دوسری شادی کروں گا۔ آپ کوئی ایسا وظیفہ بتائیں جس سے میرے تمام مسائل حل ہوجائیں۔ دوسرا مسئلہ میری کزن کا ہے۔ اس کی شادی کو تیسرا سال ہے۔ پہلا ایک سال تو خوشی سے گزرا مگر پھر اس کے شوہر نے اس پر شک کرنا شروع کردیا۔ وہ کہتا ہے کہ تم مجھ کو کھانے میں نشہ ملا کر دیتی ہو مگر اس کی بیوی اس سے بہت پیار کرتی ہے جبکہ وہ اس سے عمر میں بھی بہت بڑے ہیں۔ آپ اس کے لیے بھی کوئی آسان سا وظیفہ بتائیں کہ اس کا مسئلہ بھی حل ہوجائے۔

☆ بیٹی صائمہ.....! تمہیں اپنی زبان پر قابو پانا ہوگا کیونکہ تم پہلے بھی بہت نقصان اٹھا چکی ہو۔ نماز کی پابندی رکھو اور معاملات میں خاموشی اختیار کرو۔ اپنے فرائض پوری تندہی سے پورے کرتی رہو اور زبان سے صرف اچھی بات نکالو' رویہ نرم رکھو۔ نمازِ فجر اور نمازِ عشاء کے بعد 71-71 بار سورۃ طارق پڑھو۔ یہ وظیفہ تمہاری بہن بھی کرسکتی ہے۔ مجھے 41 روز کے بعد مطلع کرو۔ دوران وظیفہ تمہاری جانب سے لڑائی جھگڑے میں پہل نہیں ہونی چاہیے۔

□□.....❁.....□□

WAQAR AZEEM
www.Pakistanipoint.com

بچیاں جن کی شادی میں رکاوٹ ہے اپنی والدہ کے نام کے ساتھ لکھیں کلام الٰہی سے شرطیہ علاج انشاء اللہ چند دنوں میں رکاوٹ دور ہوں گی اور من پسند شخص ملے گا۔

آفتاب قرشی ®

صندل کی مہک اور تازگی کے ساتھ

WAQAR AZEEM
www.pakistanipoint.com

آفتاب قرشی

شربت کلاں

صندل

A Unani Product

Manufactured by: Aftab Qarshi Dawakhana
Muzamil Town, 20km Multan Road, Chong Lahore
E-mail: aftabqarshi@hotmail.com URL: www.aftabqarshi.com